درسِ بخاریؒ

از افادات

مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

درسِ بخاری

صحیح بخاری کی جامع اور عام فہم شرح،
جس میں حدیث کے متعلق جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی تمام
مشہور شروحات کا نچوڑ، صحیح بخاری سے متعلق ضروری اور مفید معلومات

از افادات
حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب
قطب الدین عابد (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن)

معاون
محمد عمران دہلوی (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن)

ناشر
اِدارۃ الانور
دوکان نمبر 2 پلاٹ نمبر GRE 672/4 انور مینشن بنوری ٹاؤن کراچی
Ph: 092-21-4914596, 4919673 Cell: 0333-2349656
E-mail: Idaratulanwar@yahoo.com

کتاب کا نام .... درس بخاری

افادات .... مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

طبع ثالث .... جولائی 2010ء

باہتمام .... عبدالرحیم جوہر
0333-2349656

اسٹاکسٹ

ادارۃ الانور

دوکان نمبر 2 پلاٹ نمبر GRE 672/4 انور مینشن بنوری ٹاؤن کراچی
Ph: 092-21-4914596, 4919673 Cell: 0333-2349656
E-mail: Idaratulanwar@yahoo.com

انتساب

ان حاملین دین متین کے نام جو نفرت اور بغض کے لامتناہی اندھیروں میں محبت اور امن (قرآن وحدیث) کے چراغ ہاتھ میں لیکر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ جور وجفا اور ظلم وستم کی گھٹا ٹوپ آندھیاں ان کے خلاف شباب پر ہیں لیکن وہ چراغ سے چراغ جلاتے جارہے ہیں۔

قطب الدین عابد

عرض مرتب

حضرت مفتی صاحب کی یہ تقریر ہمیں یہاں تک ہی دستیاب ہوسکی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ بخاری شریف کی جلد اول کی مکمل تقریر شائع کریں اس کے لئے جب ہم نے تلاش کیا تو حضرت مفتی صاحب کے اندازِ تقریر کے قریب جامعہ ہی کے استاذ حدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کی تقریر کو پایا۔ لہٰذا اس سے آگے دوسری جلد میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کی تقریر شائع کی جائیگی جو کہ درس بخاری کی دوسری جلد کی حیثیت سے عن قریب منصۂ شہود پر آئیگی۔

(دوسری جلد زیر طبع ہے۔)

نوٹ: فہرست درس بخاری کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

عرض مرتب

الحمد لله القديم الاول الذی لایزول ملکه ولایتحول، خالق الخلائق وعالم الذرات بالحقائق مفنی الامم ومحی الرمم ومعید النعم ومبید النقم وکاشف الغم وصاحب الجود والکرم، لا اله الا هو، کل شیئی هالک الا وجهه له الحکم والیه ترجعون. وصلی الله علی النبیّ الاُمّی واله وصحبه وسلم تسلیما کثیرا.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم واحسان ہے کہ اس نے ہم سے علم حدیث کی خدمت لی اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین صاحب شامزئی دامت برکاتہم کے درس کو ایک جلد میں ترتیب نو کے ساتھ علماء کرام، طلبہ عظام اور شائقین علم حدیث کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطاء فرمائی۔

موجودہ دور میں حضرت مفتی نظام الدین شامزئی دامت برکاتہم نقوشِ رفتہ اور عظمت رفتہ کے تاج محل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب جملہ محاسن اور محامد کا وہ مجموعہ ہیں کہ جن پر طلبہ علم دین خصوصاً اور تمام امت مسلمہ عموماً بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا درس بخاری پورے ملک میں مشہور ومعروف ہے۔ آپ کا درس نہایت سلیس، شستہ اور رواں ہوتا ہے۔ ابتدائی ابحاث پر مفتی صاحب کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز طلبہ علم حدیث کیلئے باعث کشش ہے۔ مشکل سے مشکل مباحث کو حضرت مفتی صاحب بآسانی حل فرماتے ہیں۔

زیر نظر کتاب حضرت مفتی صاحب کی صحیح بخاری کی درسی تقریر ہے۔ چونکہ یہ تقریر بہت جامع تھی اور طلبہ کی بہت پسندیدہ بھی، اس لئے فائدہ عام کیلئے اس کو کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا۔

کتاب کی خصوصیات:

یہ تقریباً تمام مشہور شروحاتِ بخاری کا جامع مگر مختصر نچوڑ ہے۔ عمدۃ القاری، فتح الباری، شرح ابن بطال، شرح الکرمانی، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا عام فہم خلاصہ ہے۔ اس کی ترتیب میں خاص طور پر اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ تقریر کے الفاظ حضرت مفتی صاحب ہی

کے ہوں۔ ترجمۃ الباب کی مفصل اور مدلل تشریح، ترجمۃ الباب کا ماقبل اور مابعد سے ربط اور ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں مناسبت وتطبیق کیلئے بہترین توجیہات، مشکل الفاظ کے معنی اوران کی تشریح، باب بلاعنوان یا بسم اللہ اثناء احادیث وغیرہ پر تشفی بخش کلام نے کتاب کو چار چاند لگادیئے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں اول سے آخر تک رفیق محترم حضرت مولانا محمد عمران صاحب دہلوی نے جو کاوش کی ہے اس پر میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں، انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے اس کیلئے پوراوقت دیکر اس کا بالاستیعاب تنقیدی مطالعہ کیا اور تصحیح اغلاط کے علاوہ اردو کی نوک پلک سنوارنے میں بھی مدد دی۔ اللہ کریم ان کو بھی جزائے خیر عطاء فرمائے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ چونکہ یہ درسی تقریر ہے اور تقریر کو اگر تحریر کا جامہ پہنایا جائے تو زبان وقواعد کا لحاظ مشکل سے ملحوظ رکھا جاتا ہے لیکن ہم نے پوری کوشش کرتے ہوئے اسے تمام قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے سادہ اور عام فہم انداز میں ترتیب دیا ہے۔ ضخامت سے بچنے کیلئے حدیث کو پوراذکرنہیں کیا گیا۔

بشری غلطیوں سے مبرا کوئی بھی نہیں، لہٰذا کسی بھی کمپوزنگ وحوالے کی غلطی کی نسبت مرتب کی طرف کی جائے نہ کہ صاحب تقریر کی طرف۔

تمام حاملین قرآن وسنت کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کی صحت کے ساتھ درازیٔ عمر کیلئے دعافرمائیں اور مرتب ومعاون اوران کے والدین، اقارب واحباب کیلئے بھی خاص طور سے دعائے خیر فرمائیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعہ کو خاص اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے اور اسے شرف قبولیت عطاء فرمائے۔ امین

مقدمة العلم

ابتدائی ابحاث

عمومی نصائح:

(۱) تصحیح نیت:

نیت کے معنی قصد القلب یعنی ارادہ ہے اور تصحیح نیت یہ ہے کہ دل میں یہ ارادہ کرے کہ جو کچھ اس کتاب میں پڑھوں گا صرف اس لئے کہ اللہ پاک راضی ہوں اور اہل سنت کے تمام عقائد اور قرآن وسنت سے ثابت تمام احکام پر عمل کروں گا۔

ابو عبداللہ ربیع جو کہ حاکم کے نام سے مشہور ہیں ان کی کتاب معرفت علوم حدیث (جو کہ اصول حدیث کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے) اس میں عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ" اگر مجھے کسی کتاب کی تصنیف کا موقع ملا تو اپنی کتاب کی ابتداء بھی اس حدیث (انما الاعمال بالنیات) سے کروں گا اور کتاب کے ہر باب کی ابتداء بھی اسی سے کروں گا۔" اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ جب آخرت میں پیشی ہو تو رب راضی ہو اور رضائے کا اظہار جنت اور مزید اظہار دیدار الٰہی سے ہے تو وہ حاصل ہو، اور مسلمان کی یہ خواہش موقوف ہے ایمان اور اعمال صالحہ پر اور ان دونوں کی صحت موقوف ہے نیت پر کیونکہ منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر "انا معکم" کہتے تھے یعنی کلمہ پڑھتے اور اعمال میں بھی شریک ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود امت کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان معتبر نہیں اور اسی طرح ان کے اعمال بھی معتبر نہیں۔ کیونکہ اعمال بھی ایمان پر موقوف ہیں کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا کہ "من عمل صالحا وھو مؤمن)) تو عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ میرے نزدیک دین کا معیار تصحیح نیت پر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ اور دیگر حضرات سے منقول ہے کہ انہوں نے ذخیرہ احادیث میں سے چند احادیث کا انتخاب کیا تو سب کے انتخاب میں یہ حدیث (انما الاعمال بالنیات) شامل تھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ متقدمین کے زمانے میں (امام ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب "میزان الاعتدال" میں لکھا ہے کہ ۳۰۰ ہجری سے قبل متقدمین اور اس کے بعد متاخرین کا زمانہ ہے) دینی

علوم پر مناصب ملتے تھے لہٰذا بہت خطرہ تھا کہ لوگ ان علوم کو دنیوی مناصب کیلئے پڑھیں گے تو اس زمانہ میں صحیح نیت پر بہت زور دیا جاتا تھا تا کہ خود طالب علم اور امت کیلئے نافع ہو پھر یہ بات ۳۰۰ ہجری کے بعد سے ۷۰۰ ہجری تک کم ہوگئی، پھر ۱۱۰۰ تک اور کمزور ہوگئی۔ اب یہ ہے کہ اس زمانہ میں مناصب تو ملتے نہیں لہٰذا یہ خدشہ تو نہیں کہ کوئی وزارت کیلئے بخاریؒ پڑھے گا لیکن اب پھر وفاق المدارس کی سند کو حکومت اور یونیورسٹی والوں نے تسلیم کیا ہے تو اس لئے اس سند کا ایک طرح سے معیار قائم ہوگیا ہے۔ اس لئے دوبارہ اس تلقین کی ضرورت پیش آئی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے پڑھو اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات خود پوری کریں گے، آگے اگر دنیا میں کچھ منصب ملے یا نہ ملے اس سے کوئی غرض نہ ہو۔

(۲) عمل صالح:

دوسری چیز یہ ہے کہ عمل درست کرے، عالم کے عمل کا درست ہونا کئی وجہ سے ضروری ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ مولوی ہے اور مولوی مسلمان ہی ہوتا ہے لہٰذا ایک مسلمان کی حیثیت سے عمل صالح ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے اور انبیاء عمل کرتے تھے لہٰذا اس حیثیت سے بھی تقاضا ہے کہ نیک عمل کرے اور تیسرا یہ کہ عالم ایک اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی ہوتا ہے اور اسی لئے وہ وارث بھی ہوتا ہے اور اگر وہ امت کیلئے اسوہ نہیں تو وراثت کا حق بھی نہیں رکھتا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کہ لحاظ سے بھی اگر دوسروں کو عمل کیلئے کہے گا اور خود عمل نہیں کرے گا تو لوگ طعنے دیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں ایک بزرگ تھے اور وہ ان سے ملاقات کیلئے آتے تھے تو امام احمدؒ کے درس میں شریک طلبہ سے کہتے تھے کہ ''یا اصحاب الحدیث ادواز کوۃ عملکم'' اور علم کی زکوۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے کم از کم ایک حدیث پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح آپ پڑھیں گے کہ فلاں محدث کو اتنی اتنی لاکھ حدیثیں یاد تھیں تو ایک محدث سے کسی نے پوچھا کہ اتنی حدیثیں کس طرح یاد کیں؟ فرمایا کہ اگر ہم عمل کی کوئی حدیث پڑھ لیتے تو اس پر عمل بھی کرتے لہٰذا وہ خود دماغ میں محفوظ ہو جاتی اور یاد کرنے میں دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

کچھ علم حدیث کے متعلق:

حدیث لغت میں بات کو کہتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں فرمایا کہ ''نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوال اور کلام کو حدیث کہنے کا سلسلہ قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہے
(واما بنعمة ربك فحدث)

موضوع علم حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے کیونکہ انسان من حیث الانسان علم طب کا موضوع ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عربی یا قریشی ہونے کے اعتبار سے علم الانساب کا موضوع ہے علم الحدیث کا نہیں۔

علوم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علوم عالیہ جو کہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے مطلوب و مقصود ہوں۔

(۲) علوم آلیہ جو کہ دوسرے علوم کیلئے بطور آلہ کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علم الصرف اور علم النحو وغیرہ ہیں، پس جتنے بھی علوم آلیہ ہیں ان سب کی غرض و غایت تو الگ ہوتی ہے لیکن کتنے بھی علوم عالیہ ہیں ان سب کی غرض و غایت ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا فہم حاصل ہو تا کہ خود بھی عمل کر سکیں اور دوسروں کو بھی بتائیں اور اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو اس کیلئے عام طور پر یہ الفاظ کہے جاتے ہیں: الفوز بسعادۃ الدارین۔

تدوین علم الحدیث:

یہ بات سمجھ لیں کہ ہر علم ابتداء میں اس طرح مدون نہیں ہوا تھا جس طرح کہ آج ہے، پس علم الحدیث بھی ابتدائی حالات اور ابتدائی دور میں اس شکل وصورت میں نہیں تھا۔

علم حدیث کی تدوین کب ہوئی؟

اگر تدوین سے مراد کتابت لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث لکھنے کی ابتداء ہوگئی تھی جیسا کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے بعد ایک صحابی نے درخواست کی کہ یہ میرے لئے لکھوا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اکتبوا لابی شاہ"

اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی کے پاس نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ فانہ یکتب ولا اکتب۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

میں سب کچھ لکھ لیتے تھے تو بعض قریشیوں نے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ میں بھی ہوتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم سب کچھ لکھا کرو، کیونکہ اس زبان پر حق کے سوا کچھ جاری نہیں ہوتا۔"

پہلا دور:

اگر تدوین سے مراد یہ مدون صورت ہے جو کہ ہمارے سامنے ہے تو جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو خطوط لکھے تھے کہ "انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ" اور مدینہ کے گورنر عبداللہ بن حزم کو خصوصی تاکید کی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگردوں قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے لکھو اور جمع کرو۔ تو یہ تدوین حدیث کا پہلا دور تھا اور اس میں صورت مسانید کی تھی کہ ایک ایک صحابی کی مرویات الگ الگ کر کے لکھی گئیں۔

دوسرا دور:

پھر امام مالکؒ اور ان کے ہم عصروں نے احادیث کو فقہی ترتیب کے اعتبار سے جمع کیا لیکن اس میں صحت کا وہ معیار نہیں رکھا گیا جو کہ بعد میں بخاری وغیرہ میں رکھا گیا، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار جو کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں نے نقل کی ہے جو کبھی ان کی جانب منسوب ہوتی ہے اور کبھی امام ابوحنیفہؒ کی جانب، اس کی ترتیب امام ابوحنیفہؒ نے خود رکھی تھی۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کی ایک کتاب مسند بھی ہے جس کے تقریباً ۱۷ نسخے ہیں کیونکہ مختلف اشخاص نے اس کو نقل کیا ہے لیکن اس کو خود امام ابوحنیفہؒ نے ترتیب نہیں دیا تھا بلکہ ان کے شاگردوں نے ترتیب دیا۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی بھی مسند تھیں۔

تیسرا دور:

یہ امام احمدؒ، عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہؒ کا دور ہے ان کی کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔

چوتھا دور:

یہ دور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے شاگردوں اور امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ کا ہے اس دور میں محدثین نے تین کام کیے:

(۱) صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز برقرار رکھا اور صرف صحیح حدیث کے لکھنے کا اہتمام کیا۔

(۲) اپنی کتابوں میں ترتیب قائم کی جس طرح پہلے ہوتی تھی کہ کتاب الایمان پھر کتاب العلم وغیرہ کی ترتیب سے ساری احادیث جمع کیں۔

(۳) اہتمام کیا کہ ایسی ترتیب قائم ہو کہ ائمہ مجتہدین کے طریق اجتہاد کو واضح کیا جائے اور ان کے مستدلات کی صحت وضعف کی طرف بھی اشارہ کیا جائے۔

یہ گویا آخری دور تھا اور اس کے بعد جو مصنفین نے کتابیں لکھیں ہیں وہ الگ سے نہیں بلکہ انہی کتابوں کو بنیاد بنا کر لکھی ہیں، کسی نے الگ سند کے ساتھ ان احادیث کو جمع کیا کسی نے ان کی شرائط پر احادیث جمع کیں۔ تاہم اسماء الرجال کے فن میں اس کے بعد کافی اہم تصنیفات سامنے آئیں امام حجاج مزیؒ کی کتاب ''تہذیب الکمال'' امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال، سیر اعلام النبلاء اور حافظ ابن حجرؒ کی تصنیفات اس فن میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ علم اسماء الرجال بھی حدیث کی اوپر مذکورہ کتابوں کے گرد گھومتا ہے۔

مقدمة الكتاب

امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات

نام ونسب:

آپ کا نام محمد، والد کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔ ان میں سے صرف مغیرہ مسلمان ہوئے، انہوں نے بخارا کے گورنر یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اسی بناء پر امام بخاریؒ کی نسبت بعض دفعہ جعفی لگائی جاتی ہے۔ جعف عربی قبیلہ تھا مغیرہ کا خاندان کیونکہ مجوسی تھا اور وہ یمان کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس لئے یہ نسبت ولاء اسلام کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے آباء واجداد کے بارے میں لکھا ہے کہ مغیرہ کا کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ عالم تھے یا نہیں اسی طرح ابراہیم کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ امام بخاریؒ کے والد اسماعیل کا تذکرہ ملتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا تھا اور خود امام بخاریؒ اپنے والد کے اقوال اور روایات ذکر کرتے ہیں (مثلاً میرے والد نے حماد کو دیکھا کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) انہوں نے وکیع بن الجراح، عبداللہ بن مبارک حماد بن زید سے حدیثیں سنی اور لکھی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اسماعیل طبقۂ رابعہ کے راوی ہیں۔

تاریخ ولادت اور دیگر حالات:

سن ۱۹۴ ہجری، ۱۳ شوال بعد نماز جمعہ آپکی ولادت ہوئی۔

لامع الدراری میں آپ کے متعلق دو قول منقول ہیں:

(۱) ولادت کے وقت ان کی آنکھیں صحیح تھیں۔

(۲) آپ پیدائشی نابینا تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

والد کا انتقال آپ کے بچپن میں ہوگیا تھا آپ کی پرورش والدہ نے کی، جو آپ کیلئے دعائیں کرتی تھیں کہ نابینا اور یتیم تھے۔ ایک رات ان کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور خواب میں بشارت دی کہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہوجائیں گی، بعد جب دیکھا تو ان کی آنکھیں واقعی

ٹھیک ہو چکی تھیں۔ یہ زمانہ علم حدیث کی شہرت کا زمانہ تھا اور اس کا بہت چرچا تھا لہٰذا امام بخاریؒ نے بچپن سے ہی اپنے علاقے بخارا میں مشائخ سے حدیثیں سننا شروع کر دیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سن ۲۰۵ ہجری میں آپ نے سب سے پہلے درس حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے علاقے کے محدثین کے درس میں بیٹھنا شروع کیا جس کے بعد سے آپ کے حافظے کا چرچا ہر طرف ہونے لگا، خود کہتے ہیں کہ مجھے بچپن میں ستر ہزار حدیثیں حفظ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کا سفر کیا اور تقریباً دو سال مکہ اور دو سال مدینہ میں قیام کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ وہاں چاند کی روشنی میں میں نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک تو قضایا الصحابۃ والتابعین اور دوسری التاریخ الکبیر ہے۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے اور اسفار کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف شہروں کے محدثین کے پاس حدیث سننے گئے، آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بغداد کے اتنے سفر کئے کہ مجھے خود بھی یاد نہیں ہے۔

بغداد کے سفر اس لئے کئے کہ یہ علماء کبار کا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ حجاز اور جزیرہ وغیرہ کے بھی اسفار کئے

کتاب لکھنے کا سبب:

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے استاد اسحٰق بن راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے کہا کہ کاش تم صرف صحیح احادیث جمع کر لیتے تو وقع فی قلبی یعنی میرا ارادہ ہو گیا۔

تصنیف کی ابتداء:

کتاب کی ابتداء، تاریخ پر غور کرنے سے ۲۱۶ ہجری میں بنتی ہے کیونکہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھنے کے بعد یحییٰ بن معینؒ علی بن المدینیؒ اور امام احمدؒ کی خدمت میں پیش کی۔ تو انہوں نے بڑی پسند کی۔ یحییٰ بن معینؒ کا انتقال سن ۲۳۳ ہجری علی بن مدینی کا انتقال ۲۳۴ ہجری اور امام احمدؒ کا انتقال ۲۴۱ ہجری میں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۳۰ ہجری تک کتاب مکمل ہو گئی تھی دوسری بات فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کتاب لکھنے میں ۱۶ یا ۱۷ سال صرف ہوئے اس حساب سے تصنیف کی ابتداء ۲۱۶ ہجری بنتی ہے۔

تصنیف کی دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی میں نے دیکھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھل رہا ہوں اور

آپ سے مکھیاں ہٹا رہاں۔ میں نے معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کرو گے۔ اس کے بعد میرا ارادہ پختہ ہو گیا۔

مقام تصنیف:

امام بخاریؒ کا قول ہے کہ میں نے یہ کتاب مسجد حرام میں لکھنا شروع کی اور بعض روایات میں کوفہ و بخارا کا بھی ذکر ہے۔ محدثین نے اس کی تطبیق یوں کی ہے کہ ابتداء تو مسجد حرام میں کی اور کچھ کام مسجد نبوی میں بھی کیا اور باقی کام اسفار میں کبھی بغداد میں کبھی کوفہ میں۔

لکھنے میں اہتمام:

فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی حدیث نقل کرتا تو دو رکعت نفل پڑھتا، استخارہ کرتا اور جب اطمینان ہو جاتا تو اس کو کتاب میں ذکر کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اصول حدیث کے قواعد کے اعتبار سے جب کوئی حدیث صحیح ہوتی تو اس کو لکھنے سے پہلے نفل پڑھتا، یہ نہیں کہ صحیح وضعیف کی پہچان کیلئے نوافل پڑھے جائیں۔

عنداللہ مقبولیت:

ایک محدث فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کی کتاب الام اور کتاب الرسائل کا درس دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ خواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کب تک شافعیؒ کی کتاب کا درس دیتے رہو گے؟ اور میری کتاب کا درس نہیں دیتے، میرے پوچھنے پر آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ میری کتاب بخاری ہے۔

عنداللہ اور عندالناس یہ کتاب اتنی مقبول ہے کہ اس کی صحت پر اجماع ہے۔

کتاب کا مکمل نام

الجامع الصحيح المسند من احاديث رسول الله صلى الله وسلم وستة و ايامه

اس کتاب کے مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام احادیث مرفوع ہیں، مسند کا اصلاحی معنی مواد نہیں ہے۔

احادیث کی تعداد:

امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ غیر مکرر احادیث اس میں چار ہزار ہیں جبکہ مکررات کے ساتھ مجموعی تعداد ۷۲۷۵ (سات ہزار دو سو پچھتر) ہے حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک غیر مکرر تین ہزار کے قریب ہیں لیکن ابن صلاحؒ کا قول اصح ہے۔

بخاری کی مشہور ترین شروحات:

(۱) فتح الباری:

یہ حافظ الدنیا امام ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ اس شرح کی ابتداء ۸۱۷ھ میں ہوئی اور اختتام شروع رجب ۸۴۲ھ میں ہوا، کل ۲۵ سال میں یہ مکمل ہوئی۔ یہ شرح جب مکمل ہوگئی تو حافظؒ نے ۲ شعبان ۸۴۲ھ بروز اتوار ایک زبردست دعوت کی جس میں تقریباً تمام بڑے لوگ شریک ہوئی اس دعوت پر پانچ سو دینار صرف ہوئے اس شرح کو اطراف کے بادشاہوں نے لکھوایا اور تین سو دینار میں فروخت ہوئی اور اطراف عالم میں مشہور ہوئی۔

(۲) عمدۃ القاری:

یہ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۵ھ کی انتہائی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ علامہ عینیؒ کی ولادت ''عین تاب'' میں جو حلب کے قریب تین منزل کے فاصلے پر ہے ۱۷ رمضان ۷۶۲ھ کو ہوئی۔ یہ حافظؒ ابن حجر سے گیارہ سال بڑے تھے اور انتقال بھی ان کے تین سال بعد ہوا۔ یہ شرح ۸۷۴ھ میں مکمل ہوئی۔

علماء کا قول ہے ابن حجرؒ نے فتح الباری لکھ کر اس کی شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی ترجمۃ الباب پر کوئی کلاب نہیں کیا گیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ صرف فتح الباری سے صحیح بخاری کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری دونوں نے مل کر حق ادا کیا ہے۔

(۳) ارشاد الساری:

یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ یہ شرح گویا فتح الباری اور عمدۃ القاری کا خلاصہ ہے۔ اس کو شرح قسطلانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تالیف ۱۷ ربیع الثانی ۹۱۶ھ میں مکمل ہوئی۔

(۴) الکوکب الدراری:

یہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی البغدادی الشافعیؒ المتوفی ۷۸۶ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ ان کے علاوہ دیگر شروح یہ ہیں:

(۵) شرح الامام النووی الشافعیؒ المتوفی ۶۷۶ھ

(۶) اعلام السنن للامام ابی سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی البستی المتوفی ۳۰۸ھ

(۷) شرح الداؤدی لابی جعفر احمد بن سعید المتوفی ۴۰۲ھ

(۸) شرح ابن بطال للامام ابن البطال المغربی المالکی المتوفی ۴۴۴ھ

(۹) شرح ابن التین، یہ ابن التینؒ السفاقسی کی شرح ہے حافظؒ نے بہت سی باتیں ان سے بھی نقل کی ہیں نویں صدی سے پہلے گزرے ہیں۔

(۱۰) شرح الزرکشی المسمی بہ التنقیح، یہ امام محمد بن بہادر بن عبداللہ بدرالدین زرکشیؒ المتوفی ۷۹۴ھ کی تصنیف ہے۔

امام بخاریؒ کا مسلک:

(۱) نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی کتاب ابجد العلوم میں امام بخاریؒ کو شافعی المسلک لکھا ہے۔ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں کہ اکثر اختلافی مسائل میں انہوں نے امام شافعیؒ کی تقلید کی ہے۔

(۲) حافظ ابن القیمؒ کی کتاب اعلام الموقعین میں ہے کہ امام بخاریؒ حنبلی تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حمیدی کے شاگرد تھے اور وہ شافعی تھے لہٰذا یہ بھی شافعی ہونگے۔

(۳) لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ جزائری کی کتاب توجیہ النظر میں ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد تھے اور ان کا اجتہاد جس امام کے موافق ہو جاتا اس کی موافقت کر لیتے۔ لہٰذا اگر کتاب پر گہری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ امام بخاریؒ نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی تائید کی ہے۔

صحیح بخاری کی خصوصیات:

(۱) سب سے بڑا امتیاز اس کا یہ ہے کہ اس کی احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہے لہٰذا یہ بات مشہور ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری ہے۔

(۲) دوسرا امتیاز اس کے تراجم ہیں کہ بعض تراجم کی مراد اب تک متعین نہیں ہو سکی ہے۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں تو عموماً قرآن کریم کی آیت یا حدیث سے کرتے ہیں۔ اپنے الفاظ عام طور پر نہیں لاتے۔

(۴) چوتھا امتیاز یہ ہے کہ اگر آیت کو ذکر کرتے ہیں تو اس کے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔

(۵) یہ ہے کہ اس جیسے الفاظ اگر قرآن پاک میں کہیں اور بھی آئے ہوں تو ان کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔

(٦) یہ ہے کہ جس مسئلہ کا باب لاتے ہیں اس کی تاریخ بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً نماز کب فرض ہوئی، اسی طرح روزہ وغیرہ

(۷) یہ ہے کہ تعلیق میں اگر صحیح حدیث لاتے ہیں تو قال کہتے ہیں اور اگر ضعیف حدیث ہوتی ہے تو صیغہ تمریض لاتے ہیں۔

(۸) یہ ہے کہ اکثر وہ تعلیقات لاتے ہیں کہ جن کو دوسرے مقام پر موصولاً ذکر کرتے ہیں۔

(۹) نویں خصوصیت یہ ہے کہ قال بعض الناس کہہ کر امام ابو حنیفہؒ اور بعض جگہ امام شافعیؒ کا رد کیا ہے۔

(۱۰) دسویں خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء بھی وحی کی بحث سے کی ہے اور انتہاء میں بھی وحی کی بحث لائے ہیں۔

رحلت و وفات:

سمرقند کے قریب ایک علاقہ خرتنک ہے۔ امام بخاریؒ نے عید الفطر سے ایک دن پہلے وہاں جانے کا ارادہ فرمایا لیکن راستے میں ہی پیام اجل آ گیا اور عین عید کی رات علم حدیث کا یہ ماہتاب بعمر ٦۲ سال اس جہاں سے رخصت ہوا۔ سن وفات ۲۵٦ ہجری ہے۔ آپ کی تدفین بھی خرتنک میں ہی ہوئی۔

کچھ سند سے متعلق:

سند کی تعریف:

حافظ ابن حجرؒ نے نخبۃ الفکر میں سند کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ''السند ھو طریق المتن''

یعنی سند وہ سلسلہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر تک پہنچائے۔

مراحل سند:

ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند کے تین مرحلے ہیں:

(۱) ہم سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ سے مصنفین تک

(۳) ان مصنفین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک

استاذ محترم حضرت مفتی صاحب کی سند:

(۱) مفتی نظام الدین شاگرد حضرت مولانا سلیم اللہ خان شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد المدنیؒ شاگرد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ شاگرد مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ شاگرد حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز سے اور انہیں اجازت تھی والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے۔

(۲) مفتی نظام الدین: اجازت وقراءت عبدالواحد صاحب بہاری شاگرد حضرت مولانا یاسین صاحب بریلویؒ اجازت از حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ اجازت از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

(۳) اجازت از قاری طیب صاحبؒ اجازت از محدث امۃ اللہ اجازت از شاہ عبدالغنیؒ اجازت از شاہ عبدالعزیز صاحبؒ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

(۴) اجازت از قاری طیب صاحبؒ اجازت از علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ اجازت از بن علامہ سید محمود آلوسیؒ از علامہ آلوسیؒ صاحب روح المعانی

(۵) اجازت از شیخ عبدالفتاح اجازت از علامہ زاہد الکوثریؒ

نوٹ: حضرت شاہ صاحبؒ سے لیکر امام بخاریؒ تک کی سند کتاب ''الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبدالغنی'' میں مذکور ہے۔

باب كيف كان بدء الوحی

الی رسول الله صلی الله عليه وسلم وقول الله عزّ وجل انّا اوحينا اليك كما اوحينا الی نوح والنبيين من بعده(النساء۱٦۳)

حدثنا الحميدی............ سمعت عمر بن الخطاب على المنبر يقول سمعت رسول الله عليه وسلم يقول انما الأعمال بالنيات الحديث.

امام بخاریؒ کے طریقۂ افتتاح پر کلام:

اشکال نمبر۱:

امام بخاریؒ نے خطبہ، حمد اور درود ترک کر کے علماء کی مخالفت کی ہے۔

اشکال نمبر۲:

حدیث ابی ہریرۃ ''كل أمر ذی بال لم يبدأ بالحمد فهو أقطع وأبتر ممحوق من كل بركة'' کی مخالفت کی ہے۔

جواب عن الاوّل:

متقدمین کا طریقۂ تصنیف یہی تھا کہ صرف تسمیہ سے کتاب شروع کرتے تھے خطبہ، حمد وغیرہ نہیں لاتے تھے۔ جیسے کتاب الآثار، مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل وغیرہ

جواب عن الثانی:

اس کے کئی جواب ہیں:

جواب نمبر۱:

اس روایت کے متعلق محدثین سے منقول ہے کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں لہٰذا اس کی مخالفت سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن محدثین کے یہاں یہ جواب مسلم نہیں کیونکہ یہ حدیث مفہوم کے اعتبار سے ثابت ہے۔ عبد القادر راہویہؒ نے اپنی کتاب اربعین، ابن حبانؒ اور ابن خزیمہ نے اپنی کتب میں اس کو نقل کیا ہے اواس کی سند میں قرہ بن عبد الرحمٰن متکلم فیہ راوی ہے لیکن باوجود اس کے اس کے متابع بھی موجود ہے جو سعید بن عبد العزیز ہے اور وہ اس کو مرسلاً نقل کرتے ہیں لہٰذا اس حدیث کو بالکل ساقط

الاعتبار نہیں کہہ سکتے۔ حافظ ابن حجرؒ تاج الدین سبکیؒ اور امام نووی نے اس حدیث پر مفصل کلام کر کے اس کو صحیح ثابت کیا ہے اور کم از کم درجہ حسن تک پہنچایا ہے اور اصول حدیث کے اعتبار سے بھی یہ حدیث درجہ صحت تک پہنچتی ہے کیونکہ صحیح کے مختلف درجات ہیں کما قال العلامة الکشمیریؒ

(۱) اس حدیث کی سند متصل ہو، راوی ثقہ وضبط ہو اور روایت شاذ، منکر، یا معلل نہ ہو۔ (۲) محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہو۔ (۳) کسی ایسی کتاب میں وہ حدیث موجود ہو جس میں صرف صحیح حدیث جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔ (۴) راوی پر کوئی شدید کلام نہ کیا گیا ہو۔

اس تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حدیث وجہ ثانی اور ثالث کی بناء پر صحیح ہے لہٰذا کوئی اور تاویل کرنی پڑے گی۔

جواب نمبر ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں حمد لکھنے کا ذکر نہیں ہے صرف ابتداء بالحمد کا ذکر ہے اور امام بخاریؒ نے یقیناً اہتمام کیا ہوگا ورنہ دو رکعت نفل نہ پڑھتے جس میں حمد، درود سب شامل ہیں۔

جواب نمبر ۳: اسلاف کی متابعت کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا مثلاً امام مالکؒ وغیرہ

جواب نمبر ۴: قرآن پاک کی ابتداء وحی کی اتباع کی۔

جواب نمبر ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی اتباع کی ہے۔

جواب نمبر ۶: حمد صلوٰۃ کا حکم خطب کیلئے ہے کتب کیلئے نہیں

جواب نمبر ۷: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خواب میں مدینہ کی حاضری ہوئی تو بخاری پڑھانے کا حکم ہوا میں نے عذر کیا کہ میرے پاس مراجعت کیلئے کتب نہیں ہیں تو امام بخاری قریب بیٹھے فرمانے لگے کہ تم پڑھو میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ میں نے شروع میں خطبہ نہ ہونے کے متعلق جو توجیہات ہم ذکر کرتے ہیں شروع کیں تو امام بخاریؒ نے فرمایا کہ دراصل بات یہ تھی کہ میں نے مسلسل کتاب تو لکھی نہیں بلکہ الگ الگ اجزاء لکھتا رہا لہٰذا حمد وغیرہ کو یکجا کرتے وقت لکھنے کا ارادہ تھا لیکن یکجا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن یہ جواب مسلم نہیں کیونکہ بیان ہو چکا ہے کہ بخاری

شریف ۲۳۳ھ میں مکمل ہوگئی تھی اور اسی طرح نوے ہزار آدمیوں نے امام بخاری سے بخاری شریف پڑھی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بخاری شریف کو یکجا جمع نہ کیا گیا ہو اور ویسے بھی خواب حجت نہیں ہے۔

بحث ابتداء بالوحی کی وجہ:

دیگر ائمہ کے خلاف امام بخاریؒ نے کتاب کی ابتداء وحی کی ابحاث سے کی ہے جبکہ امام مسلمؒ نے سند کی بحث سے ابتداء کی ہے، امام ابوداؤدؒ نے طہارت سے ابتداء کی ہے کیونکہ ابوداؤد شریف فقہی ترتیب پر مرتب ہے اور نماز دین کا ستون ہے اور نماز بغیر طہارت کے متصور نہیں ہے۔ ابن ماجہؒ نے علم سے ابتداء کی ہے۔ کیونکہ احکام کا مدار علم پر ہے۔ امام بخاریؒ نے وحی سے ابتداء کی ہے کیونکہ ثبوت احکام کیلئے بنیاد کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس ہے۔ وہ قیاس جس کا استناد نص کی طرف ہو اور نص میں اُس کی نظیر بھی ہوتا کہ اُس نظیر کے ذریعہ علت نکالی جاسکے اور اجماع بھی وہی معتبر ہے جس کا استناد کتاب اللہ وسنت کی طرف ہو۔ تو اصل بنیاد کتاب اللہ وسنت ہے اور ان کا تعلق وحی سے ہے چاہے جلی ہو یا خفی۔ اور دوسری وجہ بعض حضرات نے ذکر کی ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق کے ساتھ وحی پر بناء ہے کیونکہ وحی کے ذریعہ ہی ذات الٰہی، صفات اور احکام کا علم ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

ترجمۃ الباب کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو مقصد کہ وحی کے ابتدائی حالات کا بیان کرنا ہے۔ اب اشکال ہوگا کہ باب میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہی ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتی ہے۔ (باقی احادیث کا بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا) اس بارے میں محدثین کے متعدد اقوال ہیں:

قول نمبر ۱:

علامہ بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ امام بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کیف کان سے ابواب باندھتے ہیں جیسے کیف بدء الحیض، کیف بدء الاذان اور اس سے مقصد صرف ابتدائی کیفیت بیان کرنا نہیں ہوتی بلکہ تمام متعلقات کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے

اس بناء پر تمام احادیث کی مناسبت ظاہر ہے۔

قول نمبر۲:

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ بدء کی اضافت وحی کی طرف بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے

"کیف کان بدء امر الدین و امر النبوة الذی هو الوحی"

قول نمبر۳:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ کہ وحی متلو اور غیر متلو کی ابتداء کیسے ہوئی؟ کہاں سے ہوئی اور ہمارے پاس کیسے پہنچی۔ تو ثابت ہے کہ وحی ہمارے پاس اساتذہ کے واسطے سے پہنچی اور اُن کو اُن کے اساتذہ سے اس طرح سلسلہ در سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچی اور آپ کو من جانب اللہ القاء فی القلب، من وراء الحجاب یا بارسال الملک پہنچی تو مبداء الوحی، ابتداء الوحی اور کیفیۃ الوحی سب معلوم ہو گئے اس صورت میں تمام احادیث ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتی ہیں۔

قول نمبر۴:

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں بدء، کیف اور وحی کے الفاظ ہیں۔ تو کیف سے کیفیت زمانی اور مکانی عام مراد لیں گے اور موحی إلیہ و مبعوث إلیهم کی کیفیت کو بھی شامل کر لیں گے اور بدء کو بھی عام لیا جائے تو مندرجہ بالا چار صورتوں کو بھی شامل ہو جائے گا اور وحی سے بھی وحی متلو، غیر متلو، تلقی القلب، بارسال الملک اور من وراء الحجاب سب مراد لیں اس صورت میں تمام احادیث کی مناسبت واضح ہو گی۔

قول نمبر۵:

حضرت شیخ کا قول ثانی: اس باب میں عظمت وحی کا بیان ہے کہ وحی من جانب اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی عظیم ہیں، لانے والا فرشتہ بھی عظیم، نبی بھی عظیم، قرآن بھی عظیم اور امت محمدیہ بھی عظیم ہے۔

قول نمبر۶:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا

اور زمانہ فترت تقریباً چھ سو سال پر محیط رہا تو اس باب کا مقصد ہے کہ دوبارہ وحی کیسے شروع ہوئی تو ثابت ہے کہ آپ کو نبوت عطاء کی گئی اور سلسلہ وحی شروع ہوا تو وحی کی ابتداء بھی معلوم ہوئی اس لحاظ سے مناسبت احادیث ظاہر ہے۔

شاہ صاحبؒ کے قول کی تائید ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بدء کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے (۱) بدء (۲) بـدوّ بضم البـاء والـدال وتشـديد الواو معتل بمعنی ظہور۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے مذکورہ قول کی تائید ہوتی ہے۔

قول نمبر ۷:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کافی جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے ۳۰ مقامات پر لفظ کیف سے باب باندھا ہے ۲۰ جگہ جلد اول میں اور ۱۰ جگہ جلد ثانی میں۔ تو غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جہاں کہیں کسی قسم کا اختلاف ہو تو امام بخاریؒ باب کو کیف سے مصدر کرتے ہیں مثلاً باب الاذان اور باب الحیض میں اختلاف روایات کو ظاہر کرنے کیلئے کیف سے باب باندھا ہے اس مقام پر بھی احادیث وحی میں اختلاف ہے اور اقسام وحی میں بھی اختلاف ہے بعض علماء کے یہاں سات اقسام ہیں اور بعض کے یہاں چار ہیں۔

قول نمبر ۸:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بدء کے لفظ میں تاویل کریں گے اس طور پر کہ بدء کے لفظ سے اول لمحہ مراد نہیں ہے بلکہ اس میں امتداد مراد ہے اور امتداد میں شروع سے لیکر آخر تک تمام وقت اس میں شامل ہوتا ہے۔

قول نمبر ۹:

دیگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر تاویل نہ کریں بلکہ ظاہر پر محمول کریں تو بھی اشکال نہیں ہے کیونکہ باب کی ہر ہر حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ضروری نہیں ہے بلکہ کسی ایک حدیث سے ثابت ہونا کافی ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ترجمۃ الباب

ثابت ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

باب کیف الخ ترکیبی حیثیت:

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کا قول ہے کہ اس عبارت کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔

(۱) بابٌ تنوین کے ساتھ بغیر اضافت۔ (۲) بابُ مرفوع اضافت کے ساتھ مابعد کو مضاف ہے۔ (۳) ساکن پڑھا جائے اور مابعد مستقل کلام ہو۔

اشکال:

کیف استفہامیہ تو صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے جبکہ یہاں کیف درمیان کلام میں ہے۔

جواب:

(۱) بعض نسخوں میں باب کا لفظ منقول نہیں ہے جیسے کہ ابوذر اور اصیلی کی روایت میں ایسا ہی ہے۔

(۲) جن نسخوں میں موجود ہے تو جواب یہ ہے کہ کیف علیٰ الاطلاق صدارت کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ کلام مدخول علیہا کی صدارت چاہتا ہے اور یہاں کیف اپنے جملہ مدخول علیہا کے صدر میں واقع ہے۔

بدء کا استعمال:

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے (۱) بدء بالھمزۃ باب فتح سے بمعنی ابتداء کرنا (۲) بُـدُوّ باء اور دال کے ضمہ کے ساتھ اور واو کے ساتھ بمعنی ظاہر ہونا۔

وحی کی لغوی تعریف: یہ لفظ لغت میں کئی معنی میں مستعمل ہے:

(۱) الاعلام فی الخفاء (۲) الاشارۃ السریعۃ (۳) حافظؒ و علامہ عینیؒ نے امام جوہریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وحی کا اطلاق کتاب (۴) رسالت اور (۵) الہام پر بھی ہوتا ہے

وحی کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شریعت میں وحی کہتے ہیں **کلام اللہ المنزل علیٰ رسول من الرسل اور نبی من الأنبیاء.** اس معنی کے لحاظ سے اس کلام پر بھی وحی کا اطلاق ہوتا ہے جو فرشتے کے واسطے سے نازل ہوا ہو اور اس کلام پر بھی جو بغیر واسطے کے نازل ہوا ہو مناماً ہو یا یقظۃً۔

اقسام وحی

پہلی تقسیم:

وحی کی دو قسمیں ہیں (۱) وحی متلو (۲) وحی غیر متلو۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ وحی متلو میں الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں جبکہ غیر متلو میں مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے اور الفاظ نبی کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن میں روایت بالمعنی جائز نہیں البتہ حدیث میں جائز ہے۔

دوسری تقسیم:

علامہ فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں کہ وحی دو قسم پر ہے (۱) ظاہری (۲) باطنی۔ باطنی میں کلام اللہ بغیر واسطے کے دل میں اترتا ہے اور ظاہری بذریعہ ملک وحی کو کہتے ہیں۔

تیسری تقسیم:

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ وحی چار قسم پر ہے: (۱) کلام اللہ من وراء الحجاب (۲) القاء فی القلب (۳) وحی مناماً (۴) بواسطۃ الملک۔

چوتھی تقسیم:

حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ وحی تین قسم پر ہے (۱) من وراء الحجاب (۲) بذریعہ ملک (۳) القاء فی القلب مناماً کان اویقظۃً۔

پانچویں تقسیم:

علامہ سہیلیؒ صاحب روض الانف فرماتے ہیں کہ وحی کی سات قسمیں ہیں (۱) مناماً (۲) مثل صلصلۃ الجرس (۳) نفث فی الروع (۴) تمثیل الملک رجلاً (۵) جبریل علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت میں آنا (۶) کلام من وراء الحجاب (۷) وحی بذریعہ اسرافیل۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت اسرافیل علیہ السلام تین سال تک وحی لاتے رہے پھر حضرت جبریل مقرر ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی یا بلا واسطہ آتی ہے یا بالواسطہ یہ تمام قسموں کو شامل ہے۔

رسول کی تعریف:

إنسان بعثه الله إلى المخلوق لتبليغ احكامه اور بعض علماء انسان کی قید نہیں لگاتے تاکہ جبریل کو بھی یہ تعریف شامل ہو جائے۔

اصطلاحی تعریف:

وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہو۔

نبی اور رسول میں فرق:

(۱) بعض کے یہاں مصداق ایک ہی ہے صرف اعتباری فرق ہے (۲) رسول وہ ہے جس کو جدید شریعت ملی ہو بخلاف نبی کہ اس کو جدید شریعت ملنا ضروری نہیں (۳) رسول کے پاس کتاب ہو بخلاف نبی (۴) رسول کے جھٹلانے والوں پر عذاب آتا ہے اور نبی کے جھٹلانے والوں پر عموماً عذاب نہیں آتا (۵) اصلی فرق: کہ رسول کے پاس جدید کتاب ہو یا کافر قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث ہو اور نبی سابقہ قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا گیا ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم:

صلوٰۃ کا معنی: نسبت الی اللہ ہو تو پھر معنی ہے نزول رحمت، **الی الملئکہ** ہو تو بمعنی مغفرت، الی العباد ہو تو دعا، الی الوحوش ہو تو تسبیح و تہلیل۔

حکم صلوٰۃ:

عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، مجلس میں نام مبارک آنے پر ایک مرتبہ واجب پھر مستحب ہے۔

وقول الله عزّ وجل: إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ الآية۔ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کنایۃً یا صراحۃً اشارہ ہو تو وہاں آیت کریمہ

کو ذکر فرماتے ہیں اور یہاں اس آیت کریمہ کو منتخب کیا ہے کیونکہ لوگوں کو اشکال تھا کہ آپ نبی ہیں تو آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح یکمشت کتاب کیوں نہیں گئی تو جواب ہوا کہ موسیٰ کے علاوہ اور بھی نبی گزرے ہیں جن کو یکمشت کتاب نہیں دی گئی اور لوگوں کا طریقہ تھا کہ مدعی نبوت کو جانچنے کیلئے اس کے حالات اور انبیاء سابقین کے حالات کا موازنہ کرتے اگر حالات متفق ہوتے تو نبوت کو تسلیم کرتے ورنہ نہیں تو گویا اس آیت میں ارشاد ہے کہ آپ صفت وحی میں انبیاء سابقین کے ساتھ موافق ہیں لہٰذا ان لوگوں کو چاہئے کہ آپ کی نبوت کو تسلیم کریں۔

آیت کے انتخاب کی وجہ:

وحی کی کثیر آیات میں اسی کو منتخب کیا کیونکہ اس میں اور اس سے متصل آیات میں ایسے امور کا ذکر ہے جن کا ذکر دوسری جگہ کم از کم ایک ساتھ نہیں ہوا ہے مثلاً (۱) وحی کی تشبیہ دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ (۲) کلم اللہ سے انواع وحی کی طرف اشارہ ہے (۳) آگے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کا ذکر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص:

وجہ تخصیص یہ ہے کہ (۱) نوح علیہ السلام پہلے تشریعی نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریعی نبی ہیں (۲) نوح علیہ السلام کی قوم نے عناداً تکذیب کی تو اُن پر عذاب آیا تو اشارہ ہے کہ اگر تم لوگ بھی تکذیب کروگے تو عذاب تم کو بھی گھیر لیگا۔ لیکن ان وجوہ کو علامہ عینیؒ نے رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر وحی تشریعی آئی تھی اور پہلا عذاب قابیل پر آیا تھا اور پھر خود یہ وجہ بیان کی ہے کہ نوح کیونکہ آدم ثانی ہیں اس لئے ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اگر یہی وجہ تشبیہ ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام تشبیہ کے زیادہ مستحق تھے۔

حدیث کا شان ورود:

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے طبرانی کے حوالے سے مہاجر ام قیس کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کا شیدائی تھا لیکن عورت نے شادی کیلئے ہجرت کی شرط لگائی تو اس

آدمی نے اسی نیت سے ہجرت کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ "**یا أیها الناس إنما الأعمال بالنیات الخ الحدیث**"

استنباط مسئلہ:

اس حدیث سے مجتہدین نے نیت فی الوضو کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔

قول امام سیوطیؒ:

حدیث میں اعمال بھی جمع ہے اور نیات بھی جمع ہے اور امام سیوطیؒ کا قول ہے کہ **الجمع بمقابلة الجمع یقتضی إنقسام الاحاد علی الاحاد** لہٰذا ہر عمل کیلئے الگ سے نیت کرنا ضروری ہے اور ایک روایت میں نیت مفرد اور اعمال جمع آیا ہے تو اس صورت میں توجیہ یہ ہوگی کہ نیت قلب سے متعلق ہے اور قلب مفرد ہے جبکہ اعمال جوارح سے متعلق ہیں اور جوارح زیادہ ہیں۔ حدیث کا پہلا جملہ بمنزلہ شرط کے ہے اور مابعد بمنزلہ جزا کے ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت تو نہیں ہے لیکن اس حدیث کو اپنی نیت حسنہ کے بیان کیلئے لائے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ طلبہ کو حسن نیت پر اُبھارنے کیلئے لائے ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث کتاب کیلئے بطور مقدمہ کے لائے ہیں۔ بعض دیگر علماء نے ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی تصنیف کرے اسے چاہئے کہ اس حدیث سے ابتداء کرے اگر میں کتاب لکھتا تو اس حدیث سے ابتداء کرتا۔

(۴) چوتھا قول علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمل کی دو جانب ہیں (۱) ثبوت عمل (۲) صدور عمل ثبوت عمل تو وحی سے متعلق ہے لیکن صدور عمل کیلئے نیت کی ضرورت ہے تو ترجمۃ الباب سے ایک جانب کی طرف اشارہ ہے اور حدیث سے دوسری جانب اشارہ ہے۔

(۵) پانچواں قول: حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور ترجمۃ الباب میں وحی کا ذکر ہے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہجرت کی، ایک غار حراء کی طرف دوسری مدینہ کی طرف اور وحی ہجرت اول کے بعد شروع ہوئی۔

(۶) چھٹا قول: حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور وحی ہجرت الی المدینہ کے بعد غالب ہوئی۔

(۷) ساتواں قول: وحی متلو قبل ہجرت شروع ہوئی اور وحی غیر متلو بعد ہجرت شروع ہوئی اور وہ وحی غیر متلو یہی "انما الاعمال بالنیات" ہے۔

(۸) آٹھواں قول: آیت کی وحی دیگر انبیاء کے ساتھ مشترک ہے اور دیگر انبیاء کو اخلاص کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ آیت **"وما اُمروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین"** میں ہے تو اب اس اخلاص کا مطلب اس حدیث میں بیان ہے لہٰذا مناسبت واضح ہے۔

(۹) نواں قول: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسلم ہے کہ وحی وہبی ہے کسبی نہیں لیکن پھر بھی انتخاب حسن اخلاق کے علمبرداروں کا ہوتا ہے لہٰذا آپ کی طرف جو وحی ہوئی وہ اس لئے کہ آپ حسن اخلاق کے مالک ہیں۔

قول فیصل:

اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کو بطور مقدمہ لائے ہیں اور اصل کتاب کتاب الایمان سے شروع ہوئی ہے اس باب کو لانے کی غرض دو باتیں ہیں:

(۱) عظمت وحی کا بیان (۲) حسن نیت پر اُبھارنا

حدثنا الحمیدی: ابتداء حمیدی سے کی ہے یہ قریشی مکی ہیں اور حدیث ثانی امام مالک سے نقل کی ہے وہ مدنی ہیں تو اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وحی مکہ سے شروع ہوئی اور غلبہ مدینہ منورہ میں ہوا یہ حدیث اخبار احاد کے قبیل سے ہے اسے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا اور بعد میں علقمہؒ نے نقل کیا۔ (وھوالراجح)

الحدیث الثانی:

عن عائشۃ ام المومنین .... کیف یأتیك الوحی فقال احیاناً

يأتيني مثل صلصلة الجرس الخ

قیدام المومنین:

یہ قرآن کریم سے ثابت ہے **لقوله تعالیٰ وأزواجهٗ امهاتهم**

امہات کا لفظ صرف عظمت اور اور حرمت کیلئے ہے ورنہ باقی احکام ماؤں کی طرح نہیں ہیں مثلاً عام حالات میں بنت الام سے نکاح ناجائز ہے لیکن حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضور کی صاحبزادیوں سے نکاح کیا تھا۔

مسئلہ:

آیا امہات المومنین کو مردوں کی تبع میں امہات المومنات کہنا جائز ہے؟

جواب:

قاعدہ کی رو سے تو جائز ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صراحۃً منع منقول ہے کہ کسی عورت نے آپ کو یا اُماہ کہا تو آپ نے جواب میں فرمایا "لست بأمكِ انا ام رجالكم"، میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ تمہارے مردوں کی ماں ہوں ویسے بھی اُم کہنا حرمت کیلئے اور حرمت والا پہلو مردوں میں ہے عورتوں میں ہے نہیں تو کیا ضرورت ہے؟

بعض حضرات تبعاً للرجال امہات المومنات کے جواز کے قائل ہیں مگر اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کیلئے خالۃ المومنین کہنا سلف سے منقول نہیں ہے۔

ان حارث بن هشام سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

یہ ابوجہل (عمرو بن ہشام) کے حقیقی بھائی تھے، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور غزوۂ یرموک میں شہید ہوئے۔

احتمال:

(۱) اگر اس گفتگو کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں تو یہ حدیث مسانید عائشہ میں سے ہے۔

(۲) اگر حارث بن ہشام نے انہیں بعد میں بتایا تو مسانید حارث میں شمار ہوگی۔ اور

حضرت حارث بن ہشام کا سوال شک کی بناء پر نہیں تھا بلکہ کیفیت وحی کے بارے میں تھا۔

سوال عن الکیف:

کیف سے سوال وہاں ہوتا ہے جہاں نفس شئے کا یقین اور علم ہو لیکن نسبت معلوم نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا "ربّ ارنی کیف تحی الموتیٰ"۔

احیاناً یأتینی مثل صلصلة الجرس الخ

یہاں پر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ صلصلۃ الجرس بواسطہ ملک ہو دوسرا یہ کہ بدون واسطہ ملک ہو۔ اب صلصلۃ الجرس کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں

(۱) صوت الملک یعنی یہ خود فرشتے کی آواز ہے۔

(۲) حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ "ہو صوت اتیان الملک" یعنی فرشتے کے آنے کی آواز ہے جیسے کہ گاڑی کے آتے وقت انجن کی آواز آتی ہے۔

(۳) صوت جناح الملک یعنی فرشتے کے پروں (بازوں) کی آواز ہے۔

(۴) خود وحی کی آواز ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے تسلیماً پروں کو ہلاتے ہیں تو اس آواز سے وحی آنے کا علم ہوتا ہے۔

(۵) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام نفسی کی آواز تھی۔ اب اس بارے میں اختلاف ہے متکلمین فرماتے ہیں کہ کلام نفسی کی صوت نہیں ہے جبکہ محدثین صوت کے قائل ہیں امام بخاریؒ جلد ثانی میں صفات باری تعالیٰ میں صوت کو ثابت کریں گے۔

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ صوت تعطل حواس سے پیدا ہوتی ہے جیسے کوئی کانوں میں انگلیاں ڈال دے تو اسے ایک آواز محسوس ہوگی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق وحی کے وقت عالم سفلی سے کٹ کر عالم بالا سے مل جاتا تھا اس سے آپ کو یہ آواز محسوس ہوتی تھی۔

اشکال:

گھنٹی کی آواز تو مذموم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ لاتصحب الملئکة رفقة فیھا کلب ولا جرس کہ فرشتے اس جماعت کے ساتھ نہیں ہوتی جس میں گھنٹی یا کتا ہو۔

جواب:

(۱) حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ مشبہ مشبہ بہ کے ساتھ تمام اوصاف میں مطابقت نہیں رکھتا بلکہ صرف بعض امور میں مطابقت کافی ہے یہاں بھی صرف اتنی مطابقت ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے یہ آواز بھی مسلسل ہوتی تھی۔

(۲) گھنٹی وہ مذموم ہے جب قافلہ دشمن پر حملہ کرنے کیلئے جاتا ہے کیونکہ گھنٹی سے کفار کو مجاہدین کے آنے کا علم ہو جاتا ہے۔

وھو اشدہ علی ...... وجہ شدت یہ ہے کہ صوت مسلسل سے اخذ کلام مشکل ہوتا ہے اور وحی کی دو صورتیں ہیں کبھی فرشتہ بصورت انسان وحی لاتا ہے اور کبھی القاء فی القلب ہوتا ہے تو اس دوسری صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت ہوتی کیونکہ اس میں آپ کو صفات ملکوتی اختیار کرنی پڑتیں اور وحی خود بھی ثقیل ہے لقولہ عز وجل: "انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً"

فیفصم عنی ...... اس میں کئی لغات ہیں: (۱) ضرب یضرب سے یہ افصح اور اشہر ہے (۲) ضرب سے مضارع مجہول (۳) باب افعال سے مضارع معلوم یُفصم ان کا معنی ہے کہ ینقطع عنی الوحی۔ بعض نے اس کو قصم بالقاف بھی پڑھا ہے۔

الملك ...... الک سے بمعنی پیغام پہنچانا۔ یہاں اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں

ملک کی تعریف: جسم نورانی یتشکل بأشکال مختلفة لطیفة لایعصی اللہ

یتمثل لی الملك رجلاً ...... (۱) رجلاً یا تو بناء بر تمیز منصوب ہے لیکن اشکال ہوتا ہے کہ ماقبل میں ابہام نہیں ہے۔

(۲) بناء پر حالیت منصوب ہے۔ لیکن اشکال ہوتا ہے کہ حال ذوالحال کیلئے بمنزلہ خبر

کے ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

(۳) منصوب بنزع الخافض ہے۔

اشکال:

وحی کی تو اور بھی صورتیں ہیں مگر حدیث میں صرف دو ہی مذکور ہیں باقی متروک ہیں۔

جواب:

کچھ ایسی صورتیں ہیں جو انبیاء کے ساتھ خاص نہیں جیسے الہام اور بعض صورتیں قلیل الوقوع ہیں جیسے کلام یہاں صرف عام اور مشہور کو ذکر کیا ہے دیگر کو چھوڑ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قالت عائشہ:

یہ قول سند سابق سے منقول ہے اس لئے حرف عطف نہیں لائے اور سے مقصد شدت وحی کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

لیتفصد...... اس کا معنی ہے رگ کھلنا جس طرح رگ کھلنے سے خون بہتا ہے اسی طرح پسینہ مبارک بہتا تھا۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت:

(۱) حدیث میں وحی کی کیفیت کا ذکر ہے مناسبت ظاہر ہے۔

(۲) حدیث میں دو صورتیں مذکور ہیں ابتداء ان میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ یقیناً ہوئی ہوگی۔

(۳) انہی دو صورتوں سے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی آتی تھی۔

الحديث الثالث

حدثنا يحى بن بكير ...... عن عائشة قالت: اول ما بدئ به......

پورے باب میں صرف یہی حدیث مکمل طور پر ترجمۃ الباب کے مناسب ہے کیونکہ اس میں ابتداء وحی کا ذکر ہے۔

اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحى الرؤيا الصالحة

فی النوم......

نبوت کیلئے تمہید رؤیاء صالحہ تھے تا کہ انس پیدا ہو جائے ورنہ فرشتے کے اچانک آنے سے آپ پریشان ہو جاتے اس لئے انس مع الوحی کیلئے پہلے خوابوں کا سلسلہ شروع کیا گیا اور دیگر علامتیں مثلاً راستے میں پتھر اور شجر کا سلام کرنا بھی اسی انس کیلئے تھا اور خواب تقریباً چھ ماہ آتے رہے اسی لئے تو حدیث میں مومن کے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے کیونکہ چھ ماہ ۲۳ سالہ نبوت کا چھیالسواں حصہ ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے بخلاف عام لوگوں کے کہ اگر وہ شرع کے خلاف کوئی بات دیکھیں تو اس پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

اشکال:

اگر انبیاء کا خواب وحی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کیوں مشورہ کیا کہ **فانظر ماذا ترٰی**.

جواب:

حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کو معلوم تھا کہ یہ وحی ہے اس لئے تو جواب دیا کہ **یا ابت افعل ما تؤمر** البتہ بیٹے کو پہلے سے خبردار کرنا وحشت کو دور کرنے کیلئے تھا۔

اشکال:

خواب میں تو بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا حالانکہ تعبیر میں مینڈھا ذبح ہوا؟

جواب:

(۱) ابن العربیؒ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعبیر درست نہیں سمجھے اس لئے مینڈھے کے ذبح کو بیٹے کے ذبح سے تعبیر کیا لیکن علماء نے ابن العربی کے قول کی تردید کی ہے کہ یہ شان رسالت کی تقصیر ہے۔

(۲) حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ خواب میں جو دیکھا تھا وہی ہوا کیونکہ خواب میں ذبح کا ابتدائی فعل دیکھا تھا پورا ذبح کرتے نہیں دیکھا تھا اور یہی کچھ ظاہر

میں بھی ہوا۔

(۳) حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم تھا مگر یہ نسخ قبل العمل کے قبیل سے ہے۔

الرؤیا الصالحۃ......

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں **الرؤیا الصادقۃ** اور بعض میں **الواضحۃ** منقول ہے۔ الصالحۃ کا معنی خوش کن، حیرت انگیز عمدہ اور عربی میں اس کی دو طرح سے تفسیر ہوئی ہے۔ (۱) **ما لیس باضغاث احلام** (۲) جس کی تعبیر سامنے آجائے اور اس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔

فی النوم......

یہ قید رؤیۃ العین سے احتراز کیلئے ہے۔

من الوحی......

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے من کو ابتدائیہ اور تبعیضیہ دونوں مانا ہے۔

فلق الصبح......

فلق کا معنی پھاڑنا ہے یعنی جس طرح رات کے بعد صبح کا آنا یقینی ہے ایسے ہی ان رؤیا صالحہ کے تعبیر یقینی ہوتی تھی۔

فلق الصبح کے ساتھ تشبیہ میں دو احتمال ہیں

(۱) یہ تشبیہ یقینی ہونے کے اعتبار سے ہے۔

(۲) جس طرح صبح صادق سے رات کا اندھیرا تدریجاً ختم ہوتا ہے اور آخر کار روشنی غالب آجاتی ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے آہستہ آہستہ جہالت کے اندھیرے ختم ہوئے اور نبوت کی روشنی غالب آگئی۔

ثم حبب الیہ الخلاء......

حُبب مجہول ہے حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ مجہول لانے میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت بوجہ کسی دنیاوی پریشانی کے نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلوت محبوب کر دی گئی تھی۔

خلوت کا فائدہ:

(۱) خلوت میں آدمی کو اپنی حقیقت پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۲) کائنات میں تدبر و تفکر کیا جا سکتا ہے۔

(۳) نعم خداوندی پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۴) اس راستے سے گزرنے والوں کے ساتھ تعاون کیا جا سکے۔

طریقہ خلوت وغرض خلوت:

پانچ چھ دن اور بعض روایات میں ہے کہ مہینہ کیلئے اپنا توشہ لتے اور خلوت فرماتے توشہ ختم ہونے پر واپس آتے اور توشہ لیکر دوبارہ تشریف لے جاتے۔

غار حراء کا انتخاب کیوں؟:

(۱) مکہ سے زیادہ دور بھی نہ تھا اور نہ زیادہ قریب

(۲) بیت اللہ وہاں سے صاف نظر آتا تھا۔

حراء کو ممدود، مقصور، منصرف، غیر منصرف، مذکر اور مؤنث سب طرح پڑھنا جائز ہے۔

فیتحنث فیہ......

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں فیتحنّف تھا یعنی آپ دین ابراہیمی پر عمل پیرا تھے چنانچہ بعض روایات میں ثاء کے بجائے فاء آیا ہے کلام عرب میں کبھی فاء کو ثاء سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مگر دیگر شارحین نے اس کو تحنث سے مانا ہے کہ یہ باب تفعل سے ہے اور اس کی خاصیت سلب ماخذ کی ہے یعنی سلب الحنث اور جب آدمی عبادت میں مشغول ہو تو گناہ سے محفوظ رہتا ہے تو یہاں عبارت میں تحنث کا معنی تعبد اللیالی لازمی معنی ہے لفظی نہیں۔ امام طیبیؒ کا قول ہے کہ یہ تفسیر امام زہریؒ کی ہے حسب عادت اگرچہ حافظ نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا لیکن دیگر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

سوال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں کونسی شریعت کے موافق عمل کرتے تھے؟

جواب:

علامہ عینیؒ نے اس سلسلے میں بارہ قول ذکر کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تدبر اور تفکر فرماتے۔

(۲) دین حنیف کے تابع تھے۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے۔

(۴) شریعت نوح علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۵) شریعت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۶) شریعت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۷) سابقہ شرائع میں سے کسی کے پابند نہیں تھے لیکن تمام میں سے کوئی نہ کوئی جز لیتے۔

(۸) توقف کا قول ہے۔

اصح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص شریعت کے تابع نہیں تھے بلکہ جو طریقہ عبادت من جانب اللہ القاء ہوتا اُسی پر عمل کرتے۔

ینزع...... یرجع معناً ووزناً۔ یتزود......

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب توکل کے منافی نہیں ہیں۔

لمثلها......

ھاء ضمیر یا تو لیالی ذوات العدد کی طرف راجع ہے یا عبادت کی طرف راجع ہے۔

حتی جاء الحق......

(۱) ای امر الحق النبوۃ

(۲) ای رسول الحق یعنی جبریل علیہ السلام

(۳) الامر البین الواضح یعنی راستے میں شجر و حجر کا سلام کرنا بھی علامت نبوت تھی مگر جبریل کے آنے سے صاف وضاحت ہوگئی۔

(۴) کلام الحق یعنی الوحی

(۵) بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دیدار الٰہی ہے مگر محدثین نے اس کو رد کیا ہے۔

سلسلہ وحی میں آنے والے فرشتے:

روایات میں تین فرشتوں کا ذکر ہے (۱) حضرت اسرافیل علیہ السلام جو کہ ابتداء چھ ماہ یا بناء بر اختلاف تین سال تک آتے رہے (۲) عام طور سے حضرت جبریل علیہ السلام (۳) واقعہ طائف میں ملک الجبال۔ ان کے علاوہ دیگر فرشتے بھی آتے رہے لیکن وحی کے سلسلہ میں نہیں آئے۔

فقال اقرأ فقلت ما أنا بقارئ.............فغطنی الثالثة:

سوال:

فرشتے کا امر بالقرأۃ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:

یہ امر تکلیفی نہیں بلکہ امر ارشادی اور تعلیمی تھا۔

اشکال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے اگر اس سے مراد امر ارشادی ہوتا تو آپ ما أنا بقارئ سے جواب نہ دیتے۔

جواب:

(۱) دراصل بات یہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ریشم کے ٹکڑے پر آیات لکھ کر لائے تھے اور کہا اقرأ تو آپ نے ما أنا بقارئ فرمایا۔

(۲) آپ کو معلوم تھا کہ امر ارشادی ہے مگر آپ اس نا آشنا صورت سے مرعوب ہوئے اور دہرانے پر قادر نہ ہو سکے۔

(۳) ثقالت وحی کی وجہ سے آپ نہ پڑھ سکے۔

غط یعنی دبانے کی حکمت کیا تھی ؟: اس میں چند اقوال ہیں (۱) فرشتے سے انس پیدا کرنے کیلئے (۲) انس مع الوحی پیدا کرنے کیلئے (۳) تحمل وحی کیلئے کہ وحی ثقیل ہوگی تا کہ اس کا تحمل کر سکیں۔

غطات ثلثہ کی حکمت: اس میں بھی چند اقوال ہیں:

(۱) پہلی مرتبہ تحمل تکذیب قوم کیلئے، دوسری مرتبہ شدت تکذیب کیلئے اور تیسری دفعہ اس لئے کہ قوم کی تکذیب اور غصہ انتہاء کو پہنچ جائے گا حتی کہ قتل کا ارادہ کریں گے آپ اس کا تحمل کر سکیں۔

(۲) پہلی دفعہ عام تکذیب کے تحمل کیلئے، دوسری مرتبہ شعب ابی طالب کی تکلیف کے تحمل کیلئے، تیسری مرتبہ ہجرت مکہ الی المدینہ کے تحمل کیلئے۔

(۳) اول انس مع الملک کیلئے، دوم انس مع الوحی کیلئے، سوم انس باری تعالیٰ کیلئے۔

(۴) صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق چاروں نسبتیں پائی گئی ہیں۔ ملاقات جبریل سے نسبت انعکاسی پیدا ہوئی غطہ اولیٰ سے نسبت باری تعالیٰ پیدا ہوئی، غطہ ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غطہ ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی۔ واللہ اعلم

بلغ منی الجهد...... بمعنی گنجائش۔

عبارت میں احتمالات:

(۱) بلغ منی الجهد...... میری برداشت انتہاء کو پہنچ گئی

(۲) بلغ منی الجهد...... جبریل نے مجھ کو اتنا دبایا کہ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچے

(۳) بلغ منی الجهد...... میری مشقت (تکلیف) انتہاء کو پہنچ گئی

(۴) بلغ منی الجهد...... مجھے اتنا دبایا کہ میری طرف سے مشقت میں مبتلا ہو گئے

اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی طاقت کو کیسے برداشت کیا؟

جواب:

(۱) جبریل نے اپنی پوری طاقت نہیں لگائی تھی بلکہ آپ کے مطابق طاقت لگائی تھی۔

(۲) آپ بھی نبی تھے اور نبوت کی طاقت ہمراہ تھی عام آدمی نہیں تھے۔

(۳) فرشتہ جب انسان کی شکل میں متشکل ہوتا ہے تو اس میں انسان کے اوصاف تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے جنات جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو انہیں آسانی سے مارا جا سکتا ہے۔

ابتدائی وحی کا وقت:

اس میں تین قول ہیں: (۱) یکم یا آٹھ ربیع الاول بروز سوموار (۲) ۲۷ رجب المرجب (۳) رمضان المبارک میں اور حافظؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے بدلیل آیت "شهر رمضان الذی اُنزل فیه القرآن الخ"

ربیع الاول اور رجب کے قائلین مذکورہ آیت میں تاویل کرتے ہیں کہ یہ نزول من العرش الی سماء الدنیا ہے۔

ابتدائی وحی کے وقت عمر مبارک:

اس میں چند اقوال ہیں: (۱) چالیس سال دس دن (۲) چالیس سال دو ماہ (۳) چالیس سال سے کچھ زائد (۴) تینتالیس سال (۵) پینتالیس سال

وحی اول کیا تھی؟:

حدیث میں اِقرأ کے علاوہ سورہ یا أیها المدثر بھی آیا ہے تو تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اِقرأ نازل ہوئی پھر فترۃ وحی کا دور رہا پھر فترۃ کے بعد سب سے اول یا أیها المدثر نازل ہوئی۔

کیا بسم اللہ ہر ہر صورت کا جزء ہے؟

یہاں سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ پہلی آیت یہ ہے اور یہاں بسم اللہ نہیں ہے لہٰذا ہر ہر صورت کا جزء نہیں بلکہ قرآن کریم کا جزء ہے۔

فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم یرجف فؤادهٗ......

بها کی ضمیر میں دو قول ہیں (۱) بالآیات یعنی فرجع بالآیات (۲) بالقصة ای فرجع بالقصة

یرجف...... از نصر بمعنی دھڑکنا یہ رجع کے فاعل سے حال ہے۔

فؤادهٗ...... اس کی تفسیر میں تین قول ہیں (۱) بمعنی قلب (۲) غشاء القلب یعنی دل کا پردہ (۳) باطن القلب

زہریؒ کے شاگرد یونس اور معمر نے فؤادہ کے بجائے بوادرہٗ کا لفظ نقل کیا ہے۔ بوادر

بادرۃ کی جمع ہے بمعنی مابین الکتف والعنق۔اور دونوں کا معنی ایک ہے کیونکہ حالت گھبراہٹ میں دل دھڑکنے کے ساتھ شانے کی رگ بھی پھڑکتی ہے۔

فقال زمّلونی...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کی حالت میں حسب فطرت انسانی گھر لوٹ آئے۔البتہ صیغہ واحد مونث کے بجائے صیغہ جمع استعمال کیا تو اس کی وجہ حسب ذیل ہے:

(۱) گھر میں عموماً جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے (۲) گھر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باندیاں اور غلام بھی موجود تھے۔

لقد خشیت علی نفسی..... حافظ ابن حجرؒ نے اس کے مصداق میں بارہ اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) آپ کو اپنے اوپر جنون کا خدشہ تھا (۲) جنات کے اثر کا خطرہ تھا (۳) اثر شیطان کا ڈر تھا (۴) ھاجس کے خیال کا اندیشہ تھا (۵) خوف ہوا کہ اگر فرشتہ ہر دفعہ ایسے دباتا رہا تو جان چلی جائے گی (۶) فرشتہ کی صورت اصلیہ سے مرعوب ہوگئے تھے لہٰذا آئندہ اس صورت کے دیکھنے سے جان کا خطرہ ہوا (۷) لوگوں کے طعن اور عداوت کا خوف تھا (۸) زیادہ مرض کا خطرہ تھا (۹) دوام مرض کا اندیشہ تھا لیکن حافظؒ نے آگے آنے والے تین اقوال کے علاوہ سب کو فضول قرار دیا ہے وہ یہ ہیں (۱) بوجھ نبوت کے تحمل نہ کرنے کا خوف تھا (۲) قوم کے ردعمل سے جان کا خوف تھا (۳) نفس مرض یا شدت مرض کا خوف تھا۔

مایخزیك اللہ ابداً...... بمعنی رسوا کرنا بعض روایات میں یحزنک کے الفاظ ہیں بمعنی غمگین کرنا

انك لتصل الرحم...... عموماً اجانب کے ساتھ تعلقات کم ہوتے ہیں اس لئے اختلاف بھی کم ہوتا ہے بخلاف رشتہ داروں کے کہ ان سے بوجہ اختلاط کثیر بسا اوقات اختلاف ہو جاتا ہے نیز رشتہ داروں کی جانب سے دکھ زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے بنسبت اجانب کے۔

وتحمل الکلّ...... بمعنی بوجھ اُٹھانا یعنی ضرورتیں پوری کرنا، دوسرا معنی ہے حسی

بوجھ اُٹھانا دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

وتکسب المعدوم...... اس کے دو معنی ہیں (۱) کسب المعدوم یعنی نایاب اور معدوم مال کما کر دیتے ہیں جو اور لوگ نہیں دیتے (۲) اکساب المعدوم یعنی معدوم المال آدمی کا اس کا مال کما کر دیتے ہیں۔

وتقری الضیف...... آپ مہمان نوازی کرتے ہیں۔

وتعین علی نوائب الحق...... اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ نیک کاموں میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ آفت ساوی میں تعاون کرتے ہیں جبکہ عام لوگ اس وقت اعراض کرتے ہیں کہ بھائی ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ کو یہی منظور تھا۔

ایک عجیب اتفاق: دوران ہجرت ابن دغنہ کے دریافت کرنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم مجھے نکال رہی ہے تو ابن غنہ نے کہا کہ مثلک لا یخرج پھر ابن دغنہ نے قریش کے سامنے بھی وہی اوصاف ذکر کیے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے استعمال فرمائے کہ ان اوصاف حمیدہ کا حامل نکالے جانے کے قابل نہیں ہوتا۔

فانطلقت به خدیجة...... ایک روایت میں آپ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانا ثابت ہے تو ممکن ہے کہ آپ کو دو دفعہ لے جایا گیا ہو ایک دفعہ حضرت خدیجہ کے ساتھ اور ایک دفعہ حضرت ابوبکر کے ساتھ۔

ورقہ بن نوفل...... دور جاہلیت میں ورقہ بن نوفل اور عمرو بن نفیل بتقاضائے سلیم الفطرت بت پرستی سے تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے تھے ورقہ بن نوفل تو نصرانی ہو گئے جبکہ عمرو بن نفیل یہود کے پاس چلا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دین کے ساتھ تو کچھ حصہ اللہ کے غضب کا بھی ملے گا تو پھر وہاں سے نصرانیوں کے پاس آ گئے اُنہوں نے کہا کہ نصرانیت کے ساتھ کچھ حصہ لعنت الٰہی کا بھی ملے گا تو پھر ان کے مشورہ کے دین حنیف قبول کیا۔ یہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی ہیں۔

کان یکتب من الانجیل بالعبرانیة ...... کہا جاتا ہے کہ روئے زمین کی سب

سے پرانی زبان عربی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سریانی ہے اور اس کو سریانی اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سراً تعلیم دی گئی تھی اور ایک زبان عبرانی ہے اور اس کو عبرانی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم جب اپنی قوم سے نکل گئے تو نمرود نے پیچھے لوگ دوڑائے کہ سریانی بولنے والا فلاں خدوخال کا آدمی ہے پکڑ لاؤ جب آپ دریائے فرات کے پار ہو گئے تو آپ کی زبان خود بخود تبدیل ہو گئی تو اس عبور دریا کی وجہ سے اس کو عبرانی کہتے ہیں ورقہ کو تینوں زبانوں پر عبور تھا تو کبھی عرب کیلئے عربی میں ترجمہ کرتے اور کبھی یہود کیلئے سریانی میں ترجمہ کرتے۔

رحل قد عمی……

سوال: جب نابینا تھے تو کیسے لکھتے تھے؟ جواب: اس میں دو قول ہیں (۱) دوسروں کو لکھاتے تھے (۲) نظر کمزور تھی بہ مشقت لکھتے تھے مکمل نابینا نہیں تھے۔

یا بن عم اسمع من ابن اخیک……

بعض روایات میں یا عم ہے لیکن یہ تحریف ہے اور ابن عم اس لئے کہا کہ حضرت خدیجہ اور ابن نوفل کا نسب آگے جا کر ملتا ہے نسب نامہ اس طرح ہے ورقہ بن نوفل بن اسد اور خدیجہ بنت خویلد بن اسد۔

ابن اخیک کہنے کی وجہ:

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قانون عرب کے مطابق ہر چھوٹا بڑے کو عم کہتا ہے اور بڑا چھوٹے کو ابن الاخ کہتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبی لحاظ سے ورقہ آپ کے چچا بنتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب اور ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب۔''

ھذاالناموس الذی نزل اللہ علی موسٰی……

الناموس بمعنی صاحب السّر یعنی رازدان بعض حضرات تفصیل کرتے ہیں (۱) **الناموس بمعنی صاحب السّر الخیر. الجاسوس: صاحب السّر الشرّ**

(۲) صاحب الملک یعنی بادشاہ کا راز دان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ۔

(۱) بعض روایات میں حضرت عیسیٰ کا ذکر ہے اور جیسے روایات ہیں کہ حضرت خدیجہؓ دو مرتبہ ورقہ کے پاس گئی تھیں تو ایک دفعہ حضرت موسیٰ کا نام لیا ہوگا اور دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ کا نام لیا ہوگا۔ (۲) حضرت موسیٰ کی نبوت بین الیہود والنصاریٰ مسلم تھی۔ (۳) نازل علیٰ موسیٰ جو کتاب تھی وہ جامع تھی کہ قصص، احکام، انذار اور تبشیر پر مشتمل تھی اسی طرح قرآن بھی جامع ہوگا۔

یا لیت اکون جذعاً، یالیتنی اکون حیاً......

جذعاً طاقتور قوی دوسرا جملہ علیٰ سبیل التنزل ہے اور جذع کا اعراب ایک روایت میں بالرفع ہے اور ایک میں نصب کے ساتھ ہے رفع کی حالت میں لیت کی خبر ہے اور نصب کی حالت میں کئی وجوہ ہیں۔

قال او مخرجی هم......

(۱) یہ تعجب اس لئے ہوا کہ یہ لوگ باوجود محبت کے مجھے نکالیں گے (۲) آپ کو مکہ سے نکالے جانے پر تعجب ہوا کیونکہ مکہ آپ کو بہت محبوب تھا۔

ان یدر کنی یومك انصرك نصراً مؤزراً...... ای نصراً قویاً، فترۃ الوحی میں آپ نے عملی طور پر کسی کو دعوت اسلام نہیں دی تھی اور ورقہ بن نوفل کی وفات اسی دور میں ہوئی تھی جبکہ بعض کہتے ہیں ورقہ بعد تک زندہ رہے جیسے کہ منقول ہے کہ کفار کے عذاب دینے پر حضرت بلالؓ کو تسلی دیتے تھے لیکن اس قول کو ابن حجرؒ اور ابن القیمؒ نے رد کیا ہے۔

کسی نے وفات کے بعد ورقہ کو جنت میں سفید لباس میں دیکھا حضور نے پوچھنے پر فرمایا کہ اس نے میری تصدیق کی تھی لہٰذا جنتی ہے۔

حکمت فترۃ:

(۱) تاکہ وحی کا رعب ختم ہو جائے (۲) وحی منزل میں غور وفکر کر سکیں (۳) آپ کو اشتیاق دلانا مقصود تھا۔

مدت فترۃ:

اس میں تین اقوال ہیں (۱) دو سال (۲) ڈھائی سال (۳) چند ایام۔

سوال:

کیا فترت میں وحی بالکل منقطع تھی؟

جواب: وحی تو منقطع تھی لیکن جبریل آپ کو تسلی دینے کیلئے تشریف لاتے رہے۔

فرعبت منه......

حضرت جبریل علیہ السلام کو کسی کرسی پر بیٹھا دیکھ کر آپ مرعوب ہو گئے اور یہ طبعی رعب نبوت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (۱) اوجس فی نفسه خیفةً موسٰی (۲) حکایۃً عن ابراهیم فاوجس منهم خیفة.

قال ابن شهاب زهری......

بناء برقول بعض یہ تعلیق ہے یعنی سند کا حصہ اول حذف ہے۔ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ یہ سند سابق سے منقول ہے زہری تک جا کر سندیں دو ہو جاتی ہیں۔

یا ایها المدثر...... معلوم ہوا کہ علی الاطلاق وحی اقرأ ہے اور بعد الفترۃ ''المدثر'' ہے۔ بعض کے یہاں بعد الفترۃ ''والضحیٰ'' اور بعض نے الم نشرح کا قول کیا ہے۔

تابعه...... ضمیر یحییٰ بن بکیر کی طرف راجع ہے۔ متابعت اس کو کہتے ہیں کہ ایک محدث دوسرے محدث کے الفاظ اسی سند سے نقل کرے۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں (۱) متابعت تامہ (۲) متابعت ناقصہ

متابعت تامہ یہ ہے کہ مثلاً زید عمرو سے بات نقل کر رہا ہے اور بکر بھی یہی بات عمرو سے نقل کر رہا ہے اور متابعت ناقصہ اس کو کہتے ہیں کہ بکر مذکورہ مثال میں عمرو سے نہیں بلکہ اس کے استاذ یا استاذ الاستاذ سے نقل کرے یہاں حدیث میں دونوں طرح کی متابعت ہے۔ عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح دونوں لیث سے نقل کرتے ہیں یہ متابعت تامہ ہے اور یہی روایت ہلالؒ بن رداد اور یونسؒ زہریؒ سے نقل کرتے ہیں اور یہ متابعت ناقصہ ہے۔

الحديث الرابع

حدثنا موسی بن اسماعیل...... قال کان رسول اللہ ﷺ یعالج من التنزیل شدۃ......

المعالجہ: محاولۃ الشیء بمشقۃ ۔ اوراس کی چند وجوہ ہیں: (۱) ثقل وحی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہٗ خاشعاً الآیۃ اور انا سنلقی علیك قولاً ثقیلاً ۔ (۲) دوران وحی فرشتے سے ملاقات ہوتی تھی جو جنس آخر سے تعلق رکھتا تھا کیونکہ وہ نوری مخلوق ہے ۔ (۳) فرشتے کا آلہ قرأت اعلیٰ اور سرعت والا ہے تو فرشتے سے اخذ کلام مشقت کا کام ہے اس وقت آپ تین کام کرتے تھے (۱) جبریل کے ساتھ ساتھ پڑھتے (۲) حفظ کی کوشش کرتے (۳) معانی میں غور فرماتے تو یقیناً یہ تینوں مشقت والے کام تھے ۔

و کان مما یحرك شفتیہ...... قاضی عیاضؒ نے مما کو بمعنی کثیرا مالیا ہے، بعض نے ربما کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے کثرت کے معنی میں لیا ہے ۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ ''مَا'' ''مَن'' کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے ۔ جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ کان مَمّا یحرک شفتیہ

لاتحرك بہ لسانك...... اشکال: حدیث میں حرکت شفتین کا ذکر ہے جبکہ قرآن میں حرکت لسان کا ذکر ہے؟

جواب: (۱) یہ باب الاکتفاء سے ہے کہ ایک کو نقل کرکے دوسرا چھوڑ دیتے ہیں لیکن دوسرے کی طرف خود اشارہ ہوجاتا ہے جیسے ربّ المشارق اور سرابیل تقیکم الحرّ میں ہے ۔

جواب: (۲) تحریک لسان مستلزم ہے تحریک شفتین کو تو یہ باب الملازمہ کے قبیل سے ہے ۔ جواب: (۳) حدیث میں حرکت شفتین ہے اور قرآن میں حرکت لسان کیونکہ لوگ تو شفتین دیکھتے ہیں لسان کی حرکت نہیں دیکھ سکتے لہٰذا حدیث میں شفتین کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے کیونکہ لسان مخفی نہیں ہے اس لئے قرآن میں لسان کا ذکر ہے ۔

جواب: (۴) ابوسفیان کی روایت میں تحریک لسان کا ذکر ہے اور امام ابن جریرؒ نقل کرتے ہیں کہ حدیث میں لسان اور شفتین دونوں کا ذکر ہے لہٰذا یہ رواۃ کا تصرف ہے ورنہ

قرآن وحدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

جمعه لك صدرك...... اس میں تین اقوال ہیں: (۱) جَمْعَهٗ لَكَ صدرُكَ (۲) جَمْعُهٗ لك صدرُكَ (۳) جمعه لك صدرَكَ (**منصوب بناء برظرفیت**)

فإذا قرأناه...... یہاں نسبت قرأت خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے فرشتہ درحقیقت واسطہ ہے۔

فاتبع قرانه...... قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: **فاستمع له وأنصت**. استماع کان لگانا اِنصات کان لگانا چپ رہتے ہوئے۔ انصات مستلزم ہے استماع کو لاعکسہ یعنی استماع انصات کو مستلزم نہیں ہے۔

احناف کا استدلال: یہاں سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ عدم قرأۃ خلف الامام پر کیونکہ حدیث ہے انما جعل الامام ليؤتم به (قال الحافظ ای لیتبع به) اور اتباع کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے یعنی **فاستمع وأنصت** استماع اور انصات لہٰذا خلف الامام استماع اور انصات ہی ہوگا۔

ان علينا بيانه...... قال ابن عباس رضی الله عنه: **ای أن تقرأه**

اشکال:

پہلے قرانہ کی تفسیر بھی ان تقرأہ کے ساتھ کی ہے اور اب بیانہ کی تفسیر بھی تقرأہ سے کی۔ یہ تکرار ہے؟

جواب:

پہلے میں قرأت لنفسہٖ مراد ہے اور دوسرے میں قرأت للناس مراد ہے۔

فإذا انطلق جبريل......

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چپ رہتے ہوئے بھی سب کچھ یاد ہوجاتا اور جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تازہ وحی کو پڑھتے جس طرح جبریل علیہ السلام نے پڑھا تھا۔ علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ ''جبریل'' سریانی کا لفظ ہے اور اس کے معنی عبدالرحمٰن یا عبدالعزیز کے

ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کسی جگہ میں نے دیکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کا نام عبدالجلیل ہے اور کنیت ابوالفتوح، حضرت میکائیل علیہ السلام کا نام عبدالرزاق اور کنیت ابوالغنائم ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام کا نام عبدالخالق اور کنیت ابوالمنافع ہے، حضرت عزرائیل علیہ السلام کا نام عبدالجبار ہے اور کنیت ابویحییٰ ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت:

(۱) آپ کا جلدی جلدی پڑھنا بدءالوحی کے زمانہ میں تھا تو مناسبت ظاہر ہے (۲) وحی کے متعلقات کا بیان ہے (۳) وحی کی عظمت کا بیان ہے کہ اللہ نے وحی کی نسبت اپنی طرف کی ہے (۴) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا قول ہے کہ فترت کے بعد وحی کی ابتداء کیسے ہوئی تو ظاہر ہے کہ فرشتہ وحی لیکر آیا۔

اشکال:

یہ آیت سورۃ القیامہ میں ہے اور اس سے پہلے ینبوا الانسان یومئذ بما قدم واخر ہے تو اول وآخر قیامت کا بیان ہے تو ماقبل سے اس آیت کا ربط کیا ہے؟

جواب:

(۱) ماقبل اور مابعد میں ربط مخلوق کے کلام میں ضروری ہے یہ خداوند قدوس کی ذات کیلئے ضروری نہیں ہے۔

(۲) یہ من قبیل التنبیہ ہے کہ قیامت کے احوال تھے آپ درمیان میں پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی اور پھر کلام سابق کی طرف عود کیا اور یہ امام رازیؒ کا قول ہے۔

(۳) احوال قیامت نازل ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ قیامت کے آنے کے بارے میں حتمی وقت کا پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے منع کیا۔

(۴) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کلام کی ایک مراد اولی ہوتی ہے جو سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے اور ایک مراد ثانوی ہوتی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوتی ہے مراد اولی کیلئے تو ربط ضروری ہے لیکن مراد ثانوی کیلئے ربط ضروری نہیں ہے اور یہاں حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مراد ثانوی بیان کی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الحدیث الخامس

حدثنا عبدان قال أخبرنا عبداللّٰه قال اخبرنا یونس عن الزهری..........قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم احود الناس و كان احود مايكون فى رمضان حين يلقاه جبريل الحديث۔

عبدان: عبداللہ بن عثمان بن جبلہ ان کا نام ہے، ابو عبدالرحمٰن کنیت ہے لہٰذا نام اور کنیت میں دو عبد جمع ہونے کی وجہ سے نام عبدان پڑ گیا۔

''ح'' یہ تحویل سند کی علامت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ''خ'' ہے یعنی الیٰ آخر الحدیث یا سندٌ آخر اور ''ح'' کے قائلین کے ہاں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ تحویل کا مخفف ہے دوسرا قول یہ کہ علامت تحویل سند ہے مگر پڑھا نہیں جائے گا تیسرا قول الحدیث سے مخفف ہے چوتھا قول یہ کہ صح کی علامت ہے یعنی یہ تو ہم نہ ہو کہ مصنف سے بھول ہوگئی ہے بلکہ یہ درست ہے یہاں سے دوسری سند شروع ہوتی ہے۔

اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں

(۱) حآء (۲) حاء مقصورہ سیبویہ کا قول ہے کہ حروف ہجاء کو جب علیحدہ پڑھتے ہیں تو ممدود پڑھتے ہیں جیسے بآء، تآء، ثآء۔

احود الناس...... جود کی دو تعریفیں ہیں: (۱) قال الامام الراغب و الكرمانى هو اعطاء ما ينبغى لمن ينبغى (۲) افادة ماينبغى لا لعوض تاہم دونوں کا مفاد ایک ہی ہے جبکہ سخاء مطلق دینے کو کہتے ہیں۔

اشکال:

حضور صلی اللہ علی وسلم اجود الناس کیسے تھے؟ حالانکہ آپ کے یہاں خود فقر و فاقہ رہتا۔

جواب:

(۱) حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا فقر و فاقہ اختیاری تھا۔ (۲) آپ کے فقر و فاقے کا سبب ہی جود تھا (۳) جود کیلئے مال ضروری نہیں ضال کو راہ دکھانا، جاہل کو مسئلہ

بتانا بھی جود میں داخل ہے۔

ایک وہم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑی بڑی رقمیں فی سبیل اللہ خرچ کیں؟

ازلہ:

زیادہ مقدار دینا اجود ہونے کیلئے معیار نہیں بلکہ ملکیت کے اعتبار سے زیادہ خرچ کرنا معیار ہے اور اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملکیت کی تمام چیزیں فی سبیل اللہ خرچ کی ہے۔

وکان اجود مایکون فی رمضان......

مراتب جود کا بیان ہے(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً اجود تھے رمضان المبارک میں جود اور بڑھ جاتا تھا(۳) پھر رمضان میں جبریل کی ملاقات سے جود اور بھی بڑھ جاتا کیونکہ رمضان خیر وبرکت کا مہینہ ہے اس میں باری تعالیٰ کی عطائیں بڑھ جاتی ہیں اسی مناسبت سے آپ کا جود بڑھتا تھا اس کے علاوہ جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی اور فرشتہ میں کیونکہ حرص کا مادہ نہیں ہوتا تو اس کی صحبت کا اثر آپ پر بھی پڑتا اور رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے جسمیں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے اور جب رمضان میں نبی علیہ السلام حضرت جبریل سے دور فرماتے تو انفاق کا حکم بھی دہرایا جاتا لہٰذا جود میں بھی اضافہ ہوتا۔

کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ...... یعنی جیسے ہوا کا فائدہ بلاتخصیص عام ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جود اس سے بھی زیادہ عام تھا۔

فائدہ:

جواد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے سخی کا لفظ نہیں بولا جاتا فرق جواد اور سخی میں یہ ہے کہ(۱) جود ایک ملکہ ہے اور سخاء اس کا اثر ہے باری تعالیٰ قبول اثر سے منزہ ہے (۲) جود میں سخاء ماینبغی اور لالعوض ہوتا ہے جبکہ سخا میں اعطاء بھی لعوض بھی ہوتا ہے۔

فیدارسه القرآن......

اشکال:

دور پورے قرآن کا ہوتا یا صرف حصہ منزلہ من القرآن کا؟

جواب:

(۱) دونوں قول موجود ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پورا قرآن دور ہوتا تھا لیکن بعد میں غیر منزلہ حصہ بھول جاتا (۲) راجح یہ ہے کہ حصہ منزلہ کا دور ہوتا ورنہ واقعہ افک میں آپ کو پریشانی کیوں ہوتی؟

سوال: دور کے فوائد کیا تھے؟

جواب: (۱) ادائیگی حروف کا طریقہ سکھلانا (۲) ترتیب کا معلوم ہونا (۳) آیت منسوخہ کا علم ہوجانا (۴) اس سے آپ کا حفظ پختہ ہوجاتا اور وعدہ ربانی کی تکمیل ہوتی۔ یہ دور رات کے وقت ہوتا تھا تاکہ آپ کے معمولات میں خلل نہ پڑے اور دور میں کوئی دوسرا مخل نہ ہو۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت:

(۱) اگر ترجمۃ الباب کے مقصد بیان وحی لیا جائے تو حدیث میں وحی (قرآن) کا بیان ہے (۲) اگر عظمت وحی مراد لی جائے تو دور اور مدارسہ میں عظمت قرآن کا بیان ہے (۳) اگر ترجمۃ الباب کو عام لیا جائے تو موحیٰ الیہ کی صفات کا بیان ہے (۴) رمضان میں قرآن کا دور ہوتا جبکہ باب میں بدء الوحی مذکور ہے جو کہ رمضان میں ہوئی (۵) حدیث میں لقاء جبریل علیہ السلام کا ذکر ہے اور بدء الوحی بھی لقاء جبریل سے ہوئی (۶) حدیث میں رمضان کا ذکر ہے اور اسی میں بدء الوحی ہوئی۔

تمام کتب سماویہ کا نزول رمضان میں ہوا: (۱) توراۃ ۶ رمضان (۲) زبور ۱۲ رمضان (۳) انجیل ۱۸ رمضان اور قرآن مجید ۲۴ یا ۲۷ رمضان کو نازل ہوا۔

الحدیث السادس

حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع.............. ان اباسفیان بن حرب اخبرهٗ

ان هرقل ارسل اليه فی رکب من قريش......

اس حدیث سے پہلے دو تمہیدیں ضروری ہیں:

تمہید اول:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے دنیا میں کئی حکومتیں تھیں مگر دو بڑی حکومتیں یہ تھیں:

(۱) رومیوں کی، جو مغرب میں مصر و شام تک تھی اور اٹلی اس کا دارالخلافہ تھا یہ لوگ مذہبا عیسائی تھے۔

(۲) ایرانی حکومت، یہ خراسان وسطی ایشیاء اور یمن تک تھی اور یہ لوگ مجوسی تھے۔ عرب کا کچھ علاقہ ان کی حکومت میں تھا اور کچھ علاقہ رومیوں کے ہاتھ میں تھا اور ان دونوں میں اکثر و بیشتر لڑائی ہوا کرتی تھی لیکن ۶۰۳ء سے لیکر ۶۱۴ء تک بڑی لڑائی ہوئی اور ۶۱۴ میں ایرانیوں نے ایک بڑا حملہ کیا اور رومیوں کو شکست دیدی اور عبرت کے طور پر ان کا بڑا صلیب بھی اُٹھالائے اس پر رومی بادشاہ نے نظر مانی کہ اگر مجھے ایرانیوں پر فتح ہوئی تو پیدل بیت المقدس میں حاضری کیلئے جاؤں گا۔ رومی چونکہ اہل کتاب تھے اس لئے مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے مسلمان ان کی فتح پر خوش ہوتے اور ایرانی کیونکہ آتش پرست تھے اس لئے مشرکین ان کی فتح سے خوش ہوتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپ کو نبوت عطاء ہوئی اسی دوران یہ لڑائی جاری تھی اور ایرانیوں کی فتح کے کچھ مدت بعد سورۃ الروم نازل ہوئی جس میں غلبہ روم کی بشارت تھی تو مشرکین نے قرآن اور مسلمانوں کا مذاق اُڑانا شروع کیا کہ رومیوں کو ایسی شکست ہوئی ہے کہ وہ دوبارہ جنگ کی طاقت نہیں رکھتے اور مسلمان کی ان کی فتح کا خیال رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور آپ نے ایک شخص کے ساتھ پہلے ایک سال اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نو سال کیلئے ۱۰۰ سو اونٹوں کی شرط لگائی کہ اگر نو سال میں رومی فاتح نہ ہوئے تو میں سو اونٹ دوں گا اور اگر رومی فاتح ہوئے تو تم دوگے۔ اسی اثناء میں ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور جنگ بدر کی نوبت آئی تو اسی

دوران ایک طرف مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح ہوئی اور دوسری طرف رومیوں کو فارسیوں پر فتح ہوگئی اور انہوں نے اپنے مقبوضہ علاقے چھڑانے کے علاوہ ایرانیوں کے علاقے پر بھی قبضہ کرلیا تو مشرکین کو دوطرفہ مایوسی ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرط والے سو اونٹ لیکر بحکم نبوت صدقہ کردیئے۔

تمہید دوم:

شاہ روم کو نذر پوری کرنے میں دیر ہوگئی، کچھ عرصے بعد وہ نذر پوری کرنے کیلئے چل پڑا۔ ادھر چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں نے بظاہر دب کر صلح کی لیکن دراصل یہ مسلمانوں کی فتح تھی۔ اس صلح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرف سے مطمئن ہوگئے اور آپ نے شاہان عالم کی طرف خطوط دعوت لکھنے شروع کیے۔

شاہ روم کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور فرمایا کہ بواسطۂ گورنر بصریٰ ہرقل کو پہنچادو۔ یہ سن ۶ ہجری کے آخر یا ۷ ہجری کے اوائل کا واقعہ ہے ہرقل قسطنطنیہ سے حمص تک پیدل پہنچ چکا تھا وہاں اسے یہ خط موصول ہوا پھر ہرقل بیت المقدس گیا وہاں خواب دیکھا کہ ملک الختان غالب آگیا ہے۔ صبح کچھ پریشان تھا درباریوں کے دریافت کرنے پر تفصیلی خواب بیان کیا تو درباریوں نے تسلی دی کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں اور وہ آپ کی حکومت میں متفرق ہیں اور ان میں حکومت کی صلاحیت بھی نہیں ہے پھر بھی ہم ان کو احتیاطاً قتل کردیں گے۔ اس دوران ملک غسان حارث نے عدی بن حاتم کے ہاتھ خط بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگیا ہے اور اب وہ جہاد کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہرقل نے کہا کہ قاصد عدی بن حاتم کو دیکھو کہ مختون ہے کہ نہیں، معلوم ہوا کہ عدی مختون ہے پھر عرب کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ عرب بھی ختنہ کرتے ہیں تو اس پر ہرقل نے کہا کہ یہی نبی ملک الختان ہے مزید تفتیش کیلئے ہرقل نے حکم دیا کہ دیکھو کہ اگر شام میں مکہ سے قافلہ آیا ہو تو بلالاؤ۔ اس وقت ابوسفیان بمع بیس آدمیوں کے تجارت کی غرض سے شام آئے تھے۔ ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا بادشاہ نے ابوسفیان سے گیارہ سوالات کیے۔ دوسری تفتیش یوں کی کہ قسطنطنیہ کے بڑے پادری ضغاطر کے پاس

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا، ضغاطر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کردی۔ تو ہرقل نے حمص کے مقام پر تمام گورنروں کو جمع کیا اور قصر (محل) کے تمام دروازے مقفل کیے اور چابیاں اپنے پاس رکھ لیں اور خود محفوظ مقام پر چڑھ گیا اور وہاں سے لوگوں سے مخاطب ہوا کہ اگر کامیابی چاہتے ہو اور ملک کی بقاء چاہتے ہو تو اس نبی کو تسلیم کرلو یہ سن کر سب لوگ وحشی جانوروں کی طرح بدکنے لگے اور سخت غصہ کا اظہار کرنے لگے۔ ہرقل نے بھانپ لیا کہ اگر میں نے اسلام قبول کرلیا تو لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے لہٰذا ان کو واپس بلایا اور کہا کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا سو تم پاس ہو گئے تو تمام لوگ قیصر (ہرقل) سے راضی ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ہرقل کو خط لکھا تو اس نے ضغاطر کو بھیجا ضغاطر نے سفید لباس پہنا اور علی الاعلان کلمہ پڑھا تو لوگوں نے اس کو شہید کردیا۔ ہرقل نے قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا عذر بیان کیا کہ لوگ ضغاطر کی طرح مجھے بھی ماردیں گے ورنہ میں مسلمان ہو جاتا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ''کذب عدوّ اللہ''۔

ان أبا سفیان بن حرب اخبرہ......

یہ حدیث اس قبیل سے ہے کہ تحمّل حدیث کے وقت راوی کافر ہو اور ادائے حدیث کے وقت مسلمان ہو۔ اور یہ اداء حدیث محدثین کے ہاں مقبول ہے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ماد فیھا ابا سفیان و کفار قریش......

مدت صلح بناء بر اختلاف دس سال یا چار سال مگر اول قول راجح ہے۔

ان ھرقل ارسل الیہ ....

یعنی ہرقل نے ابوسفیان کو بلا بھیجا۔ ھرقل ھاء کے کسرہ اور راء کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ مشہور ہے۔ ہرقل کا لقب قیصر تھا اور یہ رومیوں کے ہر بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح فرعون مصر کا قیطون یہود کا خاقان ترک کا، جالوت بربر کا، کسریٰ فارس کا،

نمرود صابئہ کا، عزیز یمن کا، نجاشی کا حبشہ کا اور بطلیموس یہود کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

ایلیاء...... یہ عبرانی کا لفظ ہے ایل بمعنی "اللہ" اور یاء بمعنی "بیت" یعنی بیت اللہ، یہ بیت المقدس شہر کا نام ہے۔

ثم دعاھم...... (۱) پہلی مرتبہ قصر میں بلایا پھر اپنی مجلس میں بلایا (۲) اولاً مجلس میں بلایا پھر مزید قریب بلایا۔

ودعا بترجمانہ...... ایکم اقرب نسباً لھذا الرجل......

کیونکہ اس طرح نسب میں بے جا نقائص نہیں نکالے گا ورنہ اپنی بدنامی ہوگی اور اس کے علاوہ قریب النسب بہ نسبت اجانب کے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ ابوسفیان آپ کے قریب النسب تھے اس طرح کہ ابو سفیان یعنی صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف.

فاجعلوھم عند ظھرہ...... باقی آدمیوں کو اس لئے پیچھے بٹھایا کہ اگر سامنے ہوتے تو ابوسفیان کے جھوٹ بولنے پر بھی حیاء سے چپ رہتے، نیز جب سامنے ہونگے تو ایک دوسرے کو اشارہ کرسکیں گے۔

ھذا الرجل......

"ھذا" کا مشار الیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگرچہ آپ وہاں موجود نہیں تھے لیکن ھذا کا مشار الیہ محسوس بالبصر ہونا ضروری نہیں ہے۔

لولا الحیاء من ان یأثروا علی کذباً...... اس عبارت کے دو مطلب ہیں (۱) میرے ساتھی ہرقل کے سامنے تو میری تکذیب نہیں کریں گے لیکن گھروں میں جا کر کہہ دیں اور میں جھوٹ میں مشہور ہو جاؤں گا اور عرب کے جہلاء بھی جھوٹ کو عیب سمجھتے تھے۔

(۲) جب مکہ میں میرا جھوٹ ظاہر ہوگا تو لوگ بغرض تجارت شام کو آئیں گے تو یہاں بھی میرا جھوٹ عام ہو جائے گا اور بالآخر ہرقل کو خبر ہو جائے گی۔

اشکال:

لکذبت عنه کے بجائے لکذبت علیه درست ہے؟

جواب:

یہاں عبارت محذوف ہے اصل میں لکذبت مخبراً عنه ہے۔

حسن الأشیاء شرعیٌّ: معتزلہ ابوسفیان کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اشیاء کے اندر حسن وقبح عقلی ہے جبکہ احناف کہتے ہیں کہ اشیاء کے اندر حسن وقبح شرعی ہے اور ابوسفیان کا جھوٹ کو عیب جاننا عقل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرائع سابقہ کی وجہ سے ہے کہ شرائع سابقہ میں جھوٹ حرام تھا اور یہ اس کے اثرات تھے عرب پر

ذو نسب......................

عرب میں قریش سب سے معزز خاندان تھا اور اس میں ہاشمی سب سے معزز تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ رہا کسی نے بھی اس عرصہ میں دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا جبکہ آپ کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

قطّ ...... قاعدہ یہ ہے کہ یہ کلام منفی کی تاکید کیلئے آتا ہے لیکن کبھی کلام مثبت پر بھی داخل ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی کلام منفی ہے اس طرح کہ: فهل قال هذا القول أحد منكم او لم يقله قطّ.

من ملك......................

اس کو مِلکٌ بھی پڑھ سکتے ہیں بمعنی بادشاہ اور مَلَکَ ماضی بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اشکال:

ابوسفیان نے کہا کہ ضعیف لوگ آپ کے تابعدار ہیں اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے علاوہ اوس اور خزرج کے سردار آپ کے تابعدار تھے تو ان کو کیسے ضعیف کہا؟

جواب:

(۱) اکثریت ضعفاء کی تھی (۲) شرفاء وہ کہلاتے جو دوسروں پر مظالم ڈھاتے۔

سخطة لدينه..................

دین سے مرتد ہونا دنیاوی لالچ کیلئے دین کا نقص نہیں لیکن دین میں غور وفکر کے بعد اس کو مکروہ جان کر مرتد ہونا دین کا نقص ہے۔اس وقت اگر چہ ابوسفیان کے داماد عبداللہ بن جحش مرتد ہو گئے تھے لیکن یا تو ابوسفیان کو ابھی تک علم نہیں تھا اور نیز وہ دنیاوی لالچ کے تحت مرتد ہوئے تھے۔

فهل كنتم تتهمونه بالكذب..................

یہ نہیں پوچھا کہ هل يكذب اس لئے کہ (۱) تہمت کذب کی نفی کرنے سے کذب کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے (۲) دوسرا یہ جاننا تھا کہ دشمن ہو کر بھی تہمت نہیں لگاتے۔

فهل قاتلتموه..................

يقاتلونكم نہیں پوچھا کیونکہ پیغمبر از خود جنگ کی ابتداء نہیں کرتا۔

الحرب بيننا سجال......

(۱) جس طرح کنویں کا ڈول نمبر وار لوگ استعمال کرتے ہیں ہماری فتح بھی نمبر وار رہی ہے۔(۲) عرب میں ڈول ایسے ہوتے تھے کہ اگر ایک ڈول اوپر تو دوسرا نیچے خود بخود چلا جاتا، ہماری بھی یہی کیفیت ہے۔

نقل ابن حجر عن استاذه : ابوسفیان نے انصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ مشرکین ابھی تک کھلی فتح حاصل نہیں کر سکے تھے لیکن فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ احد میں نتیجۃً کفار کو فتح ہوئی اگر چہ شروع میں مسلمان غالب رہے۔

بالصلوة والصدق...... بعض روایات میں بالصلوة والصدقة آیا ہے اور اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے راجح قرار دیا ہے **موافقة لكلام الله** نیز صدق عرب میں پہلے سے ہی پسندیدہ تھا اس لئے صدقہ ہی بہتر ہے۔

اتباع الرسل..................

ضعیف لوگ اکثر مظالم میں گھرے ہوتے ہیں تو جب کوئی تحریک نیک کی آواز لگتی ہے تو یہ اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

تخالط بشاشته..................

اس کا معنی انشراح، اطمینان اور خوشی کے آتے ہیں۔ یہاں قلب کا انشراح اور اطمینان مراد ہے۔

فـإذا فيه من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الروم، سلام عنى من اتبع الهدىٰ......

جس کو دعوت دی جائے اُس کیلئے تعظیم کے کلمات کہنے چاہئیں اور افار کیلئے سلام کرنے کا یہی طریقہ اپنانا چاہیے تا کہ وہ متنفر بھی نہ ہوں اور ساتھ ساتھ ذی عقل کیلئے تنبیہ بھی ہو جائے۔

أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين.........

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور پھر بعد میں مجھ پر بھی ایمان لائے تو اس کیلئے دگنا اجر ہے۔ (۲) ہرقل کا ایمان لانا رعایا کیلئے سبب ایمان ہوتا کیونکہ الناس على دين ملوكهم۔

فإن توليت فإن عليك اثم اليريسيين......

الیریسیین: اس لفظ کے ضبط میں پانچ قول ہیں: (۱) اریسیین، ہمزہ مفتوحہ راء مکسورہ اورسین کے بعد یاء (۲) اریسین، ہمزہ مفتوحہ، راء مکسورہ اور سین کے بعد ایک یاء ساکنہ (۳) یریسیین، راء مکسورہ سے پہلے یاء اور سین کے بعد دو یاء (۴) یریسین، راء مکسورہ سے پہلے یاء اور سین کے بعد ایک یاء (۵) اِرّیسیین، ہمزہ مکسورہ، راء مشددہ مکسورہ پھر یاء ساکنہ پھر یاء ساکنہ اور پھر سین اور پھر یاء۔

(۱) یریسیّین بمعنی زراعین اور اکارین ہے اور ہرقل کی رعایا میں اکثر لوگ کھیتی باڑی کرنے والے تھے۔ تو یہی ہرقل ان کے کفر کیلئے سبب بن جاتا کیونکہ زمیندار اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ (۲) روم میں یریسیّین اور اریسیّین نام کا ایک فرقہ تھا ہرقل کا تعلق اسی سے تھا۔ (۳) اس سے مراد خواص ہیں۔

و كثر عنده الصخب فأخرجنا.........لقد أمِر أمْر أبى كبشه.........

ابن ابی کبشہ کا مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۱) حضرت آمنہ کے والد کی کنیت ابو کبشہ تھی تو ابوسفیان نے تحقیراً نسبت کی۔ (۲) وھب کے نانا کی کنیت تھی۔

(۳) عرب میں ایک آدمی ابو کبشہ تھا جس نے بت پرستی چھوڑ کر ستاروں کی عبادت شروع کی تھی اس کے بعد سے عرب میں جو کوئی بھی آبائی دین سے منحرف ہوتا اسکو ابو کبشہ کہتے تھے۔ (۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کسی غیر معروف کی کنیت تھی۔ (۵) آپ کا رضاعی باپ ابو کبشہ تھا۔ (۶) رضاعی ماں کے دادا یا نانا کی کنیت تھی۔ مطلب یہ تھا کہ غیر معروف شخص اتنا بڑھ گیا کہ شاہ روم بھی گھبرا گیا۔

ملك بني الأصفر ....

(۱) اصفر بن روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم۔ اس وجہ سے یہ بنی الاصفر کہلاتے ہیں۔

(۲) عیص کا نکاح حضرت اسمٰعیل کی بیٹی سے ہوا تھا عیص سرخ وسفید تھا جبکہ زوجہ کی رنگت سیاہ تھی اس ملاپ سے پیدا ہونے والے بچے اصفر تھے۔

(۳) روم کے کمسن بادشاہ کا نکاح حبشہ کی شہزادی سے ہوا تھا اس ملاپ سے اصفر بچے پیدا ہوئے۔

(۴) حبشہ اور روم کی لڑائی میں حبشی غالب آ گئے اور انہوں نے غلبہ پالینے کے بعد رومی عورتوں سے زنا کیا جس سے اصفر بچے پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم

كان ابن الناطور صاحب ايلياء..................

یہ سند سابق سے نقل ہے اور امام زہری ابن ناطور سے نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ:

صاحب کا حقیقی معنی مصاحب ہے اور گورنر پر بھی علیٰ سبیل المجاز اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی صاحب ایلیاء سے مجازی معنی مراد ہے اور صاحب ہرقل سے حقیقی معنی مراد ہے۔ یعنی عموم مجاز کا استعمال ہوا ہے جو کہ شوافع کے ہاں جائز ہے جبکہ احناف کے یہاں درست نہیں ہے اور احناف تاویل کرتے ہیں کہ ہرقل سے پہلے بھی صاحب مقدر ہے اول بمعنی مجازی مستعمل ہے اور دوسرا بمعنی حقیقی مستعمل ہے یہ عموم مشترک ہے عموم مجاز نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے خود عموم مجاز کا قول منقول نہیں ہے۔

سقف..........

بمعنی لاٹ پادری بعض اسقف کہتے ہیں اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) اسم ہے سقف بالجزم

(۲) تشدید الفاء سقّف

(۳) فعل ماضی از تفعیل بمعنی سُقِّف

(۴) ماضی مجہول از باب افعال اُسقف۔

بطارقته...... خواص دولته.

یہ بطریق کی جمع ہے اس کا معنی ہے فائدہ

كان حزاء ينظر فى النحوم..........

(۱) حزاء موصوف اور ينظر فى النحوم صفت ہے۔ کیونکہ کہانت کی کئی قسمیں ہیں (۱) فطری (۲) شیاطین کی امداد سے (۳) علم نجوم سے تو یہاں قسم ثالث کو واضح کیا۔

(۲) ينظر فى النحوم: خبرٌ بعد خبرٍ ہے کہ فطری کہانت کے علاوہ علم نجوم بھی حاصل تھا۔

ملك الختان قدظهر..........

علم نجوم میں برج عقرب میں جب شمس وقمر جمع ہو جائیں تو اسے قران السعدین کہتے ہیں یہ بیس سال بعد ہوتا ہے اور اس سے ایک بڑا واقعہ منسلک ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ قران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ہوا پھر اعطاء نبوت کے وقت ہوا تھا پھر فتح خیبر اور فتح مکہ کے وقت بھی ہوا اور ہرقل نے بھی یہی قران دیکھا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ملک الختان کا غلبہ ہوگا۔

فائدہ:

(۱) درباریوں کو عرب کا ختنہ معلوم نہیں تھا۔

(۲) معلوم تھا لیکن عرب کالعدم تھے ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔

فکان ذلك آخر شان هرقل ....

فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ الاستیعاب میں علامہ ابن عبد البر نے ہرقل کو مسلمان لکھا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ اور دیگر فرماتے ہیں کہ ہرقل مسلمان نہیں تھا اگر چہ اسے یقین کامل ہو گیا تھا لیکن مسلمان نہیں ہوا چنانچہ مسند احمد میں ہرقل کے ایمان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے: کذب عدوّ الله.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری باب کے آخر میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جن سے اختتام باب کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے فکان آخر شان هرقل. واللہ اعلم

حضرت شیخ الحدیثؒ کا قول:

امام بخاریؒ ہر باب کے آخر میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جس سے انسان کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت:

(۱) بناء برقول علامہ سندھی کہ امر وحی کا بیان ہے تو یہاں بھی موحی الیہ کے اوصاف کا بیان ہے۔

(۲) اس حدیث میں بدء الوحی کا ذکر ہے۔

(۳) عظمت وحی کا بیان ہے کہ ضغاطر، ابوسفیان، ابن ناطور اور ہرقل سب نے اس کی عظمت کو تسلیم کیا۔ واللہ اعلم

☆☆☆قد تم شرح کتاب الوحی☆☆☆

کتاب الایمان

بسم الله الرحمٰن الرحيم، باب: قول النبی صلی الله عليه وسلم: بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل ويزيد وينقص۔ قال الله تعالیٰ ليزدادوا ايماناً مع ايمانهم ، وزدناهم هدىً، ويزيد الله الذين اهتدوا هدىً، فاخشوهم فزادهم ايماناً.

پہلی بات:

باب الوحی کو بطور تمہید امام بخاری لائے ہیں کیونکہ تمام احکام اسلام خواہ عقائد ہوں یا عبادات سب محتاج ہیں وحی کے جب وحی کے ذریعے خالق اور مخلوق کا تعلق حاصل ہوا تو اب ضروری ہے کہ خالق کی ذات وصفات کا یقین ہو جائے اس لئے کتاب ایمان لائے ہیں۔

دوسری بات:

وحی کے بیان میں لفظ باب اور یہاں کتاب لائے ہیں تا کہ مقدمہ اور مقاصد میں فرق ہو کیونکہ کتاب کے اندر مختلف النوع مسائل کو جمع کیا جاتا ہے اور باب کے اندر متفق النوع مسائل ہوتے ہیں۔

فائدہ:

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کا قول ہے کہ کَ ، بَ اور تَ کا مادہ ضم اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے اور کتاب لغوی اعتبار سے مدخل کو کہتے ہیں۔

امام بخاری کا طریقۂ کار:

بسم اللہ کبھی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کبھی کتاب کے آخر میں اور کبھی بالکل باب کے درمیان میں بے ربط بسم اللہ لکھی ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا قول ہے کہ یہ اختلاف نسخ کی وجہ سے ہے البتہ جہاں بے ربط درمیان میں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی امام بخاریؒ نے درمیان میں وقفہ کیا تو دوبارہ شروع کرتے وقت بسم اللہ لکھ دی۔

علامہ عینیؒ کا قول ہے کہ کتاب الایمان کو (۱) مرفوع پڑھ سکتے ہیں بناء برابتداء یا بناء بر خبریت یعنی ھٰذا کتاب الایمان یا کتاب الایمان ھٰذا (۲) منصوب پڑھ سکتے ہیں یعنی ھاک کتاب الایمان یا خذ کتاب الایمان۔

ایمان کا لغوی معنیٰ:

ایمان یہ باب افعال سے ہے اور امن سے ماخوذ ہے بمعنی اطمینان دلانا اور ازالہ خوف کرنا بعض کے ہاں لغت کے اعتبار سے ایمان کا اطلاق تصدیق پر بھی ہوتا ہے جب ایمان ''باء'' کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو، پھر ''باء'' کبھی تو ذوات پر داخل ہوتی ہے جیسے ''

امنت باللہ" اور کبھی احکام پر جیسے "امن الرسول بما اُنزل الیہ" اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اطمینان اور ازالہ خوف معنی حقیقی ہے اور تصدیق معنی مجازی ہے لیکن علامہ زمخشری کے یہاں حقیقتاً تینوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

ایمان کا شرعی معنی:

تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما علم مجیئہ اجمالا فیما علم اجمالا و تفصیلا فیما علم تفصیلا اور بعض نے اختصاراً یوں تعریف کی ہے تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع ماجاء بہ.

طریقہ استعمال:

ایمان کبھی ایک مفعول کو متعدی ہوتا ہے جیسے امنتہ اور کبھی دو مفعول کو جیسے امنتہٗ غیری اور کبھی مفعول کی طرف بالواسطہ متعدی ہوتا ہے جیسے امنت باللہ اور وما انت بمؤمن لنا، ماآمن علیہ البشر

ایمان کی حقیقت:

فِرَق اسلامیہ ایمان کے بارے میں دو قسم کے ہیں

(۱) اہل سنت

(۲) فرق مبتدعہ

اہل سنت پھر دو قسم پر ہیں (۱) محدثین (۲) فقہاء متکلمین

پھر متکلمین دو قسم پر ہیں:

(۱) اشاعرہ: جو امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی طرف اکثر فقہاء مالکیہ اور شوافع منسوب ہیں۔

(۲) ماتریدیہ یعنی محمد بن محمد بن احمد الماتریدی کے اتباع ان کی طرف احناف منسوب ہیں یہ تین واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

حنابلہ:

ان کا تعلق محدثین کے ساتھ ہے۔

صوفیاء:

یہ بھی اہل سنت والجماعت کی ایک شاخ ہے جونصوص کی بجائے اشراق نوری سے کام لیتے ہیں۔

فرق مبتدعہ:

(۱)جہمیہ جوجہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں (۲) کرامیہ جومحمد بن کرام کی طرف منسوب ہے(۳) مرجیۂ (۴) معتزلہ (۵) خوارج

(۱)جہمیہ کا مذہب:

ایمان معرفت الٰہیہ کا نام ہے الایمان معرفة بالقلب جس کواللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات کی معرفت ہو وہ مؤمن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، جنت اور جہنم کی معرفت بھی ہو۔

لیکن اس بناء پرتو ابو طالب، ہرقل اور یہود کو بھی مؤمن کہنا چاہئے حالانکہ یہ باطل ہے۔

(۲) کرامیہ کا مذہب:

ان کے ہاں ایمان فقط اقرار کا نام ہے صرف اقرار کرنے سے بندہ مؤمن ہوگا تصدیق بالقلب اور عمل بالجوارح کی ضرورت نہیں۔

(۳) مرجیۂ کا مذہب:

الایمان هو التصديق بالقلب اور الطاعة لاتنفع والمعصية لاتضر، ان کومرجیۂ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ارجاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی مؤخر کرنے کے آتے ہیں اور یہ بھی عمل کوایمان سے مؤخر کرتے ہیں لہٰذاان کو مرجیۂ کہا جاتا ہے جیسے آیت میں ہے واخرون مرجون لامر الله، سورة التوبة:۱۰۶

(۴) خوارج کا مذہب:

الايمان التصديق بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالاركان. ان ہاں مرتکب کبیرہ کافر ہے۔

(۵) معتزلہ کا مذہب:

ان یہاں بھی مذکورہ تعریف ہے لیکن ان کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر نہیں بلکہ خارج از اسلام اور غیر داخل فی الکفر ہوگا اور ان کے ہاں ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ہے۔

(۶) بعض معتزلہ کا مذہب:

ان کے ہاں تارک مستحب ومندوب بھی فاسق ہوتا ہے۔

محدثین کا مذہب:

امام احمدؒ بن حنبلؒ ،امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہ ان کے نزدیک تعریف یہ ہے: الایمان معرفة بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالارکان وھو یزید وینقص اور کبھی اقرار وعمل کو یوں تعبیر کرتے ہیں وھو قول وفعل

متکلمین بشمول امام ابوحنیفہؒ کا مذہب:

الایمان التصدیق بالقلب. اور اقرار باللسان میں دو قول ہیں:

(۱) یہ ایمان کا رکن ہے تصدیق قلبی کی طرح عند الطحاویؒ۔

(۲) احکام دنیوی کے اجراء کیلئے شرط ہے لیکن تصدیق قلبی کی طرح حقیقت ایمان میں داخل نہیں کیونکہ کبھی اقرار ساقط ہو جاتا ہے جبکہ تصدیق قلبی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔

معنیٰ تصدیق:

یہاں تصدیق لغوی مراد ہے تصدیق منطقی (نسبت تامہ بین الشیئین کا ادراک) مراد نہیں کیونکہ تصدیق لغوی اختیاری ہے اور تصدیق منطقی غیر اختیاری ہے اور تصدیق لغوی کبھی جحود اور انکار کے ساتھ جمع نہیں ہوتی جبکہ تصدیق منطقی بسا اوقات جمع ہو جاتی ہے۔

اقرار واعمال:

قول اصح کے مطابق امام صاحب کے یہاں اقرار ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے البتہ اجراء احکام کیلئے شرط ہے اور اعمال بھی ایمان کے اجزاء نہیں جبکہ محدثین کے ہاں ایمان کے اجزاء ہیں۔ امام بخاریؒ جزئیت اعمال کے ثبوت کیلئے کئی ابواب قائم کریں گے۔

جن نصوص میں اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے ان میں احناف تاویلات کرتے ہیں:

تاویل نمبر ا:

نصوص میں اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے تو ثمرہ اور نتیجہ کے اعتبار سے ہوا ہے یہ اعمال ایمان کا ثمرہ ہیں۔

تاویل نمبر ۲:

ایمان کے دو درجے ہیں:

(۱) ایمان مطلق

اور وہ یہ ہے کہ جس سے دخول فی النار سے نجات ہوتی ہے۔

(۲) ایمان منجی

یہ وہ ہے جس سے خلود فی النار سے نجات ہوتی ہے۔ تو اس لحاظ سے اعمال ایمان مطلق کے تو اجزاء ہیں مگر ایمان منجی من النار کے اجزاء نہیں۔

سبب مغائرت اعمال من الایمان:

(۱) نصوص میں ایمان اور عمل کے درمیان عطف لایا گیا ہے جو مغائر پر دال ہے۔
(۲) اعمال صالحہ کی قبولیت کیلئے ایمان شرط ہے اور شرط اور مشروط غیر ہوتے ہیں۔
(۳) اگر اعمال اجزاء ہوتے تو اعمال کے استثناء سے ایمان کا انتفاء لازم آتا لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل حالانکہ نصوص میں مرتکب کبیرہ پر مؤمن کا اطلاق ہوا ہے جیسے حدیث ابوذر میں ہے من قال لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ قال ابو ذر وان زنٰی وان سرق...... قال وان زنٰی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ او کما قال علیہ السلام

اور خود محدثین بھی اس کے قائل ہیں کہ تارک فرائض یا مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوگا۔

اشکال:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عمل بیکار ہے اسی وجہ سے تو ان پر مرجیہ کا الزام لگا ہے۔

جواب (۱):

امام صاحب کے ہاں **الطاعة تنفع و المعصية تضر** کا قول ہے لہٰذا اعمال کا نافع ہونا الگ بات ہے اور عدم جزئیت ہونا الگ بات ہے۔

جواب (۲):

الملل والنحل میں ہے کہ مرجیہ دو قسم پر ہیں: (۱) اہل سنت والجماعت (۲) مبتدعہ۔ اور احناف مرجیۂ اہل سنت میں داخل ہیں۔ اور یہ جو شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو مرجیۂ میں شمار کیا ہے ہمارے اکابر فرماتے ہیں یہ مضمون الحاقی ہے اور اگر شیخ کا اپنا قول ہے تو صاحب الملل والنحل کا جواب اس کا رد ہے۔

بہر حال اگر امام ابو حنیفہؒ پر اس قول کی وجہ سے مرجیہ ہونے کا الزام لگتا ہے تو اس طرح محدثین پر بھی معتزلہ ہونے کا الزام لگتا ہے کہ ان کے ہاں بھی تو عمل ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حضرات ایمان کے تعریف میں عمل کو نہیں لاتے ان کا قول بدعت قولیہ کے قبیل سے ہے۔ علامہ عثمانیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محدثین کا قول "الایمان قول و فعل" بھی تو بدعت قولیہ میں سے ہوا کیونکہ وہ بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے منقول نہیں بلکہ تابعین سے منقول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی تابعی ہیں اور ایک تابعی کا قول دوسرے تابعی پر حجت نہیں۔

الایمان یزید وینقص کی تشریح:

اس میں دو قول ہیں:

(۱) معتزلہ، خوارج اور محدثین کے ہاں اس کا معنی ہے کہ **یزید بالطاعة وینقص بالمعصية**

(۲) امام ابو حنیفہؒ کے ہاں زیادت ونقصان ایمان میں نہیں ہوتا یعنی **الایمان لا یزید ولا ینقص**.

نوٹ: فتح الملہم میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے امام

ابو حنیفہؒ کا قول محدثین کے ساتھ نقل کیا ہے۔

فریق اول:

نے امام بخاریؒ کے ذکر کردہ نصوص سے استدلال کیا ہے البتہ نقص ایمان کے بارے میں کوئی صریح نص نہیں ہے البتہ قاعدہ ہے کہ مرکب میں صلاحیتِ زیادۃ و نقصان ہوتی ہے۔ اور قابل زیادۃ ہونا تو نصوص سے ثابت ہے لہٰذا نقصان بھی ثابت ہے۔

فریق ثانی:

ان تمام نصوص میں فریق ثانی تاویلات کرتے ہیں۔

(۱) زیادۃ و نقصان کے قابل ایمان معلیٰ بھی کامل ایمان ہے۔ البتہ ایمان منجی نقصان کے قابل نہیں ورنہ ایمان نہیں رہے گا۔

(۲) ابن حزم کی تاویل: ایمان کے مختلف درجات ہیں ۱۔ ایمان بلاتردد ۲۔ ایمان مع الشک ۳۔ ایمان مع الانکار۔

(۳) نور ایمان کے زیادۃ و نقصان پر حمل ہے۔

(۴) انشراح ایمان کی زیادۃ و نقصان مراد ہے۔

(۵) مؤمن بہ کے اعتبار سے زیادۃ کا بیان ہے نفس ایمان کی زیادۃ مراد نہیں ہے مثلاً پہلے صرف صلوٰۃ پر ایمان تھا پھر زکوۃ حج کے احکام نازل ہوئے ان پر ایمان لایا تو ایمان زیادہ ہو گیا۔

(۶) ایمان اجمالی میں زیادۃ نقصان نہیں ہوتی جبکہ ایمان تفصیلی میں ہوتی ہے۔ تو یہ ایمان تفصیلی پر حمل ہے۔

قول فیصل:

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے جو تعریف محدثین نے کی ہے اس کو بھی درست نقل نہیں کیا گیا ہے اور جو تعریف امام صاحبؒ نے کی ہے وہ بھی صحیح نقل نہیں کی لہٰذا شبہات پیدا ہو گئے۔

محدثین کی تعریف:

الایمان معرفة بالقلب والاقرار باللسان والعمل وباالارکان یزیدمالطاعة وینقص بالمعصیة، تو ان تمام جملوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔ بلکہ تصدیق قلبی کبھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ اقرارلسان بصورت اکراہ ساقط ہوتی ہے اور تارک عمل خارج از ایمان نہیں ہے اسی طرح زیادۃ کا مطلب یہ ہے کہ عمل بالارکان میں زیادۃ ونقصان ہوتی ہے نفس تصدیق میں نہیں۔ واللہ اعلم

امام ابوحنیفہؒ کی تعریف:

الایمان هو اقرار باللسان و تصدیق بالحنان وما صح عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من الشرع والبیان کلّه حق والایمان واحد واهلهم فی اصله سواء والتفاضل بینهم بالخشیّة والتقوٰی ومخالفة الهوٰی وملازمة الاولی۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقین میں اختلاف لفظی ہے اختلاف معنوی نہیں ہے صرف عمل بالارکان کی تعبیر میں اختلاف ہے۔

اسلام اور ایمان میں فرق:

ان کا استعمال قرآن میں تین طریقوں سے ہوا ہے۔

(۱) علیٰ سبیل الترادف۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **قل یا قوم ان کنتم اٰمنتم باللّٰه فعلیه توکلوا ان کنتم مؤمنین** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**بنی الاسلام علٰی خمس شهادة ان لا اله الا اللّٰه الخ** اور پھر انہی چیزوں کو حدیث وفد عبدالقیس میں ایمان کی تفسیر میں ذکر کیا۔

(۲) علیٰ سبیل التباین جیسے آیت "قل لم تؤمنو ولکن قولوا اسلمنا میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "**الاسلام علانیة والایمان فی القلب**

(۳) علیٰ سبیل التداخل کہ بعض چیزیں الگ ایمان میں شمار کی گئی ہیں اور اور انہی بعض کو دوسری جگہ اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا "ای العمل افضل" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ ورسولہ اور حضرت عبداللہ بن عبسہؓ کی روایت میں ہے کہ "**فای الاسلام افضل" قال الایمان.**

محدثین کا قاعدہ:

اس بناء پر محدثین کہتے ہیں کہ جب ایمان، اسلام ایک جگہ میں استعمال ہوں تو وہاں تباین مراد ہوگا اور جہاں الگ الگ استعمال ہوں تو وہاں ترادف مراد ہوگا یعنی اذا اجتمع افترقا و اذا افترقا اجتمعا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص لہٰذا ہر ایمان اسلام ہے لیکن ہر اسلام ایمان نہیں۔

امام بخاریؒ کا مسلک:

ان کے ہاں ایمان، دین، اسلام اور تقویٰ سب مترادف الفاظ ہیں لہٰذا دین و اسلام کا ذو اجزاء ہونا ان کے ہاں ایمان کا ذو اجزاء ہونا ہے۔

استثناء فی الایمان:

یعنی یہ کہنا کہ انا مؤمن انشاء اللّٰہ جائز ہے یا نہیں تو اس میں تین قول ہیں: (۱) استثناء جائز نہیں ہے اکثر متکلمین اور حنفیہ کا یہی قول ہے اور یہی مختار اور اہل تحقیق کا مذہب ہے۔ (۲) استثناء جائز ہے یہ ائمہ ثلاثہ، حضرت ابن مسعودؓ، علقمہؒ سفیان الثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ کا مذہب ہے (۳) استثناء اور بدون استثناء دونوں جائز ہیں یہ امام اوزاعیؒ کا قول ہے

پہلے قول والے کہتے ہیں کہ استثناء سے اشتباہ اور شک پیدا ہوتا ہے اور یہ شک آہستہ آہستہ دل میں پختہ ہو جائے گا۔ جبکہ قول ثانی والے کہتے ہیں ایمان کا اصل اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے لہٰذا یہ انشاء اللہ استقبال کیلئے ہے۔

ایمان کونسا معتبر ہے؟

تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ قبل البلوغ ایمان تقلیدی معتبر ہے اور بعد البلوغ امور ایمان کا جاننا خود ضروری ہے۔

قول اور فعل کے بارے میں فرق:

(۱) یہ دونوں مترادف ہیں (۲) عمل اختیاری ہے اور اس میں ارادے کو دخل ہوتا ہے

جبکہ فعل میں ارادہ ضروری نہیں (۳) عمل میں استمرار ہوتا ہے فعل میں نہیں ہوتا۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ......

یہ حدیث کی طرف اشارہ ہے اور یہاں حب اور بغض کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے حالانکہ حب اور بغض کے درجات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ایمان کے زیادۃ ونقصان پر دال ہیں۔

ونحن لیطمن قلبی. اس میں اضافہ یقین کا بیان ہے اور اضافہ یقین اضافہ ایمان ہی ہے۔

فائدہ:

ان آیات کو ماقبل آیات سے جدا ذکر کیا کیونکہ وہاں صراحۃً زیادۃ پر دلالت تھی یہاں ضمناً دلالت ہے۔

الیقین الایمان کلہ......لایبلغ العبد حقیقۃ التقوی:

یقین اور تقویٰ کے درجات مختلف ہوتے ہیں جو ایمان کے زیادۃ ونقصان پر دلالت کرتے ہیں۔ درجات تقویٰ (۱) ترک الشرک (۲) ترک رسومات جہلیہ (۳) اجتناب عن الکبائر وعدم الاصرار علی الصغائر۔ (۴) ترک الصغائر والمشتبہات۔ (۵) ترک المباحات اجتناباً عن التلذذ۔ (۶) اعراض عن کل ماسوی اللہ۔

ودعاء کم ایمانکم وفی قولہ قل مایعبأبکم ربی لولادعائکم، انااوحینا الیک کمااوحینا الی نوح،

شرائع تو سب ایک ہیں لیکن فروعات میں اختلاف ہے تو اختلاف فرعات و سے اختلاف ایمان لازم ہے۔

بنی الاسلام علی خمس ....

فائدہ:

جمہور کے ہاں ایمان اور اسلام میں چونکہ فرق ہے لہٰذا اسلام کے دو اجزا ہونے سے ایمان کا دو اجزا ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المآب.

باب امور الایمان

وقول اللّٰہ عزوجل لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب الآیہ وقولہ تبارك قدافلح المومنون ......حدثنا عبداللّٰہ عن محمد الجعفی ......عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الایمان بضع وسبعون شعبۃ والحیاء شعبۃ من الایمان......

ترجمۃ الباب کے متعلق چند تمہیدی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی بات:

امور کی اضافت ایمان کی طرف کون سی اضافت ہے تو اس میں چار اقوال ہیں:

(۱) اضافت بیانیہ ہے یعنی باب الامور التی ھی الایمان

(۲) اضافت لامیہ ہے باب الامور بلایمان ای مکملات للایمان.

(۳) اضافت فی کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الداخلۃ فی الایمان

(۴) اضافت من کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الناشیۃ من الایمان.

دوسری بات:

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس سلسلے میں بھی چند اقوال ہیں:

(۱) کتاب الایمان میں امام بخاریؒ نے ترکیب ایمان عن الثلاثہ کا دعویٰ کیا اور یہاں اس کو ثابت کرتے ہیں۔

(۲) کتاب الایمان میں زیادۃ ونقصان کا دعویٰ کیا ہے یہاں ان امور کا بیان ہے کہ اگر یہ موجود ہیں تو ایمان میں اضافہ ہوگا ورنہ نقصان ہوگا۔

(۳) حضرت گنگوہیؒ سے منقول ہے کہ پہلے نقل کردہ حدیث بنی الاسلام علی خمس ۔ سے حصر فی الخمس کا شبہ پیدا ہوتا تھا۔ ان امور کو ذکر کر کے شبہ دور کیا کہ ان کے علاوہ دیگر امور

بھی ایمان ہیں۔

(۴) مقتضیات ایمان کا بیان ہے یعنی ایمان کے بعد کن کن امور کی ضرورت ہے۔

تیسری بات:۔ ترجمہ الباب میں دوآیات کو لائے ہیں حسب عادت۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔۱، کہ قرآن اور حدیث کے الفاظ برکت کیلئے لائے ہیں۔۲، یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میرا مدعا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، چوتھی بات:۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم الآیہ:۔

قال ابن الحجر عن عبدالرزاق عن مجاھد عن ابوذرغفاری رضی اللہ تعالی عنہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان فقرا لیس البر ان تولوا وجوھکم الآیہ او کماقال۔ لیکن یہ روایت شرائط بخاری کے موافق نہیں تھی لہٰذا روایت تو نہیں لی لیکن اس کا مفہوم جو آیت سے معلوم ہو رہا تھا اس لئے اس آیت کو ترجمہ الباب کا جزو بنادیا۔ آیات کا پس منظر یہ ہے کہ قبل الہجرت قبلہ بیت اللہ تھا لیکن ہجرت کے بعد بیت المقدس رہا پھر ۱۶، ۱۷ ماہ بعد پھر بیت اللہ کا حکم آ گیا تو مشرکین اعتراض کرنے لگے کہ کبھی بیت اللہ کو منہ پھیرتے ہیں اور کبھی بیت المقدس کو، لہٰذا یہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع ہیں۔ تو یہ آیت اتری کہ دراصل مغرب ومشرق کی طرف منہ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اصل چیز اللہ کی تابع داری اور حکم ماننا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں آیت مذکورہ پورے دین کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ:

(۱) شریعت کے بعض احکام وہ ہیں جنکا تعلق قلب وعقیدہ سے ہے ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) وہ احکام جن کا تعلق معاشرت سے ہے واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ سے اشارہ ہے۔

(۳) جن کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ ہے اور بدن کے ساتھ ہے واقام الصلوٰۃ و الزکوۃ سے اشارہ ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قدافلح المؤمنون کو مقدم کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس میں صراحتاً فلاح مومن کا ذکر ہے۔ جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قدافلح المؤمنون کے اندر صفات مادحہ ہیں اور بعض صفات کاشفہ ہیں یعنی بعض ایمان

کے اندر داخل ہیں اور بعض داخل نہیں ہیں۔

الایمان بضع وسبعون شعبۃ......

بضع کے اطلاق میں چند اقوال ہیں: (۱) ایک سے ۹ تک (۲) دو سے ۹ تک (۳) تین سے ۹ تک (۴) ایک سے ۱۰ تک (۵) چار سے دس تک (۶) اور اصح اور اشہر قول یہ ہے کہ تین سے دس تک۔ کیونکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غلبۂ روم پر مشرکین کے ساتھ بازی لگائی تو مدت نو سے کم مقرر کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا احتطت یا ابابکر فان البضع مابین الثلاث الیٰ تسع.

بعض روایات میں بضع وستون کا قول ہے بعض میں اربع وستون اور بعض میں شک کے ساتھ بضع وستون او بضع وسبعون اور اربع سبعون بھی ہے حافظؒ کے ہاں راجح بضع وسبعون اور بضع وستون ہے تو اس بارے میں تطبیق کیلئے مختلف اقوال ہیں: (۱) کثرت شعب کا بیان ہے عدد کا بیان نہیں (۲) عدد اقل خود عدد اکثر کے اندر داخل ہے (۳) ابتداء میں بضع وستون تھے بعد میں مزید احکام بھی آ گئے۔

شعب الایمان:

حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبانؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے قرآن کریم میں تلاش کیا کہ کن امور پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے تو وہ امور عدد مذکور سے کم تھے پھر قرآن وحدیث کے امور کو جمع کیا تو وہ عدد مذکور سے بڑھ گئے پھر مکررات کو حذف کیا تو ۶۹ بن گئے اور ۷۹ بھی بنتے ہیں وہ اس طرح کہ دس شعبے ایسے ہیں جن کو الگ شعبہ بھی شمار کیا جا سکتا ہے اہتمام الشان کی وجہ سے اور دوسرے شعبوں میں داخل بھی شمار کئے جا سکتے ہیں مثلاً اتی المال میں زکوٰۃ بھی داخل ہے اور الگ حکم بھی ہو سکتا ہے اور اجتناب عن الزور جھوٹی گواہی کے ضمن میں ہو سکتا ہے اور الگ بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان شعب میں سے ۳۰ قلب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ۷ لسان سے ساتھ اور چالیس باقی اعضاء کے ساتھ۔ علماء کرام نے شعبِ کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں امام عبداللہ حلیمیؒ نے فوائد المنہاج، محدث اسحٰق بن قطبیؒ نے کتاب النصائح، ابن حبانؒ نے وصف الایمان وشعبہ، شیخ عبدالجلیل ابوحاتم اور امام بیہقی رحمہم

اللہ نے ''شعب الایمان'' لکھی ہے امام بخاریؒ کے قائم کردہ ابواب بھی درحقیقت ان شعب کی شرح ہیں۔

والحیاء شعبة من الایمان......

یہاں حدیث مجمل اور مختصر ہے دوسری جگہ یوں ہے: ''افضلها لا الٰه الا اللّٰه وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان''

حیاء کی تعریف:

(۱) امام راغب اصفہانیؒ نے یہ تعریف کی ہے **الحیاء انقباض النفس عن القبیح وترکه لذالک** (۲) حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک یہ تعریف ہے **الحیاء تتولد من رؤیة الآلاء ورؤیة التقصیر** (۳) امام نوویؒ نے یہ تعریف کی ہے **لایراک مولاک حیث نهاک**.

حیاء کی تین قسمیں ہیں: (۱) حیاء شرعی جو کام شریعت میں معیوب ہو (۲) حیاء عقلی جو عقلاً معیوب ہو (۳) حیاء عرفی عرف میں جو کام مکروہ اور ناپسندیدہ ہو۔ حیاء شرعی اور حیاء عقلی کے درمیان کبھی تعارض نہیں ہوتا بشرطیکہ عقل سلیم ہو البتہ کبھی حیاء عرفی کے ساتھ تعارض آجاتا ہے تو تعارض کی تمام صورتوں میں حیاء شرعی کو ترجیح ہوگی۔ (جب وہ کام مستحب ہو تو حیاء عرفی کی ترجیح دینا بھی صحیح ہے۔)

الحیاء شعبةٌ من الایمان......

تنوین تعظیم کیلئے ہے ای **شعبة عظیمة** اور یہ اس لئے کہ بہت سے اعمال صالحہ حیاء کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں اور ترک عن المعصیہ حیاء کی وجہ سے ہوتا ہے۔ **الحیاء شعبة من الایمان** کو صراحتاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہم ہوتا تھا کہ ایمان تو کسبی چیز ہے اور حیاء خلقی اور فطری شئے ہے لہٰذا ایمان میں داخل نہیں ہوگی تو اس وہم کے ازالہ کیلئے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ حیاء تو فطری اور کسبی چیز ہے لیکن اس کے مقتضاء پر عمل کرنا کسبی امر ہے۔ یعنی حیاء ابتداء میں خلقی ہے اور انتہاء میں کسبی ہے۔ واللہ اعلم

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

حدثنا ادم........ عن عبد اللّٰہ بن عمرو عن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الحدیث.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ترکیب ایمان کے دعویٰ کو ثابت کرنا مقصد ہے۔

(۲) ایمان کی زیادت ونقصان کو ثابت کرنا ہے کیونکہ حدیث میں وصف مذکور کلی مشکک ہے بعض افراد میں یہ وصف زیادہ اور بعض میں کم ہوتا ہے اسی اعتبار سے ایمان میں کمی وزیادتی ہوگی۔

(۳) مرجیۂ کا رد مقصود ہے کیونکہ اُن کے ہاں المعصیۃ لا تضر ہے اور یہاں حدیث میں معصیت سے بچنے کو کامل ایمان کا مدار بنایا گیا ہے۔

(۴) مقتضیاتِ ایمان کا بیان ہے۔

(۵) حصر فی الخمس کا وہم دور کرنا مقصد ہے۔

(۶) بضع وستون کی شرح مقصود ہے۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے حسب عادت حدیث کے الفاظ کو ترجمۃ الباب کا جزو بنایا ہے۔

تیسری بات:

الف لام کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ المسلم میں الف لام عہدی ہے اور معہود المسلم الکامل ہے یا المسلم الممدوح ہے۔ دوسرا قول علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ہے کہ الف لام جنسی ہے اور اصل میں الف لام ہے گویا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کہلانے کے لائق وہی ہے جس کی ایذاء سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں بصورت دیگر وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں ہے یہ تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم ہے اور اس صورت میں حدیث سے اصل مقصد حاصل ہوتا ہے جو زجر اور تنبیہ ہے ورنہ دوسری صورت میں زجر کا فائدہ نہیں ہوتا

کیونکہ لوگ کہیں گے کہ میں کون سا مسلمان کامل ہوں جہاں اور گناہ وہاں یہ بھی سہی۔

سوال:

شریعت میں تو کافر ذمی، کافر مصالح اور حتیٰ کہ جانوروں کو ایذاء رسانی سے بھی منع کیا گیا ہے جبکہ حدیث میں صرف مسلمان کی قید ہے:

جواب:

(۱) یہ قید اتفاقی ہے اور قید واقعی ہے کیونکہ اکثر واسطہ مسلمان سے پڑتا ہے بخلاف کفار کے کہ ان سے شاذ ونادر ہی معاملہ پڑتا ہے۔ (۲) کافر ذمی تو مسلمانوں کے حکم میں داخل ہے کیونکہ حدیث ہے کہ **اموالھم کاموالنا و دمائھم کدمائنا** اور کافر حربی یا مصالح ہوتا ہے یا حالت جنگ میں تو کافر مصالح بھی حکماً مسلمانوں میں داخل ہے اور کافر حربی کی ایذاء رسانی منع نہیں ہے۔

اشکال:

حدیث میں صرف لسان اور ید کی تخصیص کیوں ہے؟

جواب:

عموماً ایذاء رسانی ان دونوں سے ہوتی ہے بخلاف دیگر اعضاء کے کہ ان سے قلیل ایذاء رسانی ہوتی ہے۔

من لسانہ ویدہ......

لسان کو استعمال کیا قول نہیں لائے کیونکہ لسان کی ایذاء عام ہے چاہے کلام ہو یا نہ ہو جیسے منہ چڑانا اور قول کی ایذاء خاص ہے جو صرف کلام کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

سوال:

لسان کو ید پر مقدم کیا حالانکہ ید کا ضرر لسان سے قوی ہوتا ہے؟

جواب:

(۱) لسان کی ایذاء عام ہے بخلاف ید کے کیونکہ ید سے صرف سامنے والے اور کمزور کو ضرر دیا جا سکتا ہے جبکہ لسان کیلئے اس کی ضرورت نہیں ہے (۲) زبان کا ضرر دیرپا ہوتا

ہے۔

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

والمهاجر من هجر مانهى الله عنه......

یہاں بھی الف لام میں وہی گذشتہ دو باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑنا ہجرت کامل نہیں بلکہ ساتھ منہیات سے رکنا اصل ہجرت ہے اور یہی ہجرت کا مقصد ہے کہ بندہ دوسرے مامون مقام پر جاکر اللہ کی خوب عبادت کر سکے۔ یا ان لوگوں کو تسلی دینا ہے جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے اور ہجرت کی فضیلت سے محرومی کی بناء پر پریشان تھے لیکن اب ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہیات کو ترک کر کے اب بھی ہجرت کی فضیلت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ہجرت کیا ہے؟

ہجرت لغوی یہ ہے کہ انتقال من مکان الیٰ مکان آخر ہجرت حکماً یہ ہے کہ دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام جائے لیکن گناہوں کو ترک نہ کرے۔ اور ہجرت شرعاً وحقیقتاً یہ ہے کہ دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام آئے اور گناہوں کو بھی چھوڑ دے۔

فائدہ:

تعلیق سے تین فائدے ہوئے (۱) شعبیؒ کے نام کی صراحت ہوگئی (۲) پہلی روایت میں حدیث معنعن تھی جبکہ یہاں سماعت کی تصریح ہوگئی (۳) عبداللہ مطلق آیا ہے اور جہاں عبداللہ مطلق آتا ہے وہاں عبداللہ بن مسعود مراد ہوتے ہیں لیکن یہاں عبداللہ بن عمرو بن العاص مراد ہیں۔

باب ای الاسلام افضل

حدثنا سعید.............. عن ابی موسی الاشعری قال قالوا یا رسول اللہ ای الاسلام افضل قال من سلم المسلمون. الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱)ایمان کی زیادت ونقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ۔

(۲)ایمان کے ذکر کرنے کے بعد اب ایمان کے مقتضیات کا بیان کرنا مقصد ہے۔

(۳) کتاب الایمان کی شروع والی حدیث بنی الاسلام علیٰ خمس سے انحصار کا جو شبہ ہوا تھا ان ابواب سے اس کو دور کرمقصد ہے۔

(۴)امام بخاریؒ نے باب امور الایمان میں حدیث نقل کی تھی کہ ''الایمان بضع وستون شعبۃ'' وہ حدیث بمنزلہ متن کے ہے اور آنے والے ابواب اس متن کیلئے بمنزلہ تفسیر کے ہیں۔

گذشتہ باتیں تو وہی ہیں یہاں صرف ایک بات نئی ہے اور وہ یہ کہ معتزلہ پر رد ہے کہ گذشتہ حدیث میں آیا تھا کہ مسلمان وہ ہے جو ایذاء رسانی نہ کرے تو معتزلہ نے مخالف مفہوم کے اعتبار سے ایذاء رسانی کرنے والے کو خارج از اسلام قرار دیا تو اس باب کا مقصد معتزلہ کا رد ہے کہ ایذاء رسانی سے اجتناب اعلیٰ درجے کا ایمان ہے اور جو ایذاء رسانی کرتا ہے وہ بھی مسلمان ہے لیکن نچلے درجے کا مسلمان ہے۔

ای الاسلام افضل......

نحوی قاعدہ ہے کہ ایٌّ کے ذریعے مرکب چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے مفرد سے نہیں اور یہاں تو اسلام مفرد ہے۔ اشکال کی دوسری تعبیر یوں ہے کہ سوال تو خصلت کے بارے میں ہیں اور جواب میں ذوالخصلت کا ذکر ہے تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب:

(۱)اصل میں سوال میں تقدیر ہے کہ ای خصلۃ من خصال الاسلام افضل تو اصل میں ای خصال پر داخل ہوا اور خصال مرکب ہے۔ پھر جواب میں بھی خصلۃ کو مقدر مانیں گے یعنی خصلۃ من سلم المسلمون من لسانہ تو اس صورت میں جواب بھی خبر کے مطابق ہوگا۔

جواب:

(۲) صرف سوال میں تقدیر نکالیں گے یعنی ایّ ذوی الاسلام افضل تو دونوں اشکال ختم ہو جائیں گے اور یہی جواب اولیٰ ہے۔ عند الشراح

باب اطعام الطعام من الاسلام

حدثنا عمرو بن خالد......... عن ابن عمر ان رجلاً سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایّ الاسلام خیر فاجاب تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔ الحدیث

ترجمۃ الباب کے مقصد سے متعلق وہی گذشتہ باتیں ہیں کہ (۱) ایمان کی ترکیب ثابت کرنا چاہتے ہیں (۲) زیادۃ ونقصانِ ایمان کا ذکر کرنا ہے (۳) مقتضیاتِ ایمان کا بیان کرنا ہے (۴) مرجیہ پر رد کرنا ہے کہ ایمان یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ انّ رجلاً سے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یا تو اس سے حضرت ابوذر مراد ہیں یا ابو زید اور اگر کوئی تیسرا ہو تو لا اعلم اسمہ۔

تیسری بات:

آپ نے اطعام کو مطلق ذکر کیا ہے اس میں آکل و ماکول کی تعمیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ بعض نے تو پانی پلانا بھی مراد لیا ہے بدلیل ومن لم یطعمہ فانہ منی (البقرۃ: ۲۴۹) اور اس میں مقدار کی تعمیم کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قلیل ہو یا کثیر سب کو شامل ہے۔

تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف......

تقرأ کہا تسلم نہیں کہا تا کہ سلام کتابت کو بھی شامل ہو جائے اور آگے تعمیم ذکر ہے کہ سب کو سلام کرنا چاہئے البتہ کافر کو سلام میں ابتداء نہیں کرنی چاہئے اور اس کو سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہنا چاہئے اور اگر کافر ذی اقتدار ہو تو اس کو سلام کے بجائے آداب کہنا یا انگریزی میں سلام کرنا چاہئے۔

علامہ شامیؒ کا قول:

علامہ شامیؒ نے "باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ" میں ان تمام اشخاص ومقامات کو جمع کیا ہے جہاں سلام کرنا مکروہ ہوتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) نماز پڑھنے والے پر (۲) تلاوت قرآن کرنے والے پر (۳) ذکر میں مشغول شخص پر (۴) حدیث پڑھانے والے پر (۵) خطبہ دینے والے پر (۶) کتب دینیہ کا مذاکرہ وتکرار کرنے والوں پر (۷) فیصلہ کیلئے بیٹھے ہوئے شخص پر (۸) مؤذن پر بوقت اذان (۹) اقامت کہنے والے پر (۱۰) جبکہ وہ درس دینے میں مشغول ہو (۱۱) اجنبی لڑکیوں پر (۱۲) شطرنج کھیلنے والے شخص پر (۱۳) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول ہو (۱۴) کافر شخص پر (۱۵) مکشوف العورۃ شخص پر (۱۶) کھانے پینے میں مصروف شخص پر (۱۷) قضائے حاجت کرنے والے پر (۱۸) استاذ کے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علم پر (۱۹) گانے والے شخص پر (۲۰) کبوتر باز پر (۲۱) زندیق شخص پر (۲۲) مزاح کرنے والے شخص پر (۲۳) لغو اور فضول باتیں کرنے والے پر (۲۴) جھوٹے شخص پر (۲۵) جو شخص قصداً اجنبی عورتوں کو دیکھتا ہو (۲۶) گالیاں دینے والے شخص پر (۲۷) مسجد میں بلا تحقیق باتیں کرنے والے شخص پر (سنی سنائی باتیں بیان کرنے والے پر) (۲۸) تلبیہ پڑھنے والے شخص پر (در مختار مع الشامی ص ۲۱۷ ج ۱ باب ما یفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا)

اسی طرح مندرجہ ذیل لوگوں پر سلام کا جواب دینا (جب ان کو سلام کیا جائے) ضروری نہیں:۔

(۱) قاضی پر خصمین کے سلام کا جواب (۲) استاذ وفقیہ پر اگر شاگرد دوران درس سلام کریں (۳) سائل کے سلام کا جواب (۴) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر (۵) دعا میں مشغول شخص پر (۶) مسجد میں ذکر وتلاوت کیلئے بیٹھے ہوئے لوگوں پر جبکہ وہ ذکر میں مشغول ہوں (۷) امام ومؤذن اور خطیب پر جبکہ وہ اپنے فریضہ میں مشغول ہوں۔ (درمختار مع الشامی)

اشکال:

مختلف روایات میں مختلف اعمال کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے مثلاً ایمان باللہ یا جہاد وغیرہ،

جواب:

(۱) یہ اختلاف مبنی ہے اختلاف ازمنہ پر کہ جب قحط سالی ہے تو اطعام کو افضل قرار دیا جہاد کا وقت ہے تو جہاد کو افضل قرار دیا وغیرہ۔

(۲) یہ اختلاف بنی ہے سائلین کے اختلاف احوال پر، جو آدمی کنجوس ہے اس کو انفاق کا حکم دیا اور جو بزدل ہے اس کو جہاد کا حکم دیا علیٰ ہٰذا۔

(۳) اختلاف مبنی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف احوال مبارکہ پر، جس وقت آپ پر جہاد کا غلبہ تھا تو جہاد کو افضل قرار دیا جب امت کی غم خواری کا غلبہ ہوا تو اطعام کو افضل قرار دیا وغیرہ۔

(۴) دوران سوال الفاظ مختلف استعمال ہوئے کہیں افضل ہے کہیں خیر اور کہیں احبّ الی اللہ وغیرہ تو ان الفاظ کے اختلاف کی بناء پر جواب بھی مختلف دیئے۔

(۵) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان جوابات سے مراد یہ ہے کہ ان میں کوئی بھی علی الاطلاق افضل نہیں بلکہ من افضل الاعمال کذا وکذا گویا افضل الاعمال کی ایک فہرست ہے۔ واللہ اعلم

باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

حدثنا مسدد .... لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ......

پہلی بات:

ترجمۃ الباب کے مقصد سے متعلق وہی گذشتہ باتیں ہیں کہ:

(۱) ایمان کی زیادت ونقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر یہ وصف موجود ہوگا اس کا ایمان کامل ہوگا ورنہ نہیں۔

(۲) مرجیۂ کے قول "الایمان لاتضرہ المعصیۃ و لا تنفعہ الطاعۃ" پر رد ہے۔

(۳) بنی الاسلام علیٰ خمس سے پیدا شدہ انحصار کے شبہ کوختم کرنا مقصود ہے۔

(۴) الایمان بضع وستون شعبۃ کی تفصیل ہے کہ اپنے بھائی سے محبت کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

(۵) ایمان کی حقیقت بیان کرنے کے بعد مقتضیاتِ ایمان کو بیان کرنا مقصود ہے۔

دوسری بات:

لا یؤمن احد کم......

اشکال:

حدیث میں وصف مذکور کے معدوم ہونے کی صورت میں ایمان کی نفی کی گئی ہے حالانکہ بہت سے مسلمانوں میں وصف مذکور موجود نہیں ہے؟

جواب:

(۱) یہاں پر کمال ایمان کی نفی ہوئی ہے نفس ایمان کی نفی نہیں ہے۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی جنس ایمان کی ہے کیونکہ لا نفی جنس پر حمل کرنا معنی حقیقی ہے اور نفی کمال پر حمل کرنا معنی مجازی ہے اور مجاز کو اس وقت مراد لیں گے جب حقیقت پر عمل کرنا متعذر ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں لہٰذا نفی جنس ایمان کی ہے اور تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کے قبیل سے ہے یعنی دراصل تو مراد ایمان ناقص ہے مگر اس کو غیر معتبر قرار دیکر معدوم سے تعبیر کیا۔

اشکال مشہور:

اگر ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے تو کیا وہ دوسرے آدمی کیلئے بھی وہی گناہ پسند کرے؟

جواب:

شراح نے جب تمام طرق کو جمع کیا تو بعض طرق میں موجود تھا "لا یؤمن احد کم حتّٰی یحب لاخیہ من الخیر مایحب لنفسہ" لہٰذا گناہ کا معاملہ اس کے علاوہ ہے۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر تو حدیث تسویہ پر دال ہے لیکن درحقیقت تفضیل لاٰخر علیٰ نفسہٖ مراد ہے چنانچہ فضیل بن عیاضؒ نے سفیانؒ بن عیینہ سے فرمایا تھا کہ نصیحت اور خیر خواہی

یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو افضل سمجھے اور برابر سمجھنا کوئی خوبی نہیں ہے۔

فائدہ:

(۱) امام بخاری تفنن فی العبارة کیلئے تقدیم وتاخیر کرتے ہیں من الایمان پہلے لاتے ہیں اور کبھی بعد میں۔

(۲) یا حدیث کے الفاظ کی وجہ سے تقدیم وتاخیر کرتے ہیں جیسے حدیث میں لایؤمن مقدم ہے تو من الایمان کو مقدم کیا۔

باب حب الرسول من الایمان

حدثنا ابو الیمان............ عن ابی ھریرة انّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: والذی نفسی بیده لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیه من والده وولده. الحدیث

(۱) اس باب میں دو احادیث ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دوسری حدیث میں والناس اجمعین کا اضافہ ہے۔

(۲) ترجمة الباب سے متعلق وہی گذشتہ اقوال ہیں کوئی نئی بات ترجمة الباب سے متعلق نہیں ہے۔

(۳) لایـؤمـن میں بالاتفاق جنس ایمان کی نفی ہے یہاں پر کمال ایمان کی تاویل درست نہیں ہے۔

(۴) حتی اکون احب الیه...... یہاں کونسی محبت مراد ہے کیونکہ محبت کی کئی اقسام ہیں:

(۱) محبت طبعی اس میں کسب اور اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔

(۲) محبت احسانی کیونکہ الانسان عبد الاحسان یہ اختیاری ہے کیونکہ احسان اختیاری چیز ہے۔

(۳) محبت کمالی۔

(۴) محبت جمالی۔

(۵) محبت عقلی جیسے بیمار کی محبت کڑوی دوا سے تو قاضی بیضاویؒ اور علامہ خطابیؒ نے نقل کیا ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ یہاں محبت سے مراد محبت اختیاری اور عقلی ہے نہ کہ طبعی کیونکہ انسان امور اختیاریہ کا مکلّف ہے۔ لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ صرف محبت اختیاری پر اکتفاء جائز نہیں بلکہ اس میں ترقی کر کے محبت طبعی تک پہنچنا چاہئے۔ محبت اختیاری کی تمام اقسام آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں کیونکہ امت پر سب سے زیادہ احسانات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو کہ لا تعد و لا تحصٰی۔ اسی طرح آپ کمالات اعلیٰ کے مالک ہیں/ اعلیٰ حسن کے مالک ہیں اور عقل بھی آپ سے محبت کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ خطابیؒ نے شرح بخاری میں ابوالزنادؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔ کیونکہ عموماً محبت کے تین اسباب ہوتے ہیں:

(۱) عظمت کی وجہ سے تو اس کی طرف اشارہ کیا والدہٖ کے ذریعے۔

(۲) شفقت کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ ولدہٖ سے ہے۔

(۳) احسان کی وجہ سے والناس اجمعین سے اس کی طرف اشارہ کیا کیونکہ عام لوگوں سے محبت احسان ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی بعض روایات میں والد مقدم ہے اور بعض میں ولد تو والد کی تقدیم کی وجہ

(۱) تو یہ ہے کہ والد اصل ہے اور ولد فرع اور اصل مقدم ہوتا ہے فرع پر۔

(۲) اس سے اشارہ ہے کہ امتی کی محبت نبی علیہ السلام سے تعظیمی ہونی چاہئے والد کی طرح۔

(۳) ہر انسان کا والد ہوتا ہے **الا ادم و عیسٰی (علیهما السلام)** جبکہ ہر انسان کا ولد نہیں ہوتا۔

تقدیم ولد کی وجوہ:

ولد کی محبت شفقت کی ہوتی ہے اور کبھی شفقت کی محبت تعظیم کی محبت پر مقدم ہوتی

ہے۔

اشکال:

حدیث میں والد اور ولد کا ذکر تو ہے مگر اپنے نفس کا ذکر نہیں؟

جواب:

(۱) بعض روایات میں نفس کا ذکر بھی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "یا رسول اللّٰہ! لأنت احب الیّ من کل شیئی الا من نفسی" یعنی اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ہر چیز کے مقابلے میں زیادہ محبت ہے "الامن نفسی" آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "لا والذی نفسی بیدہ حتّٰی اکون احب الیک من نفسک، فقال عمر: فأنه الان واللّٰہ لأنت احب الیّ من نفسی، فقال النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الآن یا عمر" یعنی اے عمر اب بات بن گئی۔ (۲) والناس اجمعین میں اپنا نفس داخل ہے۔ (۳) والد اور ولد کا ذکر کر دیا اور بسا اوقات انسان نفس ان پر قربان کر دیتا ہے لہٰذا اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا قول:

ہر مسلمان کے اندر نبی علیہ السلام کی طبعی محبت اولاد اور باپ سے زیادہ ہوتی ہے لیکن آپ سے محبت کے اظہار کے مواقع کم آتے ہیں لہٰذا اولاد کی محبت زیادہ نظر آتی ہے حالانکہ کسی کا بچہ اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے تو وہ شخص اس کا گلہ گھونٹ دے گا۔

فائدہ:

والد کے تحت والدہ بھی داخل ہے کیونکہ والد سے مراد من لہ الولد ہے بلکہ اس کے تحت دادا دادی بھی داخل ہیں۔

باب حلاوة الايمان

حدثنا محمد بن المثنّٰی .... عن ابی قلابة عن انس عن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان. الحدیث

ترجمۃ الباب کے متعلق:

حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں (۱) ثمرات ایمان کا بیان ہے (۲) یہ باب ادل شیٔ علی دعوی البخاریؒ ہے کیونکہ مذکورہ اوصاف میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں لہٰذا ایمان میں بھی متفاوت ہونگے اور یہی یزید وینقص کی دلیل ہے۔ (۳) ردعلی المرجیۃ ہے کہ طاعات مفید ہیں۔ (۴) ایمان کے شعبوں کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ (۵) ایمان کے مقتضیات کو بیان کرنا ہے۔

حلاوت ایمان:

اس کے متعلق دو باتیں ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو شہد سے تشبیہ دی حلاوت میں جس حلاوتِ شہد کا احساس تندرست آدمی کرسکتا ہے وہ صفراوی مریض نہیں کرسکتا ایسے ہی حلاوت ایمان کا احساس صرف مجتنب عن المعصیۃ اور کامل مؤمن کرسکتا ہے گناہ گار نہیں کرسکتا۔

(۲) حلاوت سے کیا مراد ہے؟

(۱) عام محدثین کے ہاں اس سے حلاوت معنوی مراد ہے شارح بخاری ابن بطالؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور اس کو علامہ عینیؒ، ابن حجرؒ اور نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد استلذاذ الطاعات ہے کہ آدمی کو طاعات کیلئے مشقت برداشت کرنا اور دین کیلئے قربانی دینا آسان ہوجائے۔ ابن بطالؒ نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے بیس سال نفس کو مجبور کرکے نماز پڑھی ثم تلذذت بھا

(۲) حافظ ابن ابی جمرہؒ کا قول علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم اور الابواب والتراجم میں نقل کیا ہے اور اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد حسی حلاوت ہے چنانچہ بہت سے حضرات صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ ذکر کے وقت ان کو حلاوت حسی محسوس ہوتی ہے البتہ عام لوگوں کو یہ محسوس نہیں ہوتی کیونکہ گناہوں کے سبب ہم نے قوت ذائقہ کو ضائع کردیا ہے۔ ابن ابی جمرہ نے جہاں یہ معنی کیا ہے وہاں یہ شعر بھی نقل کیا ہے ؎

فاذا لم تر الهلال فسلم　　　لأناس رأوه بالأبصار

ترجمہ:

تم نے اگر چاند نہیں دیکھا ہے تو جنہوں نے چاند دیکھا ہے ان کی بات تسلیم کرلو۔

ثلاث من کن فیہ......

اشکال:

ثلاث نکرہ ہے اور مبتدا واقع ہوا ہے حالانکہ نکرہ کا مبتدا واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب:

(۱) عام طور سے ان کی تاویل ثلاث خصال سے کرتے ہیں۔

(۲) لیکن علامہ رضی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ جب نکرہ کاشفہ ہو اور اس میں ابہام نہ ہو تو اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما......

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا سنت رسول ہے اور اس کے مقابلے میں مادی فائدہ ہے تو اب اگر مادی فائدہ کو ٹھکرا دے تو یہ وصف موجود ہے ورنہ نہیں۔

مما سواھما......

اشکال:

اس پر خطیب کے واقعہ سے اشکال ہوتا ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور رسول کو ایک ساتھ ضمیر میں جمع کرنے پر نکیر فرمائی جبکہ یہاں خود ایسا کیا ہے خطیب نے کہا تھا من یطع اللہ والرسول فقد رشد ومن یعصھما فقد غوٰی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بئس الخطیب انت"

جواب:

(۱) یہ نہی ابتداء میں تھی پھر منسوخ ہوگئی کیونکہ ابتداء میں تسویہ بین اللہ والرسول کا اشتباہ تھا۔

(۲) خطبہ میں وضاحت ہوتی ہے اور تعلیم میں اختصار ہوتا ہے تو خطیب کا موقع خطبہ کا تھا اور یہاں موقع تعلیم کا ہے۔

(۳) یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔

لا یحبہ الا للہ......

یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں حب فی اللہ یہ ہے کہ لا یزید بالبر و لا ینقص بالجفاء۔ یعنی حب فی اللہ یہ ہے کہ نہ تو حسن سلوک سے اس میں اضافہ ہو اور نہ بے وفائی اور جفاء سے اس میں نقص آئے۔

یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ این یقذف فی النار......

عود کا معنی پہلے زمانے کے لوگوں کیلئے درست ہے کیونکہ وہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے لیکن ہم جیسے لوگوں کیلئے عود بمعنی صیرورت ہوگا جیسے قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں ہے "او لتعودن فی ملتنا"۔

فائدہ:

محدثین نے اس حدیث کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے کیونکہ جملہ اول اور آخری کا تعلق مع اللہ ہے اور دوم جملے کا تعلق مع الخلق ہے اور عموماً انسان جو کام کرتا ہے یا مخلوق کی وجہ سے کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کرتا ہے۔

باب علامة الایمان حب الأنصار

حدثنا ابو الولید .... قال سمعت انس بن مالك عن النبی صلی اللہ علیه و سلم قال: اية الإیمان حب الأنصار و اية النفاق بغض الأنصار.

باب اور حدیث کے متعلق چند باتیں:

(۱) ترجمة الباب کے مقصد:

گزشتہ ابواب میں جو باتیں گزر چکی ہیں وہی باتیں یہاں بھی ہیں لیکن ایک نئی بات یہ ہے جو ابن المنیر کا قول ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن تصدیق قلبی کیونکہ مخفی امر ہے لہٰذا اس کے ظاہر میں ثبوت کیلئے ایک ظاہری علامت ضروری ہے اس لئے یہاں علامة الایمان کیلئے حب الانصار کا باب باندھا ہے۔

ماقبل سے ربط:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت من باب الایثار ہے۔ مساوات کے بعد ایثار کا درجہ ہے اور پھر اس میں مزید ترقی کی صورت یہ ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی محبت نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے ساتھ بھی محبت ہونی چاہئے اور اسی کیلئے امام بخاریؒ نے علامۃ الایمان حب الانصار کا باب باندھا ہے۔

اشکال:

علامۃ الشیٔ ذو العلامۃ سے خارج ہوتی ہے جیسے دھواں آگ کی علامت ہے اور آگ کی حقیقت میں داخل نہیں ہے اسی طرح حب الانصار بھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے لہٰذا اس باب کو کتاب الایمان کے تحت لانا درست نہیں ہے۔

جواب:

صحیح تر بات یہ ہے جو مولانا یونس صاحب نے بیان فرمائی ہے کہ علامۃ الشیٔ ذو العلامۃ کے تابع ہوتی ہے جیسے حرارت آگ کی، تو ذو العلامہ کی قلت و کثرت سے علامت میں قلت و کثرت ہوتی ہے تو ایسے ہی ایمان کی قلت وزیادتی کی وجہ سے حب الانصار میں کمی بیشی ہوگی۔

حب الانصار آیۃ الایمان.........

یہ محبت انصار ہونے کی بناء پر تو علامت ایمان ہے لیکن مادی اسباب کی وجہ سے محبت علامت ایمان نہیں ایسے ہی بغض الانصار انصار ہونے کی وجہ سے تو نفاق کی علامت ہے لیکن کسی اور جھگڑے کی وجہ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں ہے۔

انصار: (۱) یہ ناصر کی جمع ہے جیسے "اصحاب"، "صاحب" کی جمع ہے (۲) نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی جمع ہے۔

انصار کی تاریخ:

انصار قبل الاسلام دو قبیلے اوس اور خزرج تھے اور بنو القیلہ کہلاتے تھے جب اسلام قبول کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور آپ کو ہجرت کی دعوت دی تو پوری دنیا کے مقابلے میں آپ اور آپ کے صحابہ کی نصرت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا لقب

دیا۔

اشکال:

حب الانصار تو ایمان کی علامت ہے تو کیا "حب المھاجرین" علامت ایمان نہیں؟

جواب:

مہاجرین کا مسئلہ تو واضح تھا کہ ان کی محبت ایمان کی علامت ہے کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تھے دوسرے سب سے زیادہ قربانیاں مہاجرین نے ہی دیں، گھر بار چھوڑا، البتہ انصار کے بارے میں شبہ ہوتا تھا کہ کیونکہ آپ کے نسب سے نہیں تھے اس لئے ان کو ذکر کر دیا مہاجرین کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ابن بطالؒ کا قول:

انصار سے محبت اس لئے ضروری ہے کہ ارشاد ہے: **قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم ....** (البقرۃ) تو انصار تو انصار نے آپ کی متابعت کی تو وہ اللہ کے محبوب بن گئے اور اللہ کے محبوب سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے۔ اگر کوئی ذاتی حیثیت سے ان کے ساتھ بغض رکھے تو یہ نفاق نہیں ہے۔

باب (بلا عنوان)

حدثنا ابو الیمان ....ان عبادۃ بن الصامت (وکان شھد بدراً وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال و حولہ عابۃ من اصحابۃ بایعونی علی ان لاتشرکوا باللّٰہ شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا .....الحدیث

پہلی بحث:

امام بخاریؒ چند مقامات پر باب بلاعنون لائے ہیں ان کے متعلق کئی توجیہات ہیں:

(۱) یہ مصنفؒ سے سہو ہے۔

(۲) یہ راوی سے سہو ہے۔

(۳) کاتب سے سہواً رہ گیا۔

(۴) ابن حجر کا قول ہے کہ مصنف نے قصداً بیاض چھوڑا ہے بعد میں مناسب عنوان

لکھنے کا ارادہ تھا لیکن موقع نہ مل سکا۔

(۵) شاہ ولی اللہؒ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ کا یہ باب ''ح'' تحویل کے معنی میں ہے۔ لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے الابواب والتراجم میں لکھا ہے کہ یہ قاعدہ صرف ایک مقام پر تو چل سکتا ہے دوسرے مقامات پر نہیں چل سکتا۔

(۶) تکثیر طرق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی حدیث کی سندیں بہت ہوتی ہیں اور الفاظ مختلف ہوتے ہیں تو اس حدیث کو دوسرے طرق سے لانے کیلئے باب بلاعنوان باندھتے ہیں۔

(۷) تکثیر فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حدیث میں کئی فوائد ہوتے ہیں، چند مضامین ہوتے ہیں اگر ایک عنوان قائم کیا جائے تو اس کی طرف ذہن مرکوز ہوگا اور دیگر عنوان سے مستفید نہیں ہوگا لہٰذا بلاعنوان چھوڑ دیا۔

(۸) حضرت شیخ الہندؒ کا قول ہے کہ اس سے تشحیذ الاذھان مقصود ہے کہ ذہن تیز ہو جائے، اب تم خود مناسب عنوان تلاش کرو مثلاً حضرت شیخ الحدیثؒ نے ابواب والتراجم میں لکھا ہے یہاں باب "الاجتناب عن الکبائر من الایمان" یا البیعة علی الاجتناب عن الکبائر من الایمان مناسب ہے۔

(۹) یہ عموماً کالفصل من باب السابق ہوتا ہے یعنی یہ مضمون بابِ سابق سے منسلک ہوتا ہے مثلاً یہاں پہلے باب علامة الایمان حب الانصار ہے تو یہاں یہ بیان ہے کہ انصار کے انصار ہونے کی کیا وجہ ہے؟ یا یہ کہ انصار کی محبت علامة ایمان کیوں ہے؟ اس کی تصریح علامہ کرمانیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے کی ہے۔

(۱۰) گذشتہ باب پر وارد اشکال کا جواب مقصود ہے۔

دوسری بحث:

وکان شھد بدراً وھو احد النقباء لیلة العقبة......

یہ دو جملہ معترضہ بطور تعارف لائے ہیں عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کیلئے۔ شہود بدر اس لئے کہ بدر قربانی دینے کا پہلا موقع تھا لہٰذا اس میں شرکت کرنے والوں کی قرآن

وحدیث میں بہت تعریف ہے مثلاً حدیث "لعل اللّٰہ اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم"

دوسرا جملہ وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ اس کو سمجھنے کیلئے تمہید کی ضرورت ہے۔

مدینہ (یثرب) میں پہلے یہود آباد تھے اور پھر اوس وخزرج بھی آباد ہو گئے یہ دونوں بھائی تھے یمن میں سیلاب کے باعث یہ مدینہ آ گئے اور یہود کے سردار نے یہ اعلان کیا کہ مدینہ میں جو بھی لڑکی بیاہی جائے گی وہ پہلے میرے شبستان میں آئے گی اس دوران انصار کے ایک سردار مالک بن عجلان کی بہن کی شادی تھی تو جب یہ لڑکی یہودی کی خلوت گاہ میں گئی تو اس وقت مالک بن عجلان نے اس کو قتل کر دیا اور شام کی طرف بھاگ گیا تو شاہ شام نے اس کی مدد کی اور یہود کے رؤساء کو دھوکے سے بلا کر ان کو قتل کر دیا اب یہود کا زور ٹوٹ گیا اور انصار زور پکڑ گئے۔ اس دوران جب یہود کی جنگ انصار سے ہوتی تو یہود کہتے کہ عنقریب نبی آخر الزمان کا ظہور ہوگا ہم ان کی معیت میں تم پر غالب ہونگے اس وقت سے انصار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرنے لگے نبوت کے گیارہویں سال جب وہ مکہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ان کو دعوت اسلام دی انصار نے یہود پر سبقت لے جانے کے ارادے سے وہیں اسلام قبول کر لیا اور اپنے وطن لوٹ کر خفیہ دعوت چلاتے رہے۔ اگلے سال بارہ آدمی مسلمان ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے بیعت عقبۂ اولیٰ کہتے ہیں اس سے اگلے سال ۷۰ آدمی مسلمان ہوئے اور یہ بیعت عقبۂ ثانیہ ہے اس وقت انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت ہجرت دی اس بیعت میں حضرت عباس بھی موجود تھے جو تا حال غیر مسلم تھے انہوں نے انصار سے کہا کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی دعوت دے رہے ہو لیکن اس پر پورا عرب تمہارا مخالف ہوگا کیا تم اس کیلئے تیار ہو کہ حضور کی ہر طرح سے حفاظت کرو گے انصار نے نصرت کا اقرار کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے اشارے سے بارہ نقیب مقرر کئے اور عبادہ بن الصامت ان ہی نقباء میں سے تھے۔

بایعونی علی ان لا تشرکوا......

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے متعدد بار بیعات لی ہیں مثلاً بیعت علی

الاسلام، بیعت علی الجہاداور بیعت علی بعض الاعمال یہ بیعت احسان وسلوک کہلاتی ہے اور بیعت علی الموت بھی لی ہے۔

یہ بیعت کونسی تھی؟

قاضی عیاضؒ، امام نوویؒ، امام قرطبیؒ اور علامہ عینیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت لیلۃ العقبہ ہے۔ جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے ان حضرات کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ وھو احد النقباء صرف تعارف کیلئے ہے اس سے لازم نہیں یہ بیعت عقبہ ہو۔ بلکہ یہ لیلۃ العقبہ کی شکل کی کوئی اور بیعت ہے جو ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اپنے اپنے موقف کو مدلل بیان کیا ہے۔

لاتقتلوا اولادکم......

عرب کا دستور تھا کہ وہ اولاد کو قتل کردیتے تھے بچیوں کو عار کی وجہ سے قتل کرتے تھے جیسے ارشاد ہے "واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودًا وھو کظیم" اور ایسے ہی اولاد کو کبھی تنگی اور املاق کی وجہ سے قتل کردیتے تھے جس سے نہی ہوئی "نحن نرزقھم وایاکم" اور کبھی اس خوف سے قتل کرتے کہ ہم تو گزارا کرلیں گے لیکن ہمارے بعد ان کا کیا حال ہوگا تو اس بارے میں ارشاد ہوا کہ "نحن نرزقھم وایاکم"

ولا تأتون ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم......

ترجمہ:

اور تم ایسا بہتان مت تراشو جس کو اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان گھڑتے ہو، بہتان وہ جھوٹ کہلاتا ہے جو سامع کو مبہوت کردے۔

ایدی وارجل کا معنی:

(۱) تہمت زنا لگانا یعنی مابین الایدی والارجل سے مراد قلب ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے دلوں میں گھڑ کر کسی پر بہتان مت لگاؤ (۲) مواجہۃً تہمت لگانا۔

ولا تعصوا فی معروف......

اور معروف چیز میں نافرمانی سے بچو، حضور کا فرمان تو معروف ہی ہوا کرتا ہے لیکن یہ

ارشاد اس قاعدہ کلیہ کے مطابق ہے کہ "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" معروف سے مراد یا طاعات ہیں یا بر وتقویٰ، معروف مشہور کے معنی میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معروف وہ ہے کہ مالم ینه الشارع عنه.

فمن وفی منکم فاجره علی اللّٰه ومن اصاب من ذلك شیئاً فعوقب فهو کفارة له......

یعنی جو شخص تم میں سے اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اپنے وعدوں اور عہود کا ایفاء کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو آدمی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے گا اور پھر اس کو دنیا میں سزا دی گئی تو یہ سزا اس کیلئے کفارہ ہوگی۔

اختلافی مسئلہ:

حدود کفارات ہیں یا زواجر؟

شوافع کے ہاں حدود کفارات ہیں یعنی اجراء حد سے وہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جس پر حد جاری کی گئی ہے اور احناف کے ہاں زواجر ہیں۔ یعنی حدود انتظام دنیا کو درست رکھنے کیلئے مشروع ہوئی ہیں اور جس فعل میں حد جاری ہوگئی وہ عنداللہ معاف نہ ہوگا، اس کی معافی کیلئے دوسرے کبائر کی طرح توبہ کی ضرورت ہے۔ لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اب تک اس باب میں احناف کا مسلک واضح نہیں ہو سکا، احناف کا مذہب زواجر کے بارے میں متاخرین نے نقل کیا ہے لیکن متقدمین سے یہ قول منقول نہیں ہے بلکہ ہدایہ میں تو ساتر اور زواجر کے قول موجود ہے۔

شاہ صاحبؒ کا قول فیصل:

حدود کی تین صورتیں ہیں (۱) آدمی سزا ملنے کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرے اور سزا کے بعد گناہ سے بالکل مجتنب رہے تو اس کیلئے یہ حد سب کے ہاں کفارہ ہے (۲) آدمی توبہ نہ کرے لیکن سزا کے بعد گناہ سے مجتنب رہے تو یہ حد بھی سب کے ہاں کفارہ ہے (۳) آدمی سزا کے بعد بھی گناہ میں لگا رہے تو یہ حد احناف کے ہاں زجر ہے کفارہ نہیں۔

شوافع کی دلیل:

فرماتے ہیں کہ باب کی حدیث شوافع اور محدثین کی دلیل ہے۔

احناف کی دلیل:

(۱) جزاءً بما کسب نکالاً من اللہ (۲) وہ آیات جن میں حدود کے بعد بھی توبہ کا ذکر ہے جیسے ذلك لهم خزى فى الحيوة الدنيا ولهم فى الأخرة عذاب شديد اور الا الذين تابوا وغيرها من الأيات (۳) حدیث پاک کہ "ما ادری حدود کفارات ام لا؟"

بابٌ من الدين الفرار من الفتن

حدثنا عبد الله بن مسلمة .... عن أبى سعيد ن الخدرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن.

ترجمہ: وہ زمانہ قریب ہے کہ جب مسلمان کا بہتر مال بکریاں ہوں گی جن کو لیکر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات میں اپنا دین فتنوں سے بچائے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجرؒ اور دیگر شراح کے ہاں اس سے مقصد مرجیۂ کا رد ہے کہ اگر معصیت مضر نہیں ہے تو فتن سے بھاگنے کا کیا معنیٰ؟ کیونکہ فتنے تو معصیات ہیں اور اعمال صالحہ سے بچانے کیلئے ان سے بھاگنے کا حکم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال سیئہ مضر ہیں۔

(۲) حصر فی الخمس کا ابہام رفع کرنا ہے (۳) شعب الایمان میں ایک شعبے کا بیان ہے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ابواب میں امور ایجابیہ کا ذکر تھا اور اب امر سلبی کا بیان ہے۔

طریقۂ کار میں تبدیلی:

اس سے پہلے ابواب میں من الاسلام کے الفاظ ہیں لیکن یہاں من الدین کا لفظ

لائے ہیں کیونکہ امام بخاریؒ کے ہاں ایمان، اسلام اور دین سب الفاظ مترادفہ ہیں۔

اشکال:

ترجمۃ الباب اور حدیث باب میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ وہاں من الدین الفرار ہے اور حدیث میں یفر بدینہ ہے یعنی دین کولیکر بھاگے گا۔ اس اشکال کو امام نوویؒ نے نقل کیا ہے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں (۱) یہ اشکال تب درست ہے جب ہم من الدین میں ''من'' کو تبعیضیہ یا جنسیہ مان لیں لیکن اگر من ابتدائیہ ہو تو پھر مناسبت واضح ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اس فرار کا منشاء فتنے ہونگے اور یہی ترجمہ حدیث میں ہوگا۔

(۲) سید فخر الدینؒ فرماتے ہیں کہ من تبعیضیہ ہی مراد لیں لیکن ایمان دو چیزوں کا نام ہے (۱) تصدیق قلبی (۲) اعمال صالحہ تو فتنوں سے عموماً تصدیق متاثر نہیں ہوتی لیکن قوت عملی متاثر ہوتی ہے تو وہ شخص اسی عمل کی حفاظت کیلئے بھاگتا ہے۔ یعنی یفر بدینہ ای بعملہ

فتنے سے مراد کیا ہے؟

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ فتنے عام ہیں چاہے اعتقادی ہوں یا مال واولاد ہوں یا غلبۂ معاصی ہوں۔ علی العموم اس کا اطلاق ہوگا۔ یعنی دینی امور کی مخالفت عام ہو جائے اور دین کی حفاظت مشکل ہو جائے تو کمزوروں کو اجازت ہے کہ وہ حفاظتِ دین کی خاطر نکل بھاگیں۔

فتنہ کی تعریف:

وھی التی لایعلم خیرھا من شرھا.

کثرت معاصی کی صورت میں خلوت افضل ہے یا اختلاط وجلوت؟

امام نوویؒ امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ کثرت معاصی کے وقت اختلاط اولیٰ ہے اور باقی ائمہ کے ہاں فرار اولیٰ ہے۔ لیکن بعض محدثین نے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں (۱) وہ لوگ جو فتنے کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور اپنی پختگی کی وجہ سے فتن سے متاثر ہونے کا خدشہ نہ ہو تو ان کیلئے اختلاط اولیٰ ہے (۲) وہ لوگ جو فتن کے روکنے پر

قدرت نہ رکھتے ہوں یا خود متأثر ہونے کا خدشہ ہوتو ان کیلئے خلوت اولیٰ ہے۔ یہ خلوت جب ہوگی جب معاشرے میں ایسا فرد موجود نہ رہے جس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اثر نہ ہوتا ہو بصورت دیگر فرار جائز نہیں۔ حدیث سے ثابت ہے کہ یہ صورت بالکل آخری زمانہ میں ہوگی۔

شَعَفٌ...... یہ جمع ہے شعفة کی بمعنی پہاڑ کی چوٹی

مواقع القطر......

وہ مقامات جہاں بارش زیادہ ہوتی ہو۔ جیسے وادیاں، اور جنگلات وغیرہ۔

خیر مال المسلم غنم...... صرف بکری کی تخصیص مراد نہیں بلکہ ہر وہ مال جو قلیل المؤنۃ اور خفیف الحمل ہو مراد ہے۔

غنم کی تخصیص بالذکر کی وجوہ:

(۱) سہل الانقیاد ہونا (۲) اس کے چرانے سے راعی میں مسکنت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ مسکین جانور ہے اس لئے تو ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ (۳) اس کی نسل بھی زیادہ ہوتی ہے۔

باب (بلا عنوان)

قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللّٰہ وان المعرفۃ فعل القلب ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم.

حدثنا محمد بن سلام.................. عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا امرھم من الاعمال بمایطیقون قالو انّا لسنا کَھَیْأَتِکَ یا رسول اللّٰہ ان اللّٰہ قد غفر لک ماتقدم من ذنبک وما تأخر فیغضب حتٰی یعرف الغضب فی وجھہ......ان اتقاکم واعلمکم باللّٰہ انا. الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں (۱) انا اعلمکم باللّٰہ اس سے مرجیۂ کا رد کرنا مقصد ہے (۲) ان المعرفۃ فعل القلب اس سے کرامیہ کا رد کرنا مقصود ہے جو ایمان کو اقرار باللسان

سے تعبیر کرتے ہیں اس تفصیل کو بصورت اشکال مع جواب اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ

اشکال:

اس باب کی مناسبت کتاب الایمان سے نہیں ہے بلکہ اس کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہئے؟

جواب جزء نمبرا:

حدیث میں انا اعلمکم باللہ سے اشارہ ہے کہ میں ذات باری تعالیٰ واوصافہ کا تم سب سے زیادہ عالم ہوں تو تفاوت فی العلم ثابت ہوا اور اس سے تفاوت فی العمل خود ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ عمل علم کا نتیجہ ہے اور تفاوت فی العمل سے تفاوت فی الثمرہ ثابت ہوتا ہے لہذا عمل کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

جواب جزء۲:

یہ کرامیہ پر رد ہے اس طرح کہ ایمان صرف اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ تصدیق قلبی اور معرفت قلبی بھی ضروری ہے اور معرفت قلب کا عمل ہے اور قلب کیلئے عمل قرآن سے ثابت کیا۔

ماقبل سے ربط:

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل باب میں صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادت فی العبادۃ طلب کی تھی اور کی وجہ ظاہر ہے کہ انہیں حلاوتِ ایمان حاصل ہو چکی تھی۔ اس باب میں حلاوت اور اس کے اسباب کا بیان ہے۔

اشکال:

باب میں ایمان کا ذکر ہے اور ذکر کردہ آیات میں ایمان کا ذکر ہے۔

جواب:

(از علامہ کشمیریؒ) آیت سے صرف قلب کا فعل ثابت کرنا مراد ہے پھر اس کے بعد معرفت کو قلب کا فعل ثابت کرنا ہے آیت کریمہ کو اس لئے نہیں لائے کہ معرفت فعل القلب ہے۔

حدیث کا واقعہ:

یہ حدیث مختصر ہے واقعہ اس طرح تھا کہ تین صحابی آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کا عمل مبارک دریافت کرنے لگے جب ان کو بتایا تو کأنھم تقالوا انہوں نے کم سمجھا اور کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے ہیں تو وہ مغفور ہیں ہمیں زیادہ عمل کرنا چاہئے۔ ایک نے کہا کہ میں ساری عمر رات میں نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں تمام عمر شادی نہیں کروں گا اسی اثناء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کے جوابات سن کر غصہ ہو گئے پھر فرمایا "ان اتقاکم واعلمکم باللّٰہ انا" اور فرمایا کہ وہ عمل اختیار کرو جو نبھا سکو اگرچہ قلیل ہو۔

امرھم من الاعمال بما یطیقون.........

جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو اشق کو اپنے لئے اور اخف (آسان) کو امت کیلئے منتخب فرماتے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ شفقت علی الامہ اور شق علی النفس کرنا نبوت کا خاصہ ہے جیسے تہجد اور وضو لکل صلوٰۃ کے مسائل میں اشق اور اسہل کا فرق ہے۔

ان اللّٰہ قد غفر لك ماتقدم من ذنبك......

مسئلہ عصمتِ انبیاء:

انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ کفر اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور بقول اکثر اہل سنت والجماعت صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں خصوصاً وہ صغائر جو خست اور رذالت پر دال ہوں۔

ذنب...... ایک معاصی ہے جو سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے لیکن یہاں ذنب سے مراد وہ باتیں ہیں جو حضور کی شان سے کم ہوں یعنی حسنات الابرار سیئات المقربین کے تحت ذنب کہا۔

(ان اللّٰہ قد غفر لك من ذنبك) اس میں ذنب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف کی گئی ہے اس سے مراد (۱) بعض کے ہاں امت کے ذنوب ہیں (۲) آپ کی طرف ہی نسبت ہے لیکن وہی ذنب مراد ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ آپ کی شان کے خلاف امور کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

باب من كره ان يعود فى الكفر كما يكره ان يلقٰى فى النار من الايمان

حدثناسليمان حرب .... عن أنس رضى الله عنه عن النبىّ صلى الله عليه وسلم قال ثلث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احبّ اليه مما سواهما، ومن احبّ عبداً لايحبه الا لِلّٰه ومن يكره ان يعود فى الكفر بعد اذ انقذه الله كما يكره ان يلقٰى فى النار

ترجمۃ الباب کا مقصد:

عام شارحین کا قول یہ ہے کہ اس سے مرجیۂ پر رد مقصود ہے کیونکہ حدیث میں مذکور امور ثلاثہ طاعات ہیں اور ان کا فائدہ حلاوت ایمان کا پانا ہے تو معلوم ہوا کہ طاعات مفید ہیں اور معاصی مضر ہیں۔

اشکال:

اس ترجمۃ الباب کی مناسبت کتاب الایمان سے نہیں ہے بلکہ ضد ایمان یعنی کفر سے ہے؟

جواب:

امام بخاریؒ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اضداد کو ذکر کرتے ہیں اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ بضدها تتبيّن الاشياء

اشکال:

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ وہ تکرار نہیں کریں گے لیکن یہاں تکرار کی ہے کیونکہ یہ حدیث باب حلاوۃ الایمان میں گزر چکی ہے؟

جواب:

اس حدیث میں اور گزشتہ حدیث میں فرق ہے۔ (۱) اختلاف رواۃ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام رواۃ مختلف ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ اختلاف رواۃ سے حدیث مختلف ہو جاتی ہے (۲) الفاظ دونوں کے مختلف ہیں وہاں پر ان یکون اللّٰہ، وان یحب المرء اور یکرہ کے الفاظ ہیں جبکہ اس حدیث میں من کان اللّٰہ، ومن یکرہ کے الفاظ ہیں (۳) پچھلی حدیث میں بعد اذ انقذہ اللّٰہ نہیں ہے (۴) وہاں پر ان یقذف فی النار ہے اور یہاں پر ان یلقی فی النار ہے۔ عام مسلمان پہلے کافر تھے اس اعتبار سے اذ انقذہ اللّٰہ فرمایا۔

باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال

حدثنا اسماعیل .... عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم یقول اللّٰہ اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان وقال وهیب حدثنا عمرو الحیاه وقال خردل من خیر.

حدثنا محمد بن عبد اللّٰہ .... عن ابی امامة بن سهل بن حنیف سمع ابا سعید الخدری یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بینا انا نائم...... الحدیث.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) یہ رد علی المرجیۃ ہے کیونکہ جب فضیلت کا مدار اعمال پر ہے تو اعمال کا مفید ہونا ثابت ہوا۔

(۲) حضرت گنگوہیؒ کا قول ہے کہ اس سے خوارج ومعتزلہ پر رد ہے کیونکہ گذشتہ ابواب میں عمل کی اہمیت کو ثابت کیا تو خوارج کی تائید کا شبہ ہوا تو اس باب سے خوارج پر رد کیا اس طرح کہ گناہوں کے سبب لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور پھر نکالے جائیں گے حالانکہ خوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوگا۔

(۳) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اعمال کو ایمان کے اندر داخل کرنا مقصد ہے کیونکہ فی

الاعمال میں ''فی'' ظرفیہ اور سببیہ دونوں ہوسکتا ہے تو اگر سببیہ مانیں گے تو معنی ہوگا کہ عمل کے سبب اہل ایمان ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

(۴) زیادت ونقصان کا ثبوت دینا مقصد ہے کہ ایمان اعمال سے گھٹتا اور بڑھتا ہے اب یہ زیادت یا تو نفس تصدیق میں ہوگی یا باعتبار اعمال کے زیادت ہوگی تو بتادیا کہ زیادت فی الاعمال مراد ہے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ بعینہٖ یہی قول احناف اور متکلمین کا بھی ہے۔

اشکال:

یہ دعویٰ کہ الایمان یزید وینقص تو پہلے کتاب الایمان میں کیا تھا اب دوبارہ، یہ تو تکرار ہے۔

جواب:

(۱) اولاً ترجمہ جامعہ تھا اور اس میں اجمال تھا اور اب اس کی تفصیل ہے۔

(۲) وہاں یہ شبہ بھی ہوسکتا تھا کہ زیادۃ فی التصدیق مراد ہو۔ تو اب اس کی تفصیل بیان کی کہ زیادت فی الاعمال مراد ہے۔

اشکال:

یہاں پر ترجمۃ الباب اور آگے زیادۃ الایمان ونقصانہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:

(۱) امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی دعویٰ کو ثابت کرتے ہیں تو اس کیلئے مختلف عنوانات قائم کرتے ہیں تا کہ تاکید حاصل ہوجائے یہاں بھی زیادت ونقصان ایمان کیلئے مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں۔

(۲) اس باب میں زیادت ونقصان کا ثبوت اعمال کے اعتبار سے ہے اور اگلے باب میں نفس تصدیق کی زیادت کا ثبوت ہے۔

(۳) یہاں پر مؤمن بہ کے اعتبار سے زیادت کا بیان ہے اور آگے نفس تصدیق کی زیادت کا بیان ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں من خردل من ایمان ہے اور آگے باب میں برّة من خیر ہے اور خیر عمل ہے تو اس حدیث مذکور کو وہاں ذکر کرنا مناسب تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت یہاں مناسب تھی۔

جواب:

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اجمال ہے۔ کتاب التوحید میں امام بخاریؒ اور اسی طرح امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں بعینہٖ یہی روایت مفصل ذکر کی ہے جس میں اعمال کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث یہاں مناسب ہے۔

فائدہ:

اس باب کی دوسری حدیث میں اشکال ہے قمیص کی دین کے ساتھ کیوں تعبیر دی؟

جواب یہ ہے کہ قرآن سے اقتباس کر کے کیونکہ وہاں ارشاد ہے ولباس التقوٰی ذٰلك خیر.

اشکال:

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل ہیں جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل ہیں؟

جواب:

(۱) اس حدیث میں حضرت ابوبکر مسکوت عنہ ہیں گویا وہ اس خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے ہی نہیں گئے۔

(۲) یہ جزوی فضیلت ہے لیکن کلی فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور جزوی فضیلت مفضول کو حاصل ہو سکتی ہے اور اس میں منافات نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اس قدر مکمل تھا کہ عرض کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور اسی جواب کو علامہ عینیؒ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

حبة..........

فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔اس معنی جنگلی بیج کے ہیں۔

باب الحیاء من الایمان

حدثنا عبداللّٰه بن یوسف........ عن سالم بن عبداللّٰه عن ابیه انّ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مر علی رجل من الانصار وھو یعظ اخاہ فی الحیاء فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دعه فان الحیاء من الایمان.

ماقبل سے ربط:

اس سے پہلے باب میں تفاضل ایمان فی الاعمال کا بیان تھا اس باب میں اس چیز کو بیان کیا جارہا ہے جس سے ایمان کے اندر زیادتی پیدا ہوتی ہے اور وہ حیاء ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حسب سابق رد علی المرجیۂ ہے کیونکہ حیاء ایک عمل ہے اور اس کو ایمان کا جز قرار دیا ہے لہٰذا اعمال کی اہمیت ثابت ہوئی۔

(۲) یہ بتانا مقصود ہے کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں تو اس سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوتی ہے اور ترکیب سے زیادت ونقصان ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہر مرکب چیز قابل للزیادۃ والنقصان ہوتی ہے۔

(۳) شعب الایمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے۔

مر علی رجل من الانصار وھو یعظ اخاہ......

عبارت کی تشریح میں چند باتیں ہیں:

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کافی تتبع اور تلاش کے بعد بھی اس رجل انصاری اور اس کے اخ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) بعض روایات میں یعظ اخاہ کے بجائے یعاتب اخاہ ہے اور امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں کچھ اضافہ نقل کیا ہے کہ یعاتب اخاہ کانه یقول قد اضرّك الحیاء کیونکہ حیاء کی وجہ سے انسان بسا اوقات اپنا حق بھی وصول نہیں کرپاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء ایمان سے ہے اور حیاء کی وجہ سے جو اجر ملتا ہے وہ اس نقصان سے بہتر

ہے۔

(۳) جس طرح ایمان معاصی سے مانع ہے اسی طرح حیاء بھی معاصی سے مانع ہے۔

(۴) حیاء کی تعریف امام اصفہانیؒ نے اس طرح فرمائی ہے "ھو انقباض النفس عن القبیح" اور حیاء جبن اور عفت سے مرکب ہے کیونکہ کبھی ملامت کے خوف سے حیاء ہوتی ہے اور کبھی عفت کی وجہ سے۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بزدل بہت کم فاسق ہوتا ہے اور جرأت مند بہت کم حیاء دار ہوتا ہے۔ دوسری تعریف حیاء کی یہ کی گئی ہے: الحیاء حالة تتولد من رؤية الآلآء ورؤية التقصير

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حیاء کے اوپر اگر باعث شرع ہو تو یہ حیاء شرعی ہے اگر باعث عقل ہو تو حیاء عقلی ہے اور اگر باعث عرف ہو تو حیاء عرفی کہلائے گی۔

حیاء کی مخالفت کا حکم:

حیاء شرعی کی مخالفت کرنے والا فاسق ہوتا ہے، حیاء عقلی کی مخالفت کرنے والا مجنون اور حیاء عرفی کی مخالفت کرنے والا ابلہ ہوتا ہے۔

باب فان تابوا واقاموا الصلٰوة واتووا الزكٰوة فخلوا سبيلهم الاية

عن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أُمرت ان اقاتل الناس حتّٰى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ويقيموا الصلٰوة ويؤتوا الزكٰوة فإذا فعلوا ذٰلك عصموا منّى دمائهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله. الحديث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) رد علی المرجیۂ ہے وہ اس طرح کہ حدیث میں عصمت اموال اور عصمت جان کیلئے شہادتین، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کو موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا جب دنیا میں اعمال کی وجہ سے جان و مال محفوظ ہیں تو آخرت میں بھی اعمال صالحہ کی وجہ سے جان عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگی (۲) حسب سابق جزئیت ایمان، ترکیب اعمال اور زیادت ونقصان کو

ثابت کرنا مقصد ہے۔

اشکال:

اس حدیث کی صحت پر علامہ ابن حجرؒ نے اشکال نقل کیا ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود ہوتی تو وہ حضرت عمر کو ضرور بتاتے جبکہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے درمیان منکرین زکوٰۃ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے؟

واقعہ کی تفصیل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کے کئی طبقے ہو گئے تھے (۱) اکثر لوگ تو اسلام پر قائم رہے (۲) دوسرا طبقہ منکرین زکوٰۃ کا تھا اس میں بھی دو گروہ تھے ایک وہ تھے جو مطلقاً زکوٰۃ کے منکر تھے (۳) دوم وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ زکوٰۃ لینا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا اب ہم سے حکومت نہیں لے سکتی ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں گے دیں گے۔ وہ استدلال کرتے تھے آیت "خذمن اموالهم صدقة تطهرهم" سے یہ خطاب آپ کو ہے۔ (۴) چوتھا طبقہ وہ تھا جو کافر ہو گئے تھے ان میں پھر دو گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ گئے دوسرے وہ جنہوں نے جھوٹے مدعیان نبوت کی پیروی کی جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ

تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مرتدین سے قتال کے بارے میں اتفاق تھا البتہ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں اختلاف رائے تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو قتال کا ارادہ رکھتے تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "كيف تقاتل الناس وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أُمرت ان أُقاتل الناس حتى يشهدوا ان لااله الا الله ويقيموا الصلوٰة ويؤتوا الزكوٰة فان فعلو ذلك عصموا منى اموالهم ودمائهم" تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ "والله لاقاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰة" آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے تو اگر یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے بیان کر لیتے تو سرے

سے اختلاف ہی پیش نہ آتا۔

جواب:

(۱) اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث مستحضر نہیں تھی (۲) اس مجلس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما موجود نہیں تھے (۳) ممکن ہے بعد میں سنادی ہو۔

امرت ان اقاتل الناس ......

اُمـرت فعل مجہول ہے اور امر متعین ہے کیونکہ پیغمبر جب بھی اُمرت کہے تو امر اللہ تعالیٰ ہوں گے اور جب صحابی کہے تو پھر امر نبی متعین ہے اور جب تابعی کہے تو صحابی ہونا ضروری نہیں ہے۔

اشکال:

حدیث میں انتہاء قتال ایمان، اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ ہے جبکہ قرآن کریم میں ذمی (جزیہ دینے والا) اور معاہد سے قتال کو منع کیا گیا ہے۔

جواب:

(۱) اس حدیث کا عمومی حکم جزیہ اور معاہد کے حکم سے منسوخ ہے۔
(۲) یہ عام مخصوص منہ البعض ہے یعنی معاہد اور ذمی اس کے خاص ہیں۔
(۳) الناس عام ہے لیکن اس سے خاص لوگ (مشرکین) مراد ہیں۔

قبول جزیہ کی تفصیل:

(۱) حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں ہر اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا چاہے عربی ہو یا عجمی (۲) امام مالک کے ہاں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا البتہ مرتد سے نہیں لیا جائے گا۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عرب میں صرف اہل کتاب سے اور عجمیوں میں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا چاہے مشرک ہو یا اہل کتاب البتہ عرب میں مشرکین سے نہیں لیا جائے گا۔

حتّٰی یشھدوا ...... اس سے مراد حتّٰی یذعنوا ہے کہ اسلام قبول کرلیں اور یہ قبول یا تو حالاً ہوگا یا مالاً ہوگا حالاً تو لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور مالاً جزیہ دینا ہے کہ آہستہ آہستہ اسلام

سے مانوس ہوگا تو قبول کر لیگا۔

شہادتین سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے راستے کی رکاوٹ ہٹ جائے اور یہ رکاوٹ ہٹنا اسلام لانے سے ہوگا اور اسی طرح جزیہ ادا کرنے سے بھی یہ رکاوٹ ہٹ جاتی ہے۔

تارک صلوٰۃ کا حکم:

ترک صلوٰۃ کی کئی قسمیں اور صورتیں ہیں: (۱) تارک منکر کہ نماز کی فرضیت کا منکر ہو یہ بالاتفاق کافر ہے اور مباح الدم ہے

(۲) نماز بھول جائے یا نماز کے وقت سو جائے اس صورت میں بالاتفاق کافر نہ ہوگا اور نہ گنہگار۔

دلیل: (۱) حدیث میں ہے "من نام عن صلوته او نسيها فليصلها اذا ذكرها (۲) رفع القلم عن ثلث اس میں عن النائم حتّٰى استيقظ (۳) استخفافاً ترک کرنا یہ بھی اکثر کے ہاں کفر ہے کیونکہ کتب عقائد میں ہے کہ استخفاف الفرائض کفر ہے۔ (۴) تساہل یا تکاسل کی وجہ سے ترک کرنا اس میں اختلاف ہے جو یہ ہے:

امام احمد بن حنبلؒ اور بعض محدثین کے ہاں تارک صلوٰۃ عمداً مرتد ہے اور بوجہ ارتداد کے قتل کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ہاں بھی تارک صلوٰۃ کا حکم قتل کا ہے لیکن ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ترک صلوٰۃ کی سزا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ان ہاں تارک الصلوٰۃ کو قید کیا جائے گا اور مارا جائے گا حتی کہ خون آلود ہو جائے ويحبس حتّٰى يموت او يتوب۔

اور اہل ظواہر کے ہاں تارک صلوٰۃ کو دس کوڑے ماریں جائیں گے پھر اس سے نماز پڑھنے اور توبہ کا مطالبہ ہوگا اگر انکار کرے تو پھر دس کوڑے ماریں جائیں گے ھلم جراً یہ سزا نماز کا وقت ختم ہونے تک ہوگی وقت ختم ہونے تک اس نماز کی سزا ختم ہو جائے گی پھر اگلی نماز کا مطالبہ ہوگا اور انکار پر سزا ہوگی لیکن طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک سزا موقوف رہے گی کیونکہ اس وقت کوئی نماز فرض نہیں ہے اور اسی طرح نصف لیل یا ثلث لیل سے طلوع

فجر تک بھی سزا موقوف رہے گی اگر اس سزا سے خود بخود مر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جائے گا۔

تارک صلوٰۃ کو مرتد کہنے کی دلائل:

(۱) ان العهد الذی بیننا وبینهم الصلوة فمن ترکها فقد کفر (۲) انما بین الرجل وبین الکفر والشرك ترك الصلوة (۳) فمن ترکها متعمدا فقد برئت منه الذمة

جمہور کی تاویلات:

(۱) یہ احادیث مستحل پر محمول ہیں یعنی ترک الصلوٰۃ کو جائز سمجھنے والا بالاتفاق کافر ہے۔

(۲) کفر کا استعمال کفران نعمت کیلئے ہے کہ نعمت خداوندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ نماز پڑھتا لیکن یہ نماز نہ پڑھ کر کفران نعمت کر رہا ہے۔

(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا فقد فعل فعل الکفر

یہ تاویلات اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بات اصول ونصوص سے ثابت ہے کہ ترک الصلوٰۃ گناہ کبیرہ ہے اور ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔

امام شافعیؒ اور امام مالک کے دلائل:

دلیل (۱): ترجمۃ الباب کی حدیث سے کہ حدیث میں عصمت دم اور مال کیلئے حد شہادتین یعنی قبول اسلام، نماز اور زکوٰۃ کو مقرر کیا گیا ہے تو مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے سے خون محفوظ نہیں رہتا۔ (۱) اُمرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا الخ سے اس حدیث سے دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے (۱) یہ امام نوویؒ کی طرف منسوب ہے کہ حدیث میں قتال کا ذکر ہے اور اس سے قتل مراد ہے لیکن یہ نسبت امام نوویؒ کی طرف غلط ہے اور یہ استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ قتال علیحدہ چیز ہے اور قتل علیحدہ چیز ہے امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ "لیس القتال من القتل بسبیل قد یحل قتال الرجل و لا یحل قتله" چنانچہ سترہ کی حدیث میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روک

دو"فان ابى فليقاتله فانما هو الشيطان" لیکن اہل سنت میں کسی کے ہاں بھی اس کو قتل کرنے کا جواز نہیں ہے۔

(۳) لوگوں کی عصمت خون اور مال کیلئے توبہ، نماز اور زکوٰۃ کو موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور ایمان لاکر نماز نہ پڑھنے والے کی عصمت دم باقی نہیں رہے گی اور زکوٰۃ نہ دینے والے کی عصمت مال باقی نہیں رہے گی۔

احناف کا جواب:

یہاں قتال کا حکم ہے اور قتال ہمارے ہاں بھی ہے چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ختنہ ترک کرنے والے قریہ سے قتال کیا جائے گا تو ترک صلوٰۃ کرنے والوں کے ساتھ تو بطریق اولیٰ قتال ہوگا۔

احناف کی دلیل:

حدیث جو سنداً بھی صحیح ہے اور صریح بھی ہے کہ "لايحل دم امرء مسلم يشهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله الا باحدى ثلاث: النفس بالنفس والثيب الزانى والمفارق لدينه تارك الجماعة.

مناظرہ:

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان مناظرہ ہوا امام شافعیؒ نے پوچھا کہ تارک صلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ "ھو کافر" امام شافعیؒ نے پوچھا تو پھر اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر توبہ سے مراد کلمہ پڑھنا ہے تو اس سے تو وہ انکار نہیں کرتا اور اگر توبہ سے مراد نماز پڑھنا ہے تو کافر کی نماز تو قبول نہیں ہوتی۔ فسکت الامام احمد بن حنبل

زندیق کی توبہ کا مسئلہ:

زندیق کی تعریف:

المبطن للكفر والمظهر للاسلام كالمنافق

صاغانیؒ نے نقل کیا ہے کہ زندیق "زن دین" سے معرب ہے یعنی عورتوں جیسا

مذہب رکھنے والا، یہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ دل میں کچھ رکھتی ہیں اور زبان سے کچھ کہتی ہیں۔

زندیق کا حکم:

(۱) امام شافعیؒ اور امام صاحبؒ سے ایک روایت کے مطابق اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول ہوگی (۲) امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ احکام دنیویہ کے اعتبار سے قبول نہیں ہوگی بلکہ قتل کیا جائے گا البتہ اگر توبہ صادقہ ہو تو عنداللہ نافع ہوگی (۳) ایک مرتبہ توبہ قبول ہوگی لیکن دوبارہ زندقہ ثابت ہوجانے پر توبہ قبول نہیں ہوگی (۴) حکومت کے گرفتار کرنے سے پہلے اگر توبہ کرلے تو توبہ قبول ہے ورنہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوگی۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف اقوال اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو ظاہراً مسلمان ہو اور باطن میں کفر کو چھپائے، اور اس کا علم اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس کے کفر پر کچھ شہود مطلع ہوجائیں یا خود اس کا اپنا اقرار ہو۔

قول صحیح:

احکام دنیویہ کے لحاظ سے توبہ قبول نہیں ہوگی بلکہ قتل کیا جائے گا۔

باب فإن تابوا..................

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ''باب'' روایۃً منوّن ہے اور اس صورت میں اصل عبارت کی تقدیر یوں ہوگی "باب فی تفسیر قوله تعالى فان تابوا واقاموا الصلوة الاية

یہ تقدیر نکالنے پر علامہ عینیؒ نے حافظؒ پر اعتراض کیا ہے کہ یہ کتاب التفسیر نہیں کہ تفسیر کیلئے ابواب قائم کریں لیکن جمہور محدثین نے حافظؒ کی بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس سے محض تفسیر مراد نہیں بلکہ مرجیۂ پر رد کرنا بھی مقصود ہے۔

عصموا منی دمائهم الا بحق الاسلام......

مثلاً اگر مسلمان چوری کرے مخصوص مقدار کی اور ثابت ہوجائے تو قطع الید کا حکم ہوگا بحکم اسلام یا شادی شدہ زنا کرے تو قتل کیا جائے گا۔

وحسابھم علی اللّٰہ......

یعنی ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔علیٰ ایجاب کیلئے آتا ہے اور اہل سنت کے ہاں اللہ تعالیٰ پر کوئی شئے واجب نہیں ہے لہٰذا علیٰ بمعنیٰ الیٰ یعنی موکول الی اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر اعمال کی وجہ سے تو ہم مسلمان کے احکام جاری کریں گے لیکن اندرونی ایمان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے لہٰذا یہ حساب اللہ تعالیٰ کی طرف موکول ہے۔

التعلیق الصبیح میں اس مسئلہ سے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں:

خسر الذی ترك الصلوة وخاب　　وأبی معاداً صالحاً ومابا

إن كان يجحدها فحسبك أنه　　أمسى بربك كافراً مرتاباً

أو كان يتركها لنوع تكاسل　　غطّى على وجه الصواب حجاباً

فالشافعیؒ ومالكؒ رأيا لهٗ　　إن لم يتب حد الحسام عقاباً

وأبو حنيفة قال يُترك مرة　　هملاً ويحبس مرة ايجاباً

ويكف عنه القتل طول حياته　　حتّى يلاقى بالحساب مٓاباً

باب من قال انّ الایمان ھو العمل

لقول الله تعالیٰ: تلك الجنة التی أُورثتموھا بما كنتم تعملون☆ وقال عدة من أھل العلم فی قوله تعالیٰ: فَوَرَبِّكَ لنسئلنھم اجمعین عما كانوا یعملون عن قول لا إله الا الله، وقال تعالیٰ لمثل ھذا فلیعمل الغملون

حدثنا احمد بن یونس...... عن ابی ھریرة رضی الله عنه ان رسول الله سئل أیّ العمل افضل؟ قال ایمان بالله ورسوله قیل ثم ماذا؟ قال الجھاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا؟ قال حج مبرور.

ترجمۃ الباب میں عمل سے مراد کیا ہے؟

(۱)علامہ رشید احمد گنگوہیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ہاں عمل سے مراد عمل القلب ہے۔(۲)علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عمل الجوارح ہے(۳)عام شراح کرام فرماتے ہیں کہ عمل عام ہے عمل القلب اور عمل الجوارح سب کو شامل ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

علامہ گنگوہیؒ فرماتے ہیں یہ ایک اشکال کا جواب ہے کیونکہ ابتداء میں امام بخاری نے سلف کا قول نقل کیا ہے کہ الایمان ھو قول وفعل لیکن یہ بداہت کے خلاف ہے کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل سے مراد عمل القلب ہے اور تصدیق بھی عمل القلب ہے لہٰذا اشکال نہیں ہوتا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں اس سے اُن لوگوں پر رد ہے جو ایمان کو فقط قول سے تعبیر کرتے ہیں اس پر رد ہے کہ اقرار کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی بھی ضروری ہے بغیر تصدیق قلبی کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو متعدد بار اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے گویا ایمان اور عمل میں تغایر ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ یہ عطف الخاص علی العام ہے جس کا مقصود استیفاء اور استقصاء ہے۔ مغائرت کی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔

عام شارحین فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے قرآن وحدیث سے استدلال کررہے ہیں دعویٰ یہ تھا کہ "الایمان ھو قول وفعل" تو ثابت کررہے ہیں اعمال ایمان کا جزء ہیں۔

ایک اور رائے یہ ہے کہ اس سے جہمیہ کا رد مقصود ہے کہ ایمان فقط معرفت کا نام نہیں کیونکہ معرفت تو غیر اختیاری بھی ہوتی ہے اس سے تو یہود کو مسلمان ماننا پڑے گا لہٰذا ایمان عمل یعنی معرفت اختیاری کا نام ہے۔

وتلك الجنة التي اورثتموها ....

یہاں اس بات کا بیان ہے کہ جنت کا حصول عمل کے ذریعے ہوگا حالانکہ ظاہر ہے کہ عمل مجرد عن الایمان پر جنت نہیں ملے گی بلکہ قبول عمل کیلئے ایمان شرط ہے تو بمعنی بما کنتم تؤمنون ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل ایک ہی چیز ہے۔

جنت پر وراثت کا اطلاق:

یہاں یہ اشکال ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں جنت پر وراثت کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ وراثت تو مورث کے ترکہ کو کہتے ہیں جو وارث کو مورث کی وفات کے بعد ملتی ہے اور جنت تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ذات واجب الوجود پر فنا اور موت نہیں آتی؟

جواب (۱): یہ اطلاق تشبیہاً ہوا ہے جنت کو وراثت کے ساتھ دو صفت میں مشابہت حاصل ہے (۱) وارث میراث میں تصرف کرنے میں مکمل آزاد ہوتا ہے ایسے مسلمان بھی جنت میں مکمل طور پر تصرف کرنے میں آزاد ہوگا لکم فیها ما تشتهه الانفس (۲) جیسے وراثت وارث کو دواماً ملتی ہے ایسے جنت بھی دواماً ملتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خلدین فیها، لایخرجون منها.

جواب (۲): علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کیلئے ایک گھر جنت میں اور ایک گھر جہنم میں ہوتا ہے تو کفار جب جہنم میں چلے جاتے ہیں تو ان کا گھر مسلمانوں کو میراث میں مل جاتا ہے۔

جواب (۳): یہ اطلاق اس لئے ہوا ہے کہ جس طرح میراث بغیر مشقت کے ملتی ہے جب مورث مر جاتا ہے، لیکن اس کا ترکہ باقی رہتا ہے اسی طرح سے اہل ایمان کا عمل تو ختم ہو گیا لیکن اس کی جزاء اور ثواب جنت کی صورت میں باقی رہے گا۔

جواب (۴): کیونکہ ابو الانس حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے جنت میں تھے لیکن بعد میں نکالے گئے تو جب جنت دوبارہ ان کی اولاد کو ملے گی تو گویا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے اور ان کے بیٹوں کو دی جارہی ہے۔

اشکال:

حدیث اور آیت میں تعارض ہے یہ آیت بخاری کی حدیث سے متعارض ہے وہاں ہے "لن یُدخل احداً عمله الجنة قالوا و لا انت یا رسول اللّٰه؟ فقال و لا انا الا ان یتغمّدنی اللّٰه بفضل ورحمة

جواب (۱) آیت میں باء سببیت کیلئے نہیں بلکہ ملابست کیلئے ہے سببیت میں مسبب

موقوف ہوتا ہے سبب پر جبکہ ملابست میں یہ معنی نہیں ہوتا لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

جواب (۲): باء مقابلہ کیلئے ہے سبب کیلئے نہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال اس لائق نہیں تھے کہ ان کے ذریعے جنت حاصل ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے تمہارے عمل کو قبول کر کے جنت عطا کی۔

جواب (۳): باء سببیت کیلئے ہی ہے لیکن تعملون کا معنی تؤمنون ہے

(دوسری آیت) فوربك لنسئلهم اجمعين عما كانوا يعملون o عن قول لا اله الا الله......

یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی عنہما سے منقول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے ایمان کے متعلق سوال ہوگا لیکن اعمال کے بارے میں اختلاف ہے، جمہور کے ہاں مسلمان سے سوال ہوگا جبکہ کفار سے نہیں ہوگا کیونکہ بغیر ایمان کے عمل معتبر نہیں۔ جبکہ بعض کے ہاں کفار سے بھی سوال ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں ہے "فی جنٰت يتساءلون o عن المجرمين ماسلككم فی سقر قالوا لم نك من المصلين" اور کیونکہ آیت میں تاکید ہے کہ سب سے سوال ہوگا تو یقیناً یہ ایمان کا سوال ہے لہٰذا ایمان پر عمل کا اطلاق ہوا ہے اور یہی امام بخاریؒ کا دعویٰ ہے۔

(تیسری آیت) لمثل هذا فليعمل العملون (الصّٰفّٰت) هذا سے اشارہ ہے فوز عظیم کی طرف اور فوز عظیم صرف عمل مجرد عن الایمان سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عمل مع الایمان سے ملتی ہے لہٰذا معنی ہوگا فلیؤمن المؤمنون احناف کے ہاں بھی یہی قول ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں امام بخاریؒ کے ہاں اطلاق الجزء علی الکل ہے اور احناف کے ہاں اطلاق الفرع علی الاصل ہے۔

ای الاعمال افضل قال الایمان باللہ ورسولہ ...... عمل پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور ایمان پر عمل کا اطلاق ہوتا ہے گویا ایمان اور عمل کے درمیان تلازم ہے۔ حدیث میں افضل الاعمال کا اطلاق ایمان پر ہوا ہے گویا یہ ہے من افضل الاعمال کذا اور اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اشکال:

حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کا ذکر ہے اور پھر حج کا حالانکہ اس کا عکس مناسب تھا کیونکہ حج فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ سے فرض عین مقدم ہوتا ہے۔

جواب:

(۱) فرض کفایہ فرض عین سے افضل ہوتا ہے کیونکہ فرض عین سے صرف اپنی ذمہ داری ساقط ہوتی ہے جبکہ فرض کفایہ سے ساری امت کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲) جہاد کا نفع متعدی ہے جبکہ حج کا نفع اپنے نفس کو ہوتا ہے۔

(۳) حج کی فرضیت بعد میں ہوئی جبکہ جہاد پہلے سے فرض تھا۔

(۴) یہ جواب اس وقت پر محمول ہے جبکہ جہاد فرض عین ہو یعنی کہ جنگ کا زمانہ ہو۔

(۵) حج کی فرضیت مرۃ واحدۃ ہے جبکہ جہاد کی فرضیت متکرر ہے لہٰذا اس کو مقدم کیا۔

حج مبرور...... (۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ حج مبرور کہتے ہیں مقبول حج کو (۲) ای الذی لایخالطه اثم (۳) وقیل الذی لا ریاء فیه۔

باب إذا لم يكن الاسلام على الحقيقة وكان على الاستسلام والخوف من القتل

لقوله تعالى: قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا الأية. وإذا كان على الحقيقة فهو على قوله جل ذكره: ان الدين عند الله الاسلام الأية.

حدثنا ابو اليمان...... عن سعد رضى الله عنه قال انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطى رهطاً وسعد جالس، فترك رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً هوا عجبهم الىّ فقلت يارسول الله مالك عن فلان؟ فوالله انى لاراه مؤمناً فقال اومسلماً...... فقال ياسعد!انى لأعطى الرجل وغيره احب الىّ منه خشية ان يكبّه الله فى النار. (رواه يونس وصالح ومعمر وابن اخى الزهرى عن الزهرى)

سب سے پہلی بات:

(۱) اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة یہ شرط ہے اور جزاء محذوف ہے یعنی فھو مصداق قولہ تعالیٰ قالت الاعراب اٰمنا

(۲) و کان علی الاستسلام او الخوف من القتل میں استسلام کی علت محذوف ہے جس پر اوالخوف عطف ہے عبارت یوں ہوگی "و کان علی الاستسلام لطمع او الخوف من القتل۔

تمہیدات ثلاثہ:

(۱) ترجمۃ الباب میں حقیقت کا لفظ آیا ہے کہ اور حقیقت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) بمعنی حقیقت شرعیہ جو مجاز کے مقابل ہے (۲) نفس الامر کے معنی میں۔

(۲) آیت کا شان نزول: بنو اسد کے کچھ لوگ قحط سالی سے تنگ آکر بمع اہل وعیال کے آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم بغیر قتال کے ایمان لائے ہیں لہٰذا اس مصیبت کے وقت میں آپ ہمیں کچھ مال و دولت دیدیں تو یہ آیت اُتری "قالت الاعراب اٰمنا"

(۳) ان اعراب کے بارے میں اختلاف ہے امام بخاریؒ اور امام مروزیؒ کی طرف منسوب ہے کہ ان کے ہاں یہ اعراب منافق تھے کیونکہ یہ ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور قرآن کریم نے لم تؤمنوا کہہ کر ان کے ایمان کی نفی کی ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عام مفسرینؒ کے ہاں یہ لوگ خالص مسلمان تھے لیکن ابھی تک ایمان ان کے دل میں راسخ نہیں ہوا تھا یعنی لم تؤمنوا میں کمال ایمان کی نفی ہے مطلقاً ایمان کی نفی نہیں ہوئی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اس ترجمۃ الباب سے ایک اشکال دفع کرنا مقصود ہے اشکال یہ ہے کہ گذشتہ ابواب میں امام بخاریؒ نے ایمان اور اسلام کو مترادف ثابت کیا تھا اسی لئے تو کبھی من الایمان اور کبھی من الاسلام کے باب قائم کئے ہیں لیکن قرآن میں تو ایمان اور اسلام کے درمیان تباین ثابت ہے جیسے قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا اور اسی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد نے کہا انی لاراہ مؤمنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا

کہ مؤمن مت کہو بلکہ مسلم کہو۔

امام بخاریؒ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ اسلام کے دو مصداق ہیں (۱) اسلام حقیقی (۲) استسلام اور انقیاد ظاہری تو اسلام سے جب حقیقی اسلام مراد ہو تب تو اسلام اور ایمان مترادف ہیں لیکن جب اسلام سے ظاہری انقیاد مراد ہو تو پھر اسلام اور ایمان میں تباین ہوگا۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام سے ایک تحقیق مراد ہے کہ اسلام کا اطلاق کبھی حقیقت اور نفس الامر پر ہوتا ہے اور کبھی انقیاد ظاہری اور استسلام پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس سے مقصد نصوص کے تعارض کو دفع کرنا ہے کہ نصوص میں کہیں ایمان اور کہیں اسلام میں اتحاد ہے اور کہیں تغایر ہے تو اس کا دفع یوں ہوگا کہ جہاں اسلام سے مراد اسلام حقیقی ہے وہاں تو اسلام اور ایمان میں اتحاد ہے اور جہاں اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہو تو وہاں اسلام اور ایمان کے اندر تغایر ہے۔

خلاصہ کلام:

قالت الاعراب میں اسلام ظاہری مراد ہے لہٰذا یہ ایمان کے مرادف نہیں اور ان الدین عند اللہ الاسلام میں اسلام حقیقی مراد ہے لہٰذا یہ دین کے مترادف ہے اور چونکہ دین اور ایمان مترادف ہیں تو حبیب الحبیب حبیب کی طرح متحد المتحد متحد کے تحت اسلام اور ایمان متحد ہیں۔

شرح حدیث:

کچھ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ فرمارہے تھے اور ایک آدمی کو نہیں دیا حالانکہ وہ ان میں سب سے افضل تھا تو حضرت سعد نے فرمایا کہ یارسول اللہ امالك عن فلان فواللہ انی لاراہ مؤمناً لہ

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آدمی جعیل بن سراقہ الضمیری تھا اور حدیث میں ان کی منقبت آئی ہے کہ حضرت ابوذر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جعیل کے

بارے میں تو کہا "کشکله من المسلمین" یعنی دوسرے مسلمان لوگوں کی طرح ہے پھر آپ نے ایک اور آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "سید السادات المسلمین" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس جیسے لوگوں سے زمین بھر جائے تو بھی جعیل ان سے بہتر ہے اور اس مذکورہ حدیث میں بھی ان کی تعریف کی طرف اشارہ ہے کہ ارشاد ہے کہ "انّی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی لیکن یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے جعیل کو کچھ نہیں دیا کہ حضرت جعیل کے ایمان پر اعتماد تھا کہ کچھ نہ بھی ملے تو دل میں کدورت پیدا نہیں ہوگی۔

انی لاراہ مؤمناً......

(۱) اَراہ بفتحۂ ہمزہ بمعنی اعلم (۲) اُرَاہ بضمہ ہمزہ بمعنی اظنّ.

عام شراح نے اسی طرح درست سمجھا ہے لیکن امام نوویؒ نے اَراہ کو صحیح کہا ہے کیونکہ اس کے بعد حدیث میں ہے کہ ثم غلبنی اعلم منه یہاں علم کا ذکر ہے لہٰذا اَریٰ ہی متعین ہے کیونکہ اَراہ بمعنی علم کے ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اُراہ کو بھی جائز سمجھا ہے کہ اُراہ سے ظن غالب مراد لیا جائے اور ظن غالب علم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

فقال او مسلماً......

(۱) بسکون الواو (۲) بفتح الواو

حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ "او" تنویع کیلئے بھی آتا ہے اور تشریک کیلئے بھی، تنویع کا مطلب ہوگا کہ صرف مؤمناً نہ کہو بلکہ مسلماً کہو جبکہ تشریک کا معنی ہوگا بالجزم ایک حکم مت لگاؤ بلکہ مسلماً بھی لگادو یعنی انّی لاراہ مؤمناً او مسلماً.

حدیث کے بعض دوسرے طرق:

بعض روایات میں اَقتالاً یا سعد! اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا لڑنے کا ارادہ ہے جو بار بار کہہ رہے ہو۔ بعض میں اِقبالاً یا سعد ہے اس صورت میں یہ یا تو باب افعال کا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے اور تقدیر عبارت ہے اَقبِل علیّ اقبالاً یعنی اے سعد! میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ اور بعض میں اَقِبالاً یا سعد آیا ہے یعنی ہمزہ استفہام کا ہے

اور اور قبالاً باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ أتقابلنی قبالاً بھذہ المعارضة
یعنی کیا اس معارضہ سے تم میرا معارضہ کرنا چاہتے ہو۔

باب افشاء السلام من الاسلام

وقال عمار ثلاث من جمعھن فقد جمع الایمان الانصاف من نفسك
وبذل السلام للعالم والانفاق من الاقتار۔

حدثنا قتیبة...... عن عبد اللّٰہ بن عمرو ان رجلاً سأل النبی صلی اللّٰہ علیه
وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علیٰ من عرفت ومن لم
تعرف. الحدیث......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اس باب میں امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح فرائض وواجبات ایمان کے اجزاء ہیں اسی طرح سنن ومستحبات بھی ایمان کے اجزاء ہیں اور ان کی مثال کے طور پر افشاء السلام کو ذکر کیا ہے اور اجماع ہے کہ افشاء السلام واجب نہیں بلکہ سنت ہے لیکن حدیث میں من الاسلام ثابت ہے۔ یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ سلام کی کثرت اور اس کا رواج اسلام کی حقیقی علامت ہے۔

(۲) مرجئہ کا رد ہے کہ طاعات مفید اور معاصی مضر ہیں چنانچہ یہ بات حضرت عمار کے قول سے ثابت ہے۔

(۳) ترکیب ایمان کا دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان تصدیق، اقرار اور اعمال سے مرکب ہے۔

(۴) ایمان میں زیادت ونقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اعمال گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں جس سے ایمان میں زیادت ونقصان آتا ہے۔

(۵) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا ہونے والے حصر کے ابہام کو دور کرنا مقصد ہے۔

(۶) شعب الایمان کی تفصیل بیان کرنا مقصد ہے کہ افشاء السلام وغیرہ بھی شعب ایمان میں سے ہے۔

الانصاف من نفسک......

(۱) من یا تو ابتدائیہ ہے اس صورت میں معنی ہوگا کہ الانصاف الناشی من نفسک یعنی کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنے نفس کی وجہ سے انصاف پر آمادہ ہوتا۔

(۲) یا یہ من فی کے معنی میں ہے اس صورت میں معنی ہوگا انصاف فی نفسک یعنی جو تقاضا تم دوسروں سے کرتے ہو تو تم بھی دوسروں کیلئے ان کے تقاضوں کو پورا کرو یعنی خود عزت چاہتے ہو تو دوسروں کی بھی عزت کرو۔

وبذل السلام......

سلام کا عام کرنا کے بغیر تقیید شخص وقت کے اور بغیر تقیید معرفت سلام کیا کرو اور لفظ عالم کے استعمال سے یہ بتلانا ہے کہ اس میں بخل نہ کرو (البتہ مثتنیٰ صورتوں کا حکم الگ ہے)

الانفاق من الاقتار......

اقتار بمعنی افتقار اس کے دو معنی ہیں (۱) قحط سالی کے زمانہ میں انفاق کرنا (۲) فقر کے باوجود انفاق کرنا۔

حضرت شیخ الدیث فرماتے ہیں کہ باوجود فقر کے خرچ کرنا اس آدمی کیلئے باعث فضیلت ہے جو ذات باری تعالیٰ پر مکمل اعتماد رکھتا ہوا گر خرچ کرنے کے بعد سوال کیلئے مجبور ہوتا ہے تو اُس کو خرچ نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی نظائر احادیث میں موجود ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی عنہ سے تو گھر کا سارا سامان قبول کر لیا لیکن ایک آدمی سونے کی ایک ڈلی لایا اور اس کے تین مرتبہ پیش کرنے کے باوجود آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

ابوالزنادؒ کا قول: حضرت عمار کا یہ اثر تمام صور خیر کو شامل ہے کیونکہ انصاف من نفسک میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنا ہے۔ اور بذل السلام اعمال صالحہ کی ترغیب دینے کا عمل ہے کیونکہ سلام کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آدمی متکبر نہیں اور انفاق من الاقتار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد ظاہر ہوتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس اثر کو جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے۔ یہ بظاہر تو حضرت عمار کا اثر لگتا ہے مگر درحقیقت یہ حدیث

مرفوع ہے۔

علامہ عینیؒ نے ایک اور طرح اس کی تعبیر سے خیر کی صورتوں کا مجموعہ ثابت کیا ہے کہ انصاف من نفسک میں حقوق اللہ اور بذل السلام میں حقوق العباد کا بیان ہے اور اسی طرح احکام یا بدنی ہوتے ہیں یا مالی تو پہلے دونوں جملوں میں احکام بدنیہ کا بیان ہے اور تیسرے جملے میں عبادت مالیہ کا بیان ہے۔

یہ حدیث پہلے باب ''اطعام الطعام من الایمان '' کے تحت گذر چکی ہے مگر اساتذہ میں فرق ہے کہ یہاں قتیبہ سے نقل کرتے ہیں اور وہاں عمرو بن خالد سے اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ بغیر فائدہ کے تکرار نہیں کرتے اور اسی طرح گذشتہ متن اور سند سے دوبارہ حدیث نقل نہیں کرتے۔

اشکال

علامہ کرمانیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک ہی باب میں دونوں حدیثوں کو جمع کیوں نہیں کیا؟ اور دونوں کیلئے الگ الگ باب قائم کئے؟

جواب:

اس کا جواب علامہ کرمانیؒ یہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے امام بخاریؒ نے گذشتہ حدیث اپنے شیخ سے اطعام الطعام کے باب کے تحت سنی ہو اور یہ حدیث اپنے شیخ سے افشاء السلام کے باب کے تحت سنی ہو لہٰذا شیوخ کے اتباع میں الگ الگ ابواب قائم کئے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس بات کو دو وجوہ سے غلط کہا ہے (۱) اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بخاریؒ کے دونوں شیوخ کی مبوب کتابیں موجود تھیں حالانکہ یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہے (۲) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ نے وضع تراجم میں غیر کی تقلید کی ہے حالانکہ یہ مسلم ہے کہ امام بخاریؒ نے وضع تراجم میں کسی کی تقلید نہیں کی بلکہ خود احادیث سے استنباط کر کے باب قائم کئے ہیں۔ بہر حال اگر علامہ کرمانیؒ کی بات مان لی جائے تو دونوں حدیثوں کو ایک ہی باب میں جمع کرنا ممکن تھا۔

قول فیصل:

امام بخاریؒ کا مقصد شعب الایمان کوتفصیلاً بیان کرنا ہے لہٰذا ہر شعبہ کیلئے الگ الگ باب قائم کیا۔

باب کفران العشیر وکفر دون کفر

فیه عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

حدثنا عبد اللّٰه.................... عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اُریت النار فاذا اکثر اهلها النساء یکفرن قیل ایکفرن باللّٰه قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان. الحدیث

تمہید:

کفر کا معنی:

لغت میں کفر ستر الشیئ کو کہتے ہیں اسی سے کفر کا اطلاق ان چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔(۱) یسمی اللیل کافراً لستره مابین السماء والارض (۲) ویسمی البحر کافراً لستره ما فیه (۳)ویسمی الزارع کافراً لستر البذر فی الارض اور کافر حقیقی ویسمی الکافر الحقیقی کافراً لستره نعم اللّٰه تعالیٰ وجحودها۔

امام راغبؒ کا قول:

الکفران اکثر استعمالاً فی جحود النعمة والکفر فی جحود اللّٰه والکفور فیهما جمیعاً

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجرؒ قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ جس طرح طاعات پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے لیکن یہ خروج من الملۃ نہیں ہوتا۔

(۲) مقصد یہ ہے کہ جس طرح اعمال ایمان کے اجزاء ہیں ایسے معاصی کفر کے اجزاء ہیں اور جس طرح اعمال صالحہ کے مختلف درجات کی بناء پر ایمان کے مختلف درجات ہیں ایسے ہی معاصی کے مختلف ہونے کی بناء پر کفر کے مختلف درجات ہیں۔ گویا بضدها تتبین الاشیاء پر عمل کیا ہے۔

درجات کفر:

کفر کے مختلف درجات ہیں ایک اعلیٰ جو مخرج عن الملة ہے اور ایک ادنیٰ جو مخرج عن الملة نہیں ہے نصوص میں جہاں معاصی پر کفر کا اطلاق ہوا ہے یہ کفر مخرج عن الملة نہیں ہے مثلاً ان بین الرجل والشرك والكفر ترك الصلوٰة، من ترك الصلوٰة متعمدا فقد كفر جهاراً اور سباب المسلم فسق وقتاله كفر وغیرہ میں آیا ہے۔

مراتب کفر، ظلم، نفاق اور شرک:

قرآن وحدیث میں کفر وشرک وغیرہ کے مختلف مراتب بیان ہوئے ہیں بعض مخرج عن الملة ہیں اور بعض مخرج عن الملة نہیں ہیں مثلاً کفر کے بارے میں اوپر احادیث ذکر کی گئی ہیں اور ظلم کے بارے ہیں جیسے والکافرون هم الظلمون میں اور کبھی معمولی تقصیر پر ظلم کا اطلاق ہوا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی نسبت کی گئی ہے جیسے ربنا ظلمنا انفسنا اور لا الٰہ الا انت سبحانك انی كنت من الظلمین اور ایسے ہی اربع من كن فيه كان منافقاً خالصا لیکن بالاجماع ایسا آدمی منافق نہیں ہوتا۔

اشکال:

مسلمان کے اندر اگر خصلت کفر پائی جائے تو اس پر کافر کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اگر کافر کے اندر کوئی ایمان کی خصلت پائی جائے تو اسے مؤمن کہنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟

جواب:

قاعدہ ہے کہ نتیجہ اخس ارذل کے تابع ہوتا ہے لہٰذا خصلت کفر ارذل ہے اور خصلت ایمان اخس ارذل نہیں ہے مثال کے طور پر اگر ایک تندرست آدمی کو صرف آنکھ میں تکلیف ہو تو اس کو بیمار کہتے ہیں لیکن ایک آدمی کا پورا بدن زخمی ہو لیکن آنکھ، ناک اور کان صحیح ہوں تو اس کو صحیح نہیں کہتے بلکہ اس کو بھی بیمار کہتے ہیں۔

کفر دون کفر کا مقولہ

حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ یہ کفر دون کفر حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا قول ہے

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں چنانچہ ان سے آیت ''ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُلئك هم الظلمون'' اور ''فاُلئك هم الفسقون'' کے تحت کفر دون کفر، ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق منقول ہے۔

دون کا معنیٰ:

حافظ ابن حجرؒ کا قول:

ان کے ہاں اقرب اور ادنی الشیئ کے معنی میں آتا ہے یہاں اقرب کے معنی میں ہے یعنی کفر قارب کفراً اور علامہ کشمیریؒ کے ہاں غیر کے معنی میں ہے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ابن حجرؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

العشیر......

الف لام اگر عہدی ہے تو زوج مراد ہے اگر الف لام جنسی ہے تو کل من یعاشر مراد ہے۔

وفیه عن ابی سعید الخدری......

(۱) علامہ عینیؒ اور حافظ کے ہاں کتاب الحیض کی روایت مراد ہے کہ "یامعشر النساء تصدقن......... تکثر اللعن و تکفرن العشیر (۲) ابن العربی المالکیؒ کا قول ہے کہ ترمذی کی روایت کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ مراد ہے

مسئلہ اختصار فی الحدیث:

یہاں پر حدیث میں اختصار ہے صلوٰۃ الکسوف میں یہ حدیث مفصل لائیں گے۔ اب اختصار فی الحدیث کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ (۲) مطلقاً ناجائز ہے۔ (۳) کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

مثلاً اختصار وہ کرے جو مجتہد ہو اور مدارج کلام سے واقف ہو اور کلام کا ماقبل کے ساتھ تعلق کو جانتا ہو ایسے جملے کا اختصار کرے جس کو مختصر کرنے سے معنی میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ جمہور کا (بمع امام بخاریؒ) مسلک ہے۔

امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ امام مسلمؒ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

فاذا اکثر اھلھا النساء......

اشکال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی جبکہ ایک حدیث ہے لکل واحد منھم زوجان جس سے جنت میں عورتوں کا زیادہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: (۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم دکھایا گیا تھا، بعد میں عورتوں کی تعداد جنت میں زیادہ ہو جائے گی۔

(۲) ابتداء میں گنہگار مؤمنات جہنم میں جائیں گی تو وہاں تعداد زیادہ ہوگی اور جب عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں آئیں گی تو جنت میں ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔

(۳) عورتیں بالقوۃ جہنم کی زیادہ مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(۴) عورتیں فی نفسہٖ زیادہ ہیں لہٰذا جنت میں بھی زیادہ ہونگی اور جہنم میں بھی زیادہ ہونگی۔ واللہ اعلم

باب المعاصی من أمر الجاهلية

ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرک لقول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انك امرء فیك جاهلیة وقول اللّٰہ تعالیٰ ان اللّٰہ لایغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فسماهم مؤمنین۔ حدثنا عبد الرحمٰن ابن المبارك........... عن الاحنف بن القیس قال ذهبت فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول اذا التقا المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار قلت یا رسول اللّٰہ! هذا القاتل فما بال المقتول قال انه حریص علی قتل صاحبه۔

الحدیث الثانی: حدثنا سلیمٰن بن حرب........... عن المعرور قال لقیت ابا ذرّ بالربذة وعلیه حلةٌ وعلی غلامه حلة فسألته عن ذلك. الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) مقصد یہ ہے کہ جس طرح معاصی کفر کے اجزاء ہیں ایسی ہی طاعات بھی ایمان کے اجزاء ہیں تو بقاعدہ بضدھا تتبین الاشیاء کے تحت ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہوا اور مرکب قابل النقصان و الزیادۃ ہوتا ہے تو ایمان بھی قابل النقصان و الزیادۃ ہے اور اسی سے مرجیۂ پر بھی رد ہو گیا۔

(۲) الابواب والتراجم میں حضرت الہندؒ سے منقول ہے کہ ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں اول جزء سے مرجیۂ پر رد ہے اور دوم جزء سے جواب اشکال مع رد علی الخوازج والمعتزلہ ہے اول جزء سے یہ ثابت کیا تھا کہ معاصی کفر کے کام ہیں تو اس سے اشکال پیدا ہوتا تھا کہ اس سے تو خوارج کی تائید ہوتی ہے اس لئے ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرک سے اس اشکال کو دور کر کے خوارج پر رد کیا۔

(۳) ابن بطالؒ کو قول ہے کہ روافض اور عام خوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ خارج از ایمان ہے لہٰذا ان پر رد کرنا مقصود ہے۔

المعاصی من امر الجاھلیۃ ...... جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) امام نوویؒ کے قول کے مطابق اس سے مراد قبل البعثت کا زمانہ ہے۔

(۲) مابین ولادۃ النبیؐ و بعثہ

(۳) قبل فتح المکۃ

(۴) جاہلیت سے خود مجتلی بہ کا قبل الاسلام کا زمانہ جاہلیت مراد ہے۔ یعنی جب تک آدمی مسلمان نہ ہو تو اہلیت کے دور میں ہے اور جب مسلمان ہو گا تو جاہلیت سے دور ہو گا۔

انک مارء فیک جاھلیۃ ...... حدیث کا یہ ٹکرا ترجمۃ الباب کے ثبوت کیلئے لائے ہیں اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کہ ایک دفعہ حضرت اب ذر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے درمیا کسی معاملے پر اختلاف ہوا اور نوبت سباب تک پہنچی تو حضرت ابوذرؓ نے بلال رضی اللہ عنہ کو یا ابن السوداء کا طعنہ دیا حضرت بلال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

شکایت کی فقال یا ابا ذر اعیّرتہ بسواد امّہ فقال نعم فقال ما اظن انک بقی فیک خصلة من الجاهلية پھر فرمایا انک امرء فیک جاهلية تو حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ میرے اس بڑھاپے کے باوجود بھی میرے اندر جاہلیت ہے فوضع وجهه على الارض وقال واللّٰه لا ارفعه من الارض حتّى يطأم بلال على خدى فوطأ فيرفعه تو اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) معاصی امر جاہلیت سے ہیں۔

(۲) معاصی کا مرتکب کافر نہیں ہوتا۔

و لا يكفر صاحبها بارتكا بها الا بالشرك...... یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) یہ ارتکاب کی قید لگائی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے آدمی کافر تو نہیں ہوتا لیکن اعتقاد معاصی سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۲) اشکال ہوتا ہے کہ جس طرح مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی ایسے ہی کافر کی بھی غیر مغفور ہے لیکن آیت میں کافر کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: (۱) آپ کے زمانے میں جو لوگ مشرک تھے وہ کافر بھی تھے لہٰذا ان یشرک سے ان یکفر مراد ہے۔

جواب: (۲) کفر عام ہے شرک خاص ہے تو کفر کی وہ صورتیں جو شرک کے تحت داخل ہیں ان کا تو یہی حکم ہے اور جو صورتیں شرک کے تحت داخل نہیں ہیں وہ شرک سے اعلیٰ ہیں لہٰذا ان کی مغفرت تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگی۔

جواب: (۳) دوسرے مقامات پر کفار کیلئے تعذیب بالنار کا حکم ہے جس سے کفار کا عدم مغفور ہونا ثابت ہوتا ہے۔

و ان طائفتان من المؤ منين اقتتلوا ...... خوارج پر رد ہے کہ قتال کے باوجود ان پر مؤمن کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ قتال گناہ کبیرہ ہے معلوم ہوا کہ ارتکاب کبیرہ سے خروج عن الاسلام لازم نہیں۔

حدیث: ذهبت لا نصر هذا الرجل ...... یہ جنگ جمل کا واقعہ ہے اور یہ جھڑپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوئی۔ احنف بن قیس حضرت علی کی مدد کیلئے جمع

لشکر کے نکلے تھے تو حضرت ابوبکرہؓ نے منع کیا اور شدت کیلئے یہ حدیث سنائی "اذا التقا المؤمنان بسیفهما فالقاتل والمقتول فی النار"۔

فتنہ کے وقت صحابہ کرام کے مذاہب:

(۱) کسی بھی فریق کا ساتھ نہ دیا جائے یہ حضرت عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا۔

(۲) ان میں سے بعض اپنے دفاع کے قائل بھی نہیں تھے بلکہ شہادت کو پسند کرتے تھے۔

(۳) جبکہ بعض دفاع کے قائل تھے جبکہ بعض ایسے شہر کو چھوڑنے کے قائل تھے۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت کا مسلک:

کسی فریق کا حق پر یا باطل پر ثابت کرنے کیلئے کلام جائز نہیں۔ مختصراً یہ کہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب تھے اور حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی تھے۔ اسی لئے حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے "قال عمر بن عبد العزیز حین سئل تلك دماء طهر الله منها ایدینا نطهر منها قلوبنا"۔

القاتل والمقتول فی النار...... قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول اس لئے کہ اس نے بھی قتل کا پکا ارادہ کیا تھا یعنی قتل کے اسباب پیدا کئے تھے اور یہ عزم ہے اور عزم پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔

نوٹ: قصد کے مراتب پانچ ہیں: (۱) ہاجس (۲) خاطر (۳) حدیث النفس (۴) ھم (۵) عزم، ان پانچ مراتب کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

مراتب القصد خمس هاجس ذکروا فخاطر فحدیث النفس فاستمعا
یلیه هم وعزم کلها رفعت سوی الاخیر ففیه الاخذ قد وقعا

(۱) ہاجس: یہ قصد کا پہلا درجہ ہے کہ ایک چیز دل میں آئی اور فوراً چلی گئی۔

(۲) خاطر: یہ دوسرا درجہ ہے کہ ایک بات دل میں آئی، ٹھہری لیکن دل نے کوئی فیصلہ

نہیں کیا کہ آیا فعل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

(۳) حدیث النفس: یہ تیسرا درجہ ہے قصد کا کہ دل میں بات آئی، ٹھہری اور دل میں فعل یا ترک فعل کے درمیان تردد رہا کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوا۔

(۴) ھم: یہ چوتھا درجہ ہے کہ جس میں فعل یا ترک فعل کی طرف جھکاؤ تو ہو جاتا ہے لیکن اس میں پختگی نہیں ہوتی۔

(۵) عزم: یہ آخری درجہ ہے، اس میں جھکاؤ ہی نہیں بلکہ پختگی بھی آ جاتی ہے اور اس پر مؤاخذہ ہوگا۔

حدیث ثانی: فمن کان اخوہ تحت یدہ......غلام کے ساتھ مساوات کا حکم جمہور ائمہ کے ہاں استحباب پر محمول ہے۔

باب ظلم دون ظلم

حدثنا ابو الولید حدثنا شعبہ ح حدثنا بشر حدثنا شعبہ.......... لما نزلت "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" قالَ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اینا لم یظلم فانزل اللہ عزّ وجل ان الشرک لظلم عظیم.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ بتانا ہے کہ ان اتمام الایمان بالاعمال الصالحہ ونقصانہ بالمعصیۃ

(۲) بالواسطہ ترکیب ایمان کا ثبوت مقصود ہے۔

(۳) زیادت ونقصان ایمان کا ثبوت مقصود ہے۔

(۴) مرجیۂ پر رد کرنا مقصد ہے کیونکہ ظلم معصیت ہے اور یہ مضر ہے ورنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس سے تشویش کیوں ہوتی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تشویش کا سبب:

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں آیت میں بظلم نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہوا ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے تو صحابہؓ نے اس سے عام معنی مراد لیا کہ کسی کا حق مارنا،

زدوکوب کرنا، سب وشتم کرنا حقوق اللہ میں کوتاہی کرنا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اس سے مراد شرک ہے لقولہ تعالیٰ ان الشرك لظلم عظیم۔ مطلب یہ کہ اس میں تنوین تعظیم کیلئے ہے۔

(۲) کیونکہ بظلم مطلق ہے اور مطلق کے ذکر سے عموم کا فائدہ ہوتا ہے تو صحابہؓ نے عام معنی مراد لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ ظلم مقید ہے بقید عظیم اور اس سے مراد شرک ہے۔

ظلم کی تفسیر شرک سے کیوں کی؟

(۱) حضرت گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ سے منقول ہے۔ آیت میں خود قرینہ موجود ہے کہ آیت میں ہے کہ ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اور دو چیزوں کا لبس اور خلط تب ہوسکتا ہے جب دونوں کا محل ایک ہو تو ہم نے دیکھا کہ ایمان کا محل تو قلب ہے اور ظلم کی اقسام میں سے شرک کا محل قلب ہے اور باقی ظلم کا محل جوارح ہے تو ظلم سے مراد وہ ظلم ہوگا جس کا محل قلب ہو اور وہ شرک ہے۔

(۲) بظلم میں تنوین تعظیم کیلئے ہے اس سے ظلم عظیم مراد ہے اور یہ شرک ہے۔

سند کی تحویل:

ح، وحدثنا بشر قال: حدثنا محمد عن شعبه.........

(۱) پہلی سند عالی ہونے کے باوجود امام بخاریؒ نے دوسری نازل سند ذکر کی اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ شعبہ کے تلامذہ میں سے سب سے اثبت محمد ہیں لہٰذا اثبت ہونے کی وجہ سے ان کی سند ذکر کی ہے۔

(۲) حدیث کے الفاظ دوسری سند کے ہیں اور یہی امام بخاریؒ کا عمومی طریقہ ہے۔

(۳) یہ سند اصح الاسانید ہے کیونکہ اس سند میں سلیمٰن الاعمش عن ابراھیم عن علقمة عن ابن مسعود ہے یہ سند یحییٰ بن معینؒ کے ہاں اصح الاسانید ہے کیونکہ یہ فقیهٌ عن فقیهٍ عن فقیهٍ عن فقیهٍ ہے۔

ان الشرك لظلم عظیم...... یہ آیت یا تو اسی وقت نازل ہوئی ہے یا پہلے سے نازل

تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم اس آیت کا مصداق ہے۔

باب آیة المنافق

حدثنا سلیمٰن............... عن أبی هریرة عن النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم قال اٰیة المنافق ثلٰث إذا حدث کذب وإذا وعد أخلف وإذا اتمن خان.

حدثنا قبیصة............. عن عبد اللّٰه بن عمرو ان النبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم قال اربع من کن فیه کان منافقا خالصاً................. تابعه شعبه عن الاعمش.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) مرجیۂ کا رد ہے کہ معاصی مضر ہیں اور یہ اس حدیث سے ثابت ہے کیونکہ علامات النفاق پائے جانے کی وجہ سے آدمی کو منافق قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اس سے نفاق دون نفاق کا بیان ہے کہ ایک نفاق کا اعلیٰ درجہ ہے جس کے بارے میں ہے "ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار" اور ایک نفاق کا ادنیٰ درجہ ہے کہ نفاق کی علامت پائی جائے۔ اس سے آدمی خارج از ایمان نہیں ہوتا تو نفاق کیلئے مراتب ثابت کئے اور قاعدہ "بضدها تتبین الاشیاء" کے تحت ایمان کے مراتب ثابت کئے ہیں اور اسی طرح بالواسطہ ترکیب ایمان اور زیادت ونقصان کو ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ امام نوویؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ معاصی سے ایمان میں نقصان آتا ہے جیسے کہ طاعات کے ذریعہ بڑھتا ہے۔ اس طرح الایمان یزید وینقص کا ثبوت مقصود ہے۔

آیة المنافق ثلاثه......

اشکال:

اٰیة مبتدا ہے اور مفرد ہے ثلاث خبر ہے اور جمع ہے مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب:

اٰیة سے مراد جنس ہے مفرد اور جمع سب کو شامل ہے دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں

علامات المنافق کے الفاظ آئے ہیں (۲) ثلاث لفظاً مفرد ہے لہٰذا ایۃ کو بھی مفرد لایا گیا (۳) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں علامتیں مل کر ایک علامت بن جاتی ہیں لہٰذا ایۃ کو مفرد لایا گیا۔

اشکال:

پہلی حدیث میں تین علامات کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں چار کا ذکر ہے تو بظاہر تعارض نظر آرہا ہے؟

جواب:

(۱) حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ علامہ قرطبیؒ سے نقل کرتے ہیں یہ من باب التجدد فی العلم ہے کہ پہلے تین علامات کا علم عطاء ہوا تھا پھر چار کا علم عطاء ہوا کیونکہ یہ نزول وحی کا وقت تھا اور احکام رفتہ رفتہ نازل ہوتے تھے۔

(۲) مفہوم عدد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ محض علامات نفاق کا بیان ہے کبھی تین بیان کیں اور کبھی چار۔

(۳) مقصد صرف من علامات النفاق کذا و کذا ہے حصر فی العدد بیان کرنا مقصد نہیں ہے۔

(۴) دراصل غدر فی العھد اور خیانۃ فی الامانۃ ایک ہی چیز ہے لہٰذ علامتیں تین ہی ہیں۔

(۵) حدیث ثانی میں خصال اربعہ کا ذکر ہے لیکن یہ علامات کے عنوان سے ذکر نہیں کیں لہٰذا ممکن ہے کہ اصل علامات تو وہی تین ہوں لیکن یہ چوتھی ایک وصف کے طور پر بیان کی ہو کہ اس سے نفاق میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً......

کیا علامات نفاق کے پائے جانے کی وجہ سے کلمہ گو کو منافق قرار دیا جائے گا یعنی کیا وہ "ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار" کا مصداق ہے؟ تو بات یہ ہے کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ علامات نفاق کے پائے جانے کی وجہ سے مؤمن کو منافق قرار نہیں دیں گے

بلکہ حدیث میں مندرجہ تاویل کریں گے۔

(۱) کان منافقاً خالصاً ای شدید الشبه بالمنافقین.

(۲) اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین تھے لیکن آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ عمومی خطاب فرماتے تھے جیسے مابال اقوام یفعلون کذا و کذا

(۳) اس سے مراد ثعلبہ بن حاطب ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت مال کیلئے دعاء کروائی تھی لیکن بعد میں زکوٰۃ کا بھی منکر ہوا تھا۔

(۴) ایک نفاق فی العقیدہ ہے اور ایک نفاق فی العمل ہے لہٰذا یہاں نفاق فی العمل مراد ہے اور الدرك الاسفل کی سزا نفاق فی العقیدہ کیلئے ہیں۔

(۵) ایک منافق شرعی ہے ایک عرفی، یہاں نفاق عرفی مراد ہے نہ کہ شرعی۔

(۶) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے کی وجہ سے ذوالعلامۃ کا پایا جانا ضروری نہیں جیسے حرارتِ بدن بخار کیلئے علامت ہے لیکن کبھی بدن گرم ہوتا ہے لیکن بخار نہیں ہوتا جیسے دھوپ میں بیٹھنے سے بدن کا گرم ہونا۔

(۷) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے کی وجہ سے منافق ہونا ضروری نہیں جیسے علامت کفر کے وجود سے اس پر کافر کا حکم نہیں لگایا جاتا جیسے سباب المؤمن فسق وقتاله کفر حالانکہ قتال کرنے والا کافر نہیں ہوجاتا۔

(۸) اس حدیث سے تحذیر مقصد ہے کہ یہ نفاق کی علامات ہیں ان سے اجتناب کرو۔

(۹) اس حدیث کا حمل اعتیاد پر ہے کہ اگر یہ خصال اس کی عادت بن جائیں تو پھر منافق ہے کیونکہ مؤمن کی شان سے بعید ہے کہ ان خصال کی عادت بنائے۔

منافق ماخوذ ہے نافقاء سے اس کے معنی دشتی چوہا کے ہیں یہ عموماً دومنہ والا سوراخ بناتا ہے ایک منہ ظاہری ہوتا ہے اور ایک خفیہ جس کو نافقاء کہتے ہیں شکاری کے آنے پر وہ ظاہری منہ سے داخل ہوتا ہے اور خفیہ راستے سے نکل جاتا ہے ایسے ہی منافق ظاہراً اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن دوسرے راستے سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔

تنبیہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانے میں جو تعریف نفاق کی تھی ''اظھار الاسلام وابطان الکفر'' یہی آج کل زندقہ ہے۔

واذا وعد اخلف......................

ابو داؤد کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ خلافی اس وقت مذموم ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت پورا نہ کرنے کا ارادہ کیا ہو لیکن اگر پورا کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکا تو مذموم نہیں اور نہ ہی گناہ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کا قول:

دین کا انحصار تین چیزوں پر ہے (۱) قول (۲) فعل (۳) نیت

تو اذا حدث کذب سے فسادِ قول کی طرف اشارہ ہے اور اذا وعد اخلف سے فسادِ نیت کی طرف اور اذا اؤتمن خان سے فسادِ عمل کی طرف اشارہ ہے۔

باب قیام لیلة القدر من الایمان

حدثنا ابو الیمان...................... عن ابی هريرة رضى الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقم ليلة القدر ايماناً واحتساباً غفر لهٗ ماتقدم من ذنبه

علامہ عینیؒ کا قول:

امام بخاریؒ امورِ ایمان کا بیان کر رہے تھے کہ باب افشاء السلام کے بعد کچھ ابواب استدراکاً کفر سے متعلق قائم کئے تو باب لیلۃ القدر کا اصل تعلق باب افشاء السلام کے ساتھ ہے۔

ابوابِ سابقہ سے ربط و مناسبت:

اس باب کی مناسبت افشاء السلام سے یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں بھی افشاء السلام ہوتا ہے کیونکہ فرشتے مومنین کو سلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس باب کی ماقبل علامات النفاق سے مناسبت بھی واضح ہے کیونکہ وہاں نفاق کی علامات کا بیان ہے اور یہاں ایمان کی علامات کا بیان ہے اور یہ اس طرح کہ لیلۃ القدر میں قیام مومن ہی کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح

یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ قیام لیلۃ القدر یا دیگر طاعات کی توفیق اُس کو ہوسکتی ہے جس کے اندر علامات نفاق موجود نہ ہوں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) مرجیۂ اور کرامیہ پر رد ہے کہ نجات کیلئے فقط تصدیق یا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) بنی الاسلام علیٰ خمس سے حصر کا ابہام پیدا ہوا تھا اُس کا دفع مقصود ہے۔

(۳) شعب الایمان کا بیان مقصود ہے۔

(۴) ترکیب ایمان اور جزئیت اعمال للایمان کا بیان مقصود ہے۔

من یقم لیلۃ القدر ایمانا و احتساباً..................

ایمان واحتساب کا مطلب:

(۱) عین عمل کے وقت ایمان کا موجود ہونا اور ثواب کی نیت ہونا ضروری ہے کیونکہ اعمال کے قبول کیلئے ایمان شرط ہے۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ تلاش بسیار کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ایمان واحتساب کا لفظ حدیث میں اُن اعمال کے ساتھ آتا ہے کہ بسا اوقات مشقت کی وجہ سے آدمی کی ہمت ہار جاتی ہے تو جب ان الفاظ کا استحضار ذہن میں ہوگا تو ان مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہوگا۔

(۳) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ کے وقت فقط ایمان کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ایک اور مرحلہ بھی ہے کہ عمل پر اُبھارنے کیلئے یہی ایمان کا محرک ہونا ضروری ہے فقط لوگوں کی دیکھا دیکھی اور ڈیوٹی کے طور پر فرائض ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

غفر لہٗ ما تقدم من ذنبہ......

اس سے صغائر مراد ہیں یا کبائر؟

جمہور علماء کے ہاں اس سے فقط صغائر مراد ہیں کیونکہ کبائر کیلئے قاعدہ یہ ہے کہ وہ توبہ

سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغائر کیلئے اعمال بھی کفارہ بن سکتے ہیں۔

ابن المنذرؒ اور ابن عبد البرؒ کے بعض ہم عصروں کا قول:

اس سے صغائر اور کبائر دونوں مراد ہو سکتے ہیں لیکن ابن عبد البرؒ نے اس قول کو رد کیا ہے کہ اس قول سے مرجیہ کی تائید ہوتی ہے لہٰذا صرف صغائر ہی مراد ہونگے۔

توبہ کیلئے ضروری امور:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "التوبة الاقلاع عن الذنب والندم والعزم ان لایعود" یعنی (۱) اس فعل کو ترک کرے جس سے توبہ کر رہا ہے (۲) توبہ کے ساتھ ندامت بھی ہو (۳) اس فعل کی طرف دوبارہ نہ جانے کا عزم رکھے۔

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ:

(۱) قدر اگر تقدیر سے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اس رات میں سال کے تمام فیصلے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) اور قدر اگر عزت سے ہو تو معنی ہوگا کہ یہ رات عزت والی ہے۔

لیلۃ القدر کب آتی ہے؟

اس میں متعدد اقوال ہیں لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ رمضان میں آتی ہے اور پھر آخری عشرہ میں آتی ہے اور اور اس میں بھی طاق راتوں میں آتی ہے۔ اور طاق راتوں میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کے اقوال موجود ہیں۔

اصح قول:

اس سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کے تعین کا علم اللہ تعالیٰ نے اُٹھالیا ہے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت:

حدیث میں ایماناً واحتساباً کی قید سے ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے۔

باب الجهاد من الايمان

حدثنا حرمی .... سمعت اباهريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال انتدب الله .... ولولا ان اشق علی امتی ماقعدت خلف

سریّۃ ولوددت ان اُقتل فی سبیل اللّٰہ ثمّ احیٰی الحدیث

ماقبل اور مابعد کے ساتھ ربط:

اس باب سے پہلے قیام لیلۃ القدر کا بیان ہے اور مابعد میں باب تطوع قیام رمضان ہے تو درمیان میں جہاد کولانے کی مناسبت یہ ہے کہ قیام لیلۃ القدر سے بھی مجاہدہ پیدا ہوتا ہے اور جہاد سے بھی مجاہدہ ہوتا ہے اور اس کو قیام لیلۃ القدر کے بعد ذکر کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جہاد مع الکفار سے پہلے جہاد بالنفس ضروری ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حسب سابق مرجیۂ کارد ہے۔
(۲) حصر فی الخمس کے وہم کو دور کرنا ہے۔
(۳) شعب الایمان کی تفصیل بیان کرنا ہے۔
(۴) ترکیب ایمان کو ثابت کرنا ہے۔ نیز یہ کہ فرائض کی طرح نفلی عبادات بھی ایمان کے اجزاء ہیں۔

انتدب اللّٰہ..................

(۱) بمعنی مسارعۃ یعنی اللہ تعالیٰ اس عمل کی جزاء جلدی دیں گے۔
(۲) بمعنی تکفل چنانچہ آگے بخاری میں تکفل اور مسلم شریف میں تضمن آیا ہے۔

لایخرجہ الا ایمان بی او تصدیق برسلی......

اشکال:

یہاں پر او کا لانا درست نہیں ہے کیونکہ ایمان باللہ کیلئے تصدیق بالرسل لازمی ہے تو دونوں لازم وملزوم ہیں پھر او کے ساتھ تفریق کیسے؟

جواب:

(۱) یہ اَوْ مانعۃ الخلو کیلئے ہیں اور ان دونوں کا جمع محال نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ دونوں میں سے کوئی سبب مخرج ہو اور پھر اجر بھی ملے۔
(۲) اَوْ بمعنی واو عاطفہ کیلئے ہے۔

(۳) یہ اَوْ راوی کا شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان بی کہا یا تصدیق برسلی کہا۔

بما نال من اجر او غنیمة.......

مجاہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) مجاہد شہید ہو جائے اس صورت میں اس کا اجر کامل ہوگا۔

(۲) زندہ سلامت بمع غنیمت کے لوٹے، تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کیلئے اجر نہیں ہوگا۔

محدثین کی توجیہ:

(۱) یہاں اَوْ مانعۃ الخلو کیلئے ہے۔ یعنی دونوں میں سے ایک ضرور ہوگا اور دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں۔

(۲) اَوْ بمعنی واو ہے۔

حدیث کا مفہوم:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ما من غازیة تغزوا فی سبیل اللہ فیصیبون الغنیمة الا تعجلوا ثلثی اجرھم من الآخرة، ویبقیٰ لھم الثلث، وان لم یصیبوا غنیمة تمّ لھم اجرھم۔ یعنی مجاہدین کا کوئی لشکر اگر جہاد کیلئے جاتا ہے اور غنیمت کے ساتھ آتا ہے تو اسے دو حصے اجر دنیا میں ہی مل جاتا ہے اور ایک حصہ باقی رہ جاتا ہے اور اگر جہاد کر کے بلا غنیمت کے واپس آتا ہے تو اس کا پورا اجر آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

ولو لا ان اشق علی امّتی ماقعدت خلف سریّة.......

یعنی اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری امت کو مشقت لاحق ہوگی تو کسی لشکر میں شرکت سے باز نہ رہتا، یعنی ہر سریہ میں شرکت کرتا۔

غزوہ اور سریہ میں فرق:

غزوہ وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں اور سریہ اس کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ اس کا اطلاق

چار سو سے کم افراد پر ہوتا ہے اور یہ سری سے ماخوذ ہے بمعنی نفیس چیز اس کو سریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں لشکر کے چنے ہوئے آدمی لئے جاتے ہیں۔

مشقت کے اسباب:

(۱) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہر سریہ میں شریک ہوتے تو مدینہ کا نظام مختل ہو جاتا کیونکہ اس صورت میں مدینہ میں فیصلے کون کرتا؟

(۲) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سریہ میں شریک ہوتے تو بعد میں آنے والے ہر امیر کیلئے ہر جنگ میں شریک ہونا ضروری سمجھا جاتا اور یہ یقیناً حرج ہے۔

(۳) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے تو ہر آدمی نکلنے کی کوشش کرتا اور سب کیلئے سواری کا انتظام مشکل تھا۔ اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہتے تو پیچھے رہنے والوں کو کوئی قلق نہیں ہوتا۔

لو ددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثمّ اُحییٰ ثم اُقتل ....

اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت بڑا ہے بلکہ شہید سے تو صدیق کا درجہ بھی بلند ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کیوں کی؟

جواب:

صحیح تر جواب یہ ہے کہ اُمت کو جہاد پر اُبھارنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نبوت کے شہادت کی تمنا کرتے ہیں تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار شہادت کی تمنا کا مطلب تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) کفر کی بقاء چاہتے ہیں؟ کیونکہ ہر بار جہاد جب ہی ہوگا جب کفر موجود ہو۔

جواب:

اس سے مقصد جہاد کی ترغیب ہے بقاء کفر نہیں ہے اور کفر تو ویسے بھی باقی رہے گا اور الجہاد ماض الی یوم القیامۃ سے اسی بقاء کی طرف اشارہ ہے۔

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

حدثنا اسماعیل.................... عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لهٗ ماتقدم من ذنبه

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) شعب الایمان کی تفصیل بتانا مقصود ہے۔

(۲) مرجیہٗ پر رد ہے کہ اعمال صالحہ مفید ہیں چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ قیام رمضان طاعات میں سے ہے بلکہ نفل میں ہے لیکن حدیث کے مطابق اس پر عمل کرنے والے کیلئے گذشتہ اعمال کی معافی کی بشارت ہے۔

(۳) ترکیب ایمان اور جزئیت اعمال کو ثابت کرنا مقصد ہے۔

(۴) معتزلہ کا رد ہے کیونکہ اہل سنت میں سے جو حضرات جزئیت اعمال کے قائل ہیں ان کے ہاں فرائض، سنن اور نوافل سب ایمان کے اجزاء ہیں جبکہ معتزلہ کے ہاں صرف فرائض ایمان کے اجزاء ہیں تو اس سے معتزلہ پر بھی رد ہوا۔ حدیث کی باقی تفصیل ''باب قیام لیلۃالقدر من الایمان'' کے تحت گذر چکی ہے۔

باب صوم رمضان احتساباً من الایمان

حدثنا ابن سلام.................... عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لهٗ ماتقدم من ذنبه

ترجمۃ الباب کا مقصد:

ترجمۃ الباب کے مقصد سے متعلق گذشتہ باتیں ہیں۔

اشکال:

گذشتہ ابواب قیام لیلۃ القدر اور تطوع قیام رمضان میں احتساباً کی قید نہیں ہے جبکہ صوم رمضان کے ساتھ ترجمۃ الباب میں احتساباً کی قید ہے حالانکہ تینوں احادیث میں

احتساباً کی قید ہے؟

جواب:

قیام لیلۃالقدر اوراور تطوع قیام رمضان کی ہیئت خود مُذ کر ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ ثواب کیلئے کھڑا ہوا ہے جبکہ صوم میں تو مفطرات ثلاثہ کا ترک ہے جو مُذکر نہیں ہے کیونکہ ترک مفطرات کبھی اور وجوہ کی بناء پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے بیوی سے ناراضگی کے سبب کھانا نہ کھانا وغیرہ۔

اشکال:

قیام رمضان نفل اور سنت ہے جبکہ صوم رمضان فرض ہے تو صوم کو مقدم کرنا مناسب تھا حالانکہ امام بخاریؒ نے قیام کو مقدم کیا اور صوم کو موٴخر کیا ہے؟

جواب:

(۱) قیام رمضان فعلی عبادت ہے جبکہ صوم ترکی عبادت ہے اور فعل مقدم ہوتا ہے ترک پر

(۲) قیام لیل میں ہوتا ہے اور صوم نہار میں اور شرعاً لیل مقدم ہوتی ہے نہار پر

(۳) غالب طور پر فرائض میں دخول سنن کے ذریعے ہوتا ہے جیسے ظہر اور فجر کی سنتیں اور دیگر نمازوں کیلئے سنن غیر موٴکدہ، امام بخاریؒ نے بھی اسی ترتیب کو قائم کیا ہے کہ صوم فرض ہے اور قیام سنت ہے تو فرض میں دخول سنت کے ذریعے ہوتا ہے۔

(۴) قیام رمضان تمہید ہے صوم کیلئے اس طرح کہ قیام طویل کرے گا تو سحری کا وقت ہوگا لہٰذا سحری کھا کر صوم رکھے گا اور تمہید مقدم ہوتی ہے مقصود پر

باب الدين يسر

وقول النبى صلى الله عليه وسلم أحب الدين الى الله الحنفية السمحة

حدثنا عبد السلام .... عن ابى هريرة رضى الله عنه قال ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه، فسددوا وقاربوا وابشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيئى من الدلجة.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اس سے پہلے امام بخاریؒ نے قیام رمضان، صوم رمضان اور جہاد کے ابواب قائم کئے اور یہ سب اعمال پرصبر اور مشکل تھے تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ دین کے تمام اعمال ایسے ہی مشکل ہوں گے تو اس وہم کو دور کرنے کیلئے یہ باب قائم کیا کہ یقیناً چند امور پر مشقت ہیں لیکن مجموعی طور پر دین آسان ہے بالخصوص گذشتہ ادیان کے مقابلے میں۔

(۲) خوارج اور معتزلہ پر رد ہے کہ دین میں اتنی شدت نہیں ہے جتنی تم لوگوں کی اختیار کی ہے کہ ایک نماز چھوٹ جائے تو کافر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ دین میں شدت نہیں ہے اور گناہ ہونے کی صورت میں توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

احب الدين الى الله الحنفية السمحة البيضاء......

اس حدیث کو تعلیقاً لائے ہیں اور جاننا چاہئے کہ تعلیقاتِ بخاریؒ دو قسم پر ہے:

(۱) وہ کہ ایک جگہ تو تعلیقاً لاتے ہیں لیکن اسی کتاب میں دوسرے مقام پر موصولاً بھی لاتے ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ اس حدیث کو بخاری میں تو تعلیقاً لاتے ہیں اور پھر بخاری میں ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی اور کتاب میں موصولاً ذکر کرتے ہیں تو یہ حدیث دوسری قسم سے ہے۔ اس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور امام احمد نے مسند احمد میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

احب الدين الى الله الخ

(۱) الف لام اگر عہدی ہے تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں رخصت والے اعمال زیادہ محبوب ہیں۔

(۲) اگر الف لام جنسی ہو تو معنی ہوگا کہ ادیان میں سب سے زیادہ محبوب دین حنفی ابراہیمی ہے۔

الحنفية..................

حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے اس کا معنی ہے باطل سے منہ موڑ کر حق

کی طرف مائل ہونے والا علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عطاؔر کا شعر نقل کیا ہے

از یکے گو از ہمہ یکسوئے باش یک دل ویک قلب ویک روئے باش

السمحة (السھلة) ادیان سابقہ کے مقابلے میں آسان ہے مثلاً ان کی نمازیں پچاس تھیں، نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی تھی، توبہ قتل النفس ہوتی تھی کپڑا نجس ہونے پر کاٹ دیا جاتا تھا اور گناہ پر دنیا میں رسوائی ملتی وغیرہ

ان الدین یسر......

(۱) یسر کا حمل دین پر حمل مبالغہ ہے زیدٌ عدلٌ کی طرح

(۲) یسر بمعنی ذو یسر ہے۔ یعنی دین آسانی والا ہے۔

لن یشاد الدین احد الا غلبه ....

دین مفعول ہے اور احد فاعل ہے مطلب یہ ہے کہ دین میں شدت اختیار کرنے والا رخصت پر عمل نہ کرنے والا آخر کار عمل کرنے سے بیزار ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے ضعف انسانی کے لحاظ سے اعمال مقرر کئے ہیں۔

سدّدوا...........

اس کا معنی ہے اطلبوا السداد سیدھا راستہ بین الافراط والتفریط یعنی میانہ روی

قاربوا...........

اگر اکمل پر عمل نہیں کر سکتے تو اکمل کے قریب پر عمل کرو علامہ تیمیؒ فرماتے ہیں کہ قاربوا کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) عبادات میں میانہ روی اختیار کرو اس میں مبالغہ نہ کرو (۲) ایک دوسرے کے ساتھ قرب اور تعاون اختیار کرو۔ اس میں سے پہلا والا معنی اس مقام پر زیادہ مناسب ہے۔

ابشروا...........

اعمال صالحہ کی جزاء پر خوشخبری حاصل کرو۔

غدوة...........

ما بین صلوة الغداة الی طلوع الشمس کے وقت کو کہتے ہیں۔

روحة...........

زوال کے بعد چلنے کو کہتے ہیں۔

الدلجة......

آخری شب کے چلنے کو کہتے ہیں، بعض حضرات پوری شب چلنے کا معنی بھی کرتے ہیں۔

ان الفاظ کا مطلب:

ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ایک مسافر سے تشبیہ دی ہے کہ اگر مسافر دن رات چلتا رہا تو آخر تھک ہار کر بیٹھ جائے گا اور اگر ان تین اوقات کا لحاظ رکھ کر سفر کرے گا تو تکلیف نہیں ہوگی ایسی ہی مسلمان اگر رخصت پر عمل کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرے گا تو کامیاب رہے گا۔

باب الصلٰوۃ من الایمان

وقول اللہ تعالیٰ: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم عند البیت......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پچھلی حدیث میں استعینوا بالغدوۃ والروحۃ کے الفاظ آئے ہیں کہ ان اوقات سے عبادت میں استعانت حاصل کرو تو ان الفاظ کی وضاحت کیلئے یہ باب قائم کیا ہے کہ اس سے استعانت فی العبادۃ مراد ہے اور عبادت میں سب سے افضل نماز ہے گویا مراد یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز ادا کرو۔

(۲) شعب ایمان کا بیان جاری تھا درمیان میں الدین یسر کا باب استطراداً لائے اب پھر اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہیں کہ نماز بھی شعب الایمان میں سے ایک شعبہ ہے۔

(۳) بنی الاسلام علیٰ خمس کے بعد یہ باب مکرر لائے ہیں مقصد تاکید صلوٰۃ کو بیان کرنا ہے۔

(۴) مرجیۃ پر رد ہے۔

(۵) ترکیب ایمان اور جزئیت اعمال کا ثبوت ہے۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلاتکم عندالبیت......

چند باتیں قابل بیان ہیں:

پہلی بات:

تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد عطاء نبوت اور قبل التحویل کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اس میں دو قول ہیں:

(الف) مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بیت اللہ قبلہ تھا اور مدینہ میں یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت المقدس قبلہ مقرر ہوا چنانچہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اول ہی سے بیت المقدس قبلہ تھا البتہ مکہ میں آپ کیلئے ممکن تھا کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف ایک ساتھ مواجہت فرمائیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے جس کی وجہ سے کسی پر اظہار نہیں ہوسکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کونسا ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اب دونوں کی طرف ایک ساتھ مواجہت ممکن نہیں تھی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کرنے لگے اس سے اظہار ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت المقدس ہے۔

قول اول کی بناء پر نسخ مرتین لازم آتا ہے اور قول ثانی کی بناء پر نسخ مرۃ لازم آتا ہے۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواجہت آپ کا اجتہاد تھا یہ حکم خداوندی تھا؟

علامہ شبری احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ قبل التحویل آپ کی مواجہت الی القبلہ اجتہادی معاملہ تھا کہ مکہ میں اہل مکہ کی تالیف قلب کیلئے بیت اللہ کی مواجہت کی اور مدینہ میں یہود کی تالیف قلب کیلئے بیت المقدس کی مواجہت کی۔

علامہ انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ قبلہ کا معاملہ اس وقت تقسیم بلاد کے لحاظ سے تھا مکہ اور اس کے نواح کیلئے تو بیت اللہ قبلہ تھا جبکہ شام اور اس کے نواح کیلئے بیت المقدس

قبلہ تھا۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم خداوندی تھا بناء پر قولین کہ اولاً بیت اللہ شریف تھا یہ بیت المقدس تھا۔

تیسری بات:

یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کیا؟

شان نزول:

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶ یا ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے اور اسی کو قرآن مجید میں **قد نری تقلب وجھک** سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی دوران چند صحابہ کرام کا انتقال ہو گیا تو ان کے ورثاء کہنے لگے کہ ہمارے اقارب تو بیت المقدس کی مواجہت کرتے تھے لیکن لگتا ہے کہ اصل قبلہ بیت اللہ ہے لہٰذا ہمارے اقارب کا کیا حکم ہے ان کی نمازیں قبول ہیں یا نہیں؟ اس طرح ان کا اجر پورا پورا ہوگا یہ ان لوگوں سے کم ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اشکال کیوں پیش آیا؟

جواب:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اسلام میں پہلا نسخ تھا صحابہ کرامؓ نسخ کے حکم سے واقف نہیں تھے لہٰذا اشکال پیدا ہونا ممکن ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے نماز کے بارے میں نسخ کا حکم ہو چکا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا فرمان ہے صحابہ کرامؓ کو دو موقعوں پر اشکال وا ہے ایک تحویل قبلہ کے موقع پر دوسرا حرمت خمر کے بارے میں اور یہ اشکال اس لئے ہوا کہ یہ دونوں حکم تدریجاً نازل ہوئے اور صحابہ کرامؓ کو اس کا انتظار ہا چنانچہ خمر کے بارے میں پہلے نازل ہوا تھا "**فیھما اثم کبیر و منافع للناس**" اور پھر **ولا تقربو الصلوة وانتم سکاری** نازل ہوا اور پھر حرمت قطعی کیلئے **انما الخمر والمیسر الی فھل انتم منتھون الایة** نازل ہوا اور ایسے ہی

تحویل قبلہ کا حکم بھی تدریجاً نازل ہوا صحابہ کرامؓ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حکم منسوخ ہو کر رہے گا لہٰذا ان کو یہ اشکال پیش آیا۔

ای صلاتکم عند البیت......

اشکال:

صحابہ کرامؓ کو اشکال تو مدینہ کی نمازوں کے بارے میں ہو رہا ہے جبکہ امام بخاریؒ کی تفسیر سے مکہ کی نمازوں کا حکم معلوم ہو رہا ہے لہٰذا سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب:

(۱) عند البیت محرف ہے اصل میں لغیر البیت تھا کاتب کی غلطی کی وجہ سے عند البیت لکھا گیا۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس بات کو رد کیا ہے کہ بخاری شریف کی تمام نسخوں میں عند البیت ضبط ہے لہٰذا تحریف کا قول غلط ہے اس اشکال کے جواب کیلئے بہت سی تاویلات کی گئی ہیں۔

(۲) صحیح تر جواب وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جگہ پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے ایک بیت اللہ کے پاس رہ کر اور مدینہ میں رہ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہے تو اس آیت میں یہ بیان ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے بیت اللہ کے پاس آپ نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں وہ ضائع نہیں ہونگی تو دور رہ کر جو نمازیں پڑھی ہیں وہ کیسے ضائع ہونگی۔

اول ما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ نزل علی اجدادہ او قال اخوالہ......

(۱) یہ مدینہ کے لوگ بنو عدی بن نجار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اجداد یا اخوال نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے اجداد تھے مجازاً ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجداد کہا گیا ہے۔ واقعہ یوں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی دادا ہاشم نے مدینہ کی ایک عورت سلمٰی سے نکاح کی جس سے شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) پیدا ہوئے بعد میں ہاشم کا انتقال ہوا شام کے علاقے میں اور شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) مدینہ میں جوان

ہونے لگے تو شیبہ کا چچا مطلب آپ کو لینے کیلئے مدینہ آیا اور اپنے ساتھ مکہ واپس لے گیا لوگوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ مطلب نے غلام خریدا ہے جس سے شیبہ الحمد کا نام عبد المطلب بن گیا۔

(۲) اس طرح ایک اور مجاز یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جن لوگوں کے پاس اُترے تھے وہ بنی مالک بن نجار تھے یہ بنو عدی من نجار کے چچا زاد تھے لہٰذا ان کو مجازاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجداد واخوال کہا گیا ہے۔

انه صلّٰی قبل البیت ستة عشر شهراً او سبعة عشر شهراً......

علامہ کرمانیؒ کا قول:

(۱) بیت المقدس یا تو مصدر میمی یا ظرف مکان مَفْعِل کے وزن پر بیت المقدس ہے۔

(۲) باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ بیت المقدّس ہے۔

(۳) احتمال کے طور پر تفعیل سے فاعل کے وزن پر بھی پڑھ سکتے ہیں بیت المقدِّس۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواجہت بیت المقدس کتنے عرصے کی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ کو ہجرت الی المدینہ کی اور دوسرے سال مشہور قول اور حافظ ابن حجرؒ کے مطابق جمہور کے قول پر ۱۵ رجب کو تحویل قبلہ کا حکم آیا تو اب مدت کا شمار دو طرح سے ہوگا:

(۱) ۱۲ ربیع الاول سے لیکر اگلے سال ۱۵ رجب تک ایک ایک دن گن لیں تو ۱۶ مہینے تین دن بنتے ہیں پھر کسور کو نکال کر ۱۶ مہینے بن گئے۔

(۲) ربیع الاول کا ناقص مہینہ پورا اور رجب کا ناقص مہینہ پورا شمار کرلیں تو ۱۷ مہینے بنتے ہیں لہٰذا ستة عشر اور سبعة عشر کی روایت درست ہے۔

تحویل قبلہ کی مدت کے بارے میں روایات:

ابن حجرؒ کے قول کے مطابق تحویل قبلہ کی مدت کے بارے میں مختلف روایات ہیں:

(۱) ستة عشر شهراً بالجزم

(۲) سبعة عشر بالجزم

(۳) ستة عشر او سبعة عشر بالشك

(۴) ۱۸ ماہ بالجزم

(۵) دو سال بالجزم

(۶) نو ماہ

(۷) دس ماہ

(۸) نو یا دس بالشک

(۹) شہرین بالجزم

حافظؒ کی رائے یہ ہے کہ سب سے مشہور قول ستة عشر او سبعة عشر کا ہے باقی روایات ضعیف ہیں۔ البتہ سنتین کا قول بھی درست قرار دیا جا سکتا ہے کہ سنتین ناقص کو سنتین کامل شمار کیا جائے۔

کان یعجبه ان تکون قبلة قبل البیت.........

اس پسندیدگی کی وجوہات:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنو اسماعیل سے تھا اور بنو اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ تھا جبکہ بنو اسحٰق کا قبلہ بیت المقدس تھا

(۲) اتبع ملة ابراهيم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم ہے اور حضرت ابراہیم کا قبلہ بیت اللہ تھا اور اس اتباع کا تقاضا تھا کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی تالیف قلوب مقصود تھی کیونکہ عرب بیت اللہ کے قبلہ ہونے سے مانوس تھے اور بیت المقدس سے مانوس نہیں تھے۔

وانه صلّی اول صلوة صلاها صلٰوة العصر......

یہ مقام تفصیل کا محتاج ہے:

(۱) مقام تحویل:

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے نقل کیا ہے کہ تحویل کا حکم (الف) مسجد نبوی میں آیا

(ب) مسجد بنو حارثہ میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم براء بن معرور کی والدہ سے حضرت براء کی تعزیت کیلئے گئے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھانے کا انتظام ہوا اسی دوران صلوٰۃ الظہر کا وقت ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم آیا تو چونکہ بیت المقدس مدینہ سے شمال کی جانب ہے اور بیت اللہ بالکل عکس جنوب کی جانب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے چل کر عورتوں کی جگہ پر آئے اور عورتیں سب سے پیچھے چلی گئیں اور دیگر مردوں نے منہ پھیر لئے۔

وقت تحویل:

بخاری شریف میں عصر کی نماز کا ذکر ہے جبکہ دیگر بعض روایات میں نماز ظہر کا ذکر ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مسجد نبوی میں ظہر کے وقت نازل ہوا۔ اور بعض میں ہے کہ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کے وقت تحویل کا حکم آیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق:

حافظ ابن حجرؒ نے ''والتحقیق'' کہہ کر ذکر کیا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مسجد بنی سلمہ میں ظہر کے وقت آیا ہے البتہ مسجد نبوی میں بیت اللہ کی طرف پڑھی گئی سب سے پہلی نماز عصر کی تھی یا یہ کہ بیت اللہ کی طرف سب سے پہلی پوری نماز عصر کی پڑھی گئی کیونکہ ظہر کے وقت تو صرف دو رکعت پڑھی گئی تھیں۔

وصلّٰی معہ قوم فخرج رجل ....

اس رجل کا نام (۱) عباد بن نہیک (۲) عباد بن بشر بن قیظی بنو حارثہ کے امام وھذا اصح

اور یہ مسجد بنو حارثہ کی مسجد تھی۔

اس مقام پر تین اشکالات ہوتے ہیں:

اشکال (۱):

بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو قطعی تھا تو خبر واحد سے قطعی کیوں چھوڑ دیا گیا؟ کیونکہ خبر واحد تو زیادہ سے زیادہ مفید الظن ہے۔

جواب:

خبر واحد جب **محتف بالقرائن** ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے اور یہاں بھی **محتف بالقرائن** تھی کیونکہ صحابہ کرامؓ کو "قد نری تقلب وجھك" سے معلوم ہو گیا تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم آئے گا۔

اشکال (۲): قوم نے جب نماز ہی میں سمت بدلی تو یہ عمل کثیر ہے جو مفسد الصلوٰۃ ہے؟

جواب:

(۱) اس وقت عمل کثیر مفسد الصلوٰۃ نہیں تھا۔

(۲) مشی توالی قدمین کے ساتھ ہو تو مفسد الصلوٰۃ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف سے ساتھ مشی کی تھی۔

(۳) نماز میں ضرورۃً مشی جائز ہے جیسے محدث کیلئے۔ تو اس لئے الضروریات تبیح المحذورات کے قاعدے پر مشی جائز ہے۔

اشکال (۳):

خارج الصلوٰۃ کی تلقین قبول کرنا مفسد الصلوٰۃ ہے اور یہاں بنو حارثہ نے خارج کی تلقین پر قبلہ تبدیل کیا؟

جواب:

تلقین خارج صلوٰۃ کے قبول کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) فی الفور قبول کرنا

(۲) تلقین کے بعد توقف کرنا اور سوچنے کے بعد غلطی کا ازالہ کرنا یہاں پر دوسری صورت واقع ہوئی ہے اور یہ مفسد الصلوٰۃ نہیں ہے۔

وکانت الیهود وقد اعجبهم اذا کان یصلی قبل بیت المقدس واهل الکتاب.........

اھل الکتاب کا عطف کس پر ہے؟

(۱) الیہود پر، اس کی دوصورتیں ہیں:

(الف) عطف الخاص علی العام کہ یہود سے عام یہودی مراد ہوں تو اہل کتاب سے علماء یہود مراد ہوں

(ب) یہود سے تو یہود ہی مراد ہوں اور اہل کتاب سے نصاریٰ مراد ہوں تو اس صورت میں یہود کی خوشی تو ظاہر ہے لیکن نصاریٰ کیوں خوش تھے (۱) اس لئے کہ چونکہ نصاریٰ کا قبلہ بیت الحمد تھا اور بیت المقدس اور بیت الحمد مدینہ سے ایک ہی جانب میں تھے اور بیت المقدس کی طرف مواجہت کی صورت میں بیت الحمد کی مواجہت بھی ہوتی تھی ۔(۲) نصاریٰ اس لئے خوش تھے کہ چلو یہود بھی ہمارے بھائی ہیں ان کی خوشی ہماری خوشی ہے۔

(۲) علامہ کرمانیؒ نے لکھا ہے کہ او بمعنی مــع کے ہے یعنی معیت کیلئے ہے اور اہل الکتاب کو منصوب پڑھیں مفعول معہ ہونے کی بناء پر عبارت یوں ہوگی ۔و کــانــت الیہو د قد اعجبھم اذا کان یصلّی مع اھل الکتاب

فلما وجھه الی البیت فانکروا ذالك............

انکار کی وجہ:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ آج ایک حکم ہے اور کل دوسرا حکم ہوتا ہے اور اس کو قرآن نے سیقول السفھاء من الناس سے رد کیا ہے۔

قال زھیر حدثنا ابو اسحاق.................... انه مات علی القبلة الحدیث

اس میں دو قول ہیں:

(۱) یہ تعلیق ہے

(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیق نہیں ہے۔ بلکہ یہاں واؤ حرف عطف محذوف ہے اور یہ حدیث اسی سند سابق سے منقول ہے۔

انه مات علی القبلة قبل ان تحول رجال وقتلوا......

(۱) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ تحویل سے قبل دس آدمیوں کا انتقال ہوا ہے تین مکہ میں پانچ حبشہ میں اور دو مدینہ میں وفات پا چکے تھے یہ دس متفق علیہ ہیں۔ بعض نے چند اور بھی

ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا ایمان متفق علیہ نہیں ہے۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ تحویل سے قبل کونسا مؤمن شہید ہوا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ راوی کی غلطی ہو کہ مات اوقتلو ادونوں لایا ہے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ قتلوا کا لفظ محفوظ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ:

ممکن ہے کہ اس سے ضعاف المسلمین مراد ہوں جو قریش کے مظالم سے شہید ہوئے۔

باب حسن اسلام المرء

پہلی حدیث:

قال مالک اخبر نی ....ان ابا سعید الخدری انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم بقول : اذا اسلم العبد فحسن اسلامه یکفر الله عنه کل سیئة کان زلفها ......

دوسری حدیث:

حدثنا اسحاق عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اذا احسن احد کم اسلامه فکل حسنة یعملها تکب له بعشر امثالها الیٰ سبع مائة ضعف و کل سیئة بعملها تکتب له بمثلها . الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اس سے ایمان کی زیادت ونقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ جب انسان اخلاص سے اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے جب دل کو مزید اطمینان ہوتا ہے تو اس انشراح سے اور حسن پیدا ہوتا ہے اور جب اعمال صالحہ پر دس گناہ سے لے کر سات سو گناہ تک اجر ملتا ہے تو مزید حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کے اعمال کرنے سے ایمان کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کرنے سے نقصان آتا ہے۔

(۲) مرجیۂ پر رد ہے کہ فقط تصدیق قلبی کافی نہیں بلکہ حسن فی الایمان کیلئے اعمال ضروری ہیں۔

(۳) خوارج، معتزلہ پر رد ہے کہ ارتکاب معاصی سے فقط حسن الایمان میں کمی آتی ہے انسان ایمان سے خارج یا کافر نہیں ہوتا۔

اس باب کا ماقبل سے ربط:

حافظ ابن حجرؒ کی رائے:

ماقبل باب میں ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دین میں بڑے حریص تھے کہ تحویل قبلہ سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھتے ہیں اس سے امام بخاریؒ کا ذہن تحریم خمر کی طرف گیا اور حرمتِ خمر کی آیات کے آخر میں ان اللہ یحب المحسنین ہے تو اس احسان کی وجہ سے حسن الاسلام کا باب باندھا۔

علامہ عینیؒ کی رائے:

پہلا باب تھا ''الصلوٰۃ من الایمان'' اور اب حسن الاسلام کا باب ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اسلام میں حسن نماز سے آتا ہے لہٰذا مناسبت ظاہر ہے۔

حسن الاسلام کا معنیٰ:

حسن اسلام کنایہ ہے اخلاص باطنی اور انقیاد ظاہری سے۔

ابن بطالؒ کے ہاں اسلام کا معنیٰ اعبد ربک کأنک تراہ ہے۔

قال مالك اخبرنی......

یہ تعلیق ہے اور ان تعلیقات میں سے ہے جن کو امام بخاریؒ دوسری جگہ موصولاً ذکر نہیں کیا ہے ایسی روایات کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ یہ تعلیقات اگر امام بخاریؒ بالجزم لائے ہیں تو یہ صحیح ہوگی جیسے یہاں پر قال مالک کے ساتھ بالجزم لائے ہیں اگر کہیں بالجزم نہ لائے ہوں تو اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔

یغفر اللہ کل سیئۃ کان زلفھا ...... امام بخاریؒ نے یہاں اتنا ہی ذکر کیا ہے لیکن نسائی وغیرہ میں ہے کہ '' ویکتب لہ کل حسنۃ کان زلفھا''

امام بخاریؒ نے اس ٹکڑے کو کیوں حذف کیا؟

حافظؒ اور علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ اس کو عمداً ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہ ٹکڑا اصول دین کے

خلاف ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ زمانہ کفر کے اعمال صالحہ معتبر نہیں ہوتے لیکن حافظؒ نے امام نوویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ محققین اس مسئلہ سے اختلاف ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) کہ کافر اعمال صالحہ کرتا رہا لیکن آخر حیات تک کافر رہا اور مات علی الکفر تو اس کے طاعات بالاتفاق باطل ہیں

(۲) ابن منیرؒ، علامہ قرطبیؒ اور امام نوویؒ کا قول ہے کہ زمانہ کفر میں اعمال صالحہ کرتا رہا پھر مسلمان ہوا تو اب بعد الاسلام وہ گذشتہ طاعات اعمال نامہ میں لکھے جائیں گی اور یہ قواعد دین کے خلاف نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا ورنہ قاعدہ تو یہ ہے کہ اعمال تین قسم کے ہیں:

(۱) طاعات یعنی موافقة الامر.

(۲) قربات اس میں من یتقرب الیہ کی معرفت ضروری ہے ورنہ عمل مقبول نہیں

(۳) عبادات: اس میں موافقۃ الامر من یتقرب الیہ کی معرفت کے علاوہ نیت بھی ضروری ہے۔

تو اب صورتحال یہ ہے کہ کافر طاعات تو کرسکتا ہے لیکن قربت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ورنہ پھر کافر کیوں ہوتا اور عبادت بھی اس سے صادر نہیں ہوسکتی کیونکہ کافر ہونے کی بناء پر نیت نہیں ہے۔

زمانہ کفر کے اعمال مفید کہنے والوں کے دلائل:

(۱) حدیث الباب ویکتب لہ کل حسنة کان زلفها ای قدم فی زمن الکفر

(۲) حکیم بن حزام کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ! ارأیت اشیاء اتحنث بها فی الجاهلية من صدقة او عتاقة وصلة رحم فهل فيها من خير؟ فقال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم: اسلمت علی ما سلف من خير اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسلمت علی ما اسلفت من خير.

(۳) حضرت عائشہ کی حدیث کہ جدعان جاہلیت میں مرا تھا اور وہ صدقہ وصلہ رحمی

کرتا تھا حضرت عائشہؓ نے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ اعمال اس کیلئے مفید ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " لا ینفعه انه لم یقل یوماً رب اغفرلی خطیئتی یوم الذین" یعنی وہ بعث بعد الموت کا قائل نہیں تھا اگر بعث بعد الموت کا قائل ہوتا تو یہ اعمال مفید ہوتے۔

یکفر اللّٰه کل سیئة کان زلفها......

یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) زلفها کو قاضی عیاضؒ اور حافظؒ نے تخفیف کے ساتھ درست کہا ہے جبکہ امام نوویؒ نے تشدید کے ساتھ زلّفها درست بتایا ہے اور ابن سیدہ نے ازلف بمعنی قرّب کہا ہے۔

(۲) محو السیئات کا مسئلہ: اس میں دو قول ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کے معاصی معاف ہو جاتے ہیں چاہے بعد میں اعمال صالحہ کرے یا نہ کرے۔

(۲) امام احمد بن حنبلؒ، شوافع میں سے امام بیہقی اور احناف میں سے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر کے معاصی معاف ہوتے ہیں لیکن درج ذیل شرائط کے ساتھ:

(۱) ایمان کے بعد ان گناہوں سے توبہ کرے (۲) ان گناہوں کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے اگر دوبارہ ارتکاب کرے گا تو اُخذ بالاوّل والآخر

امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے دلائل:

(۱) ویخلد فیه مهاناً الا من تاب وامن عمل عملاً صالحاً یعنی اس کا اجر توبہ اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

(۲) حدیث میں ہے کہ اگر زمانہ کفر کے معاصی ترک نہ کرے تو اُخذ بالاوّل والآخر۔

جمہور کے دلائل:

(۱) قل للذین کفروا ان ینتهوا یغفر لهم ما قد سلف. ای منعوا عن

الکفر یہ کنایہ ہے ایمان سے تو کفار کی مغفرت کو ایمان کے ساتھ مقید کیا۔

(۲) عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ایک آدمی نے کفر میں فلاں فلاں گناہ کئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ ان الاسلام یهدم ما كان قبله.

(۳) حدیث الباب بھی مستدل ہے کہ جس میں ذکر ہے کہ ایمان لانے کے بعد قصاص کا معاملہ ہوگا۔

(۴) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو قتل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو قتل کیا ہے؟ تو اسامہ نے کہا یارسول اللہ! اس نے جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هلاّ شققت قلبه تو اسامہ کہتے ہیں کہ کاش میں آج اسلام لاتا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اسلام ماقبل کیلئے ھادم ہے۔

تكتب له كل حسنة يعملها بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف.......

جمہور کے ہاں ۷۰۰ گنا سے اجر بڑھ سکتا ہے کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ تكتب له كل حسنة يعملها بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف ويضاعف لمن يشاء الى اضعاف كثيره او كما قال اور بعض میں الى الفى الف یا دولاکھ کا ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا تفضّل وتکرم ہے۔

باب احب الدين الى الله ادومه

حدثنا محمد بن المثنى.................. عن عائشة رضى الله عنها قالت ان النبى صلى الله عليه وسلم دخل عليها وعندها امرأة قال من هذه؟ قالت فلانة تذكر من صلاتها قال مه عليكم ماتطيقونه فوالله لايمل الله حتّٰى تملوا الحديث

ماقبل کے ساتھ مناسبت:

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل کے ساتھ مناسبت اس طرح سے ہے کہ پیچھے بیاں تھا کہ حسن اسلام مطلوب ہے اور حسن اسلام اعمال سے آتا ہے لہٰذا خدشہ تھا کہ لوگ حصول حسن کیلئے اعمال میں غلو نہ کرلیں تو یہ باب قائم کیا کہ حسن فی الاسلام یقیناً اعمال سے آتا ہے لیکن غلو کرنے کے نتیجے میں وہ عمل ترک ہوجائے گا اور نتیجۃً حسن اسلام رہ جائے گا لہٰذا غلو فی الاعمال سے احتراز کرو اور حسب طاقت عمل پر دوام اختیار کرو۔

(۲) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ سابق باب میں بیان ہوا کہ حسن فی الاسلام اعمال سے آتا ہے تو اس باب سے اشارہ اس طرف ہے کہ حسن فی الاسلام ان اعمال سے آتا ہے جن میں مداومت ہو۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ اعمال پر دین کا اطلاق ہوتا ہے اور دین، ایمان اور اسلام مترادف ہیں لہٰذا اعمال پر ایمان کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں تو اس سے ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) ابن بطالؒ کا قول ہے کہ مرجیۂ پر رد ہے اس طرح کے اعات مفید ہیں اور سیئات مضر ہیں یہاں اعمال پر دین کا اطلاق ہوا ہے جس سے اعمال کی اہمیت ثابت ہوتی ہے اور اسی طرح دائمی اعمال کرنے کا حکم ہے گویا ترک عمل سے منع کیا گیا ہے۔ تو اسے ترک عمل کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا.........

دو باتیں قابل بحث ہیں:

(۱) حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہ عورت بنو اسد کی عورت تھی اور حضرت خدیجہ کے خاندان سے تھی اس کا نام حولاء بنت تویت بن حبیب بن اس بدن عبدالعزیٰ تھا۔

(۲) اس حدیث میں **دخل علیہا و عندھا امرأۃ** ہے جبکہ مسلم میں ہے **مرت بہا امرأۃ و عندھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم** اور بعض روایات میں **مرت بہ الحولاء** ہے تو

حدیث کے الفاظ میں اختلاف کیوں؟

جواب:

بعض شراح نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو متعدد ہی ہے کہ لیکن عورت ہر بار حولاء ہے لیکن اصح بات یہ ہے کہ نہ تعدد واقعہ اور نہ تعدد عورت بلکہ تطبیق یوں ہے کہ حولاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے سے داخل ہوئے تو یہ اُٹھ کر چلنے لگی تو مـرّت بھـا ہو گیا اور چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزر گئی تو مرّت بہ ہو گیا لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

قال من هذه قالت فلانة......

فلانۃ کنایہ ہے اسم سے اور یہ غیر منصرف ہے۔

تذكر من صلاتها.............

تذکر من چند احتمالات ہیں:

(۱) یہ مؤنث غائب معروف کا صیغہ ہو اور ضمیر لفظ عائشہ کی طرف راجع ہو

(۲) تُذکر یہ مؤنث مجہول کا صیغہ ہو اور ضمیر اس عورت کی طرف راجع ہو

(۳) یُذکر مذکر مجہول ہو

اشکال:

حضرت عائشہ نے عورت کے منہ پر تعریف کی حالانکہ حدیث میں اس سے منع آیا ہے۔

جواب:

(۱) حضرت عائشہ کو معلوم تھا کہ یہ عورت تعریف سے تکبر اور غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوگی اور حدیث میں منع کی یہی علت ہے۔

(۲) ابـن التیـن فرماتے ہیں کہ عورت کے سامنے تعریف نہیں کی تھی بلکہ وہ اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

فقال مه............

یہ اسم فعل ہے بمعنیٰ أکفف حافظؒ فرماتے ہیں یہ مـاهذا تھا۔ اس زجر کی دو صورتیں ہیں:

(۱) خطاب حضرت عائشہ کو ہو لیکن اس صورت میں حدیث کا اصل مطلب حاصل نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں غلو فی الاعمال سے منع مقصد ہے۔

(۲) یہ خطاب اس عورت کو ہو کہ ایسے شاق اعمال مت کرو

فو اللّٰہ لا یمل اللّٰہ حتّٰی تملوا......

حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر استحلاف کے قسم اُٹھانا جائز ہے۔

"مـلـ" سمع سے ہے اردو میں اس کا معنی ہے اکتا جانا اور عربی میں کسی چیز سے محبت رکھنے کے بعد نفرت پیدا ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتاتے جب تک کہ تم عمل سے نہ اکتا جاؤ۔ حافظ ابن حجرؒ نے ملال کے چند اور معنی ذکر کئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کمی نہیں حتّٰی تترکوا العمل

(۲) حتّٰی بمعنی اذا کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی نہیں تھکتے جب تم تھک جاتے ہو جیسے بلیغ آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لاینقطع الفلان حتّٰی ینقطع الخصوم

واجب الوجود کیلئے ملال کا استعمال:

حافظؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ملال کا استعمال اللہ تعالیٰ کیلئے مجازاً اور مشاکلۃً ہوا ہے ورنہ ملال تو حدیث اور انفعال پر دلالت کرتا ہے واللّٰہ منزہ عنہ، اس کی مثال جیسے قرآن کریم میں ہے وجزاء سيئة سيئة مثلها اور جیسے فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم کہ اگر مشرکین اشہر حرم کی رعایت نہ رکھیں تو آپ بھی مقابلہ کریں حالانکہ یہ مشرکین کی طرف سے تو اعتداء تھا لیکن مسلمانوں کی طرف سے اعتداء نہیں تھا لیکن مشاکلۃً اعتداء کہا گیا اور ایسے ہی جزاء السيئة کو مشاکلۃً سیئۃ کہا گیا ہے۔

وكان احب الدين اليه...... اى احب الاعمال اليه

الیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:

(۱) ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

(۲) ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے جیسے ترجمۃ الباب میں احب الدین الی اللہ ہے۔

لیکن دونوں صورتوں میں معنی ایک ہوگا کیونکہ احب الی اللہ احب الی الرسول ہے۔

باب زيادة الايمان ونقصانه

وقول الله عزّوجل وزدناهم هدىً۔ يزداد الذين امنوا الاية وقال اليوم اكملت لكم دينكم

ماقبل سے ربط:

پہلے باب میں احب الدين الى الله ادومه تھا اس باب میں اشارہ ہے کہ دوام عمل زیادت فی الایمان کا سبب ہے اور ترک عمل سے ایمان میں نقصان آتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد واضح ہے کہ کتاب الایمان کے شروع میں بنی الاسلام علیٰ خمس وهو قول وفعل ويزيد وينقص کا باب کا قائم کیا تھا تو یہاں اس دعویٰ کی مزید وضاحت اور تاکید کیلئے یہ باب قائم کیا۔

اشکال:

امام بخاریؒ نے ابتداء میں زیادت ونقصان فی ایمان کا مسئلہ بیان کیا ہے تو اب دوبارہ یہ باب زیادۃ الایمان ونقصانہ تکرار ہے کیونکہ بنی الاسلام علیٰ خمس میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔

جواب:

(۱) وہاں پر زیادت ونقصان کا مسئلہ تبعاً مذکور تھا اور وہ باب جامع تھا اور یہ بعد کے ابواب اس کی تفصیل ہیں لہٰذا وہ بمنزلہ عنوان کے ہے اور یہ تفصیل ہے اور عنوان اور تفصیل میں تکرار نہیں ہوتی۔

(۲) وہاں پر زیادت ونقصان کا مسئلہ تبعاً اور ترکیب ایمان کا مسئلہ اصالۃ مذکور تھا تو وہاں زیادت ونقصان کا ذکر ضمناً اور تبعاً تھا اور یہاں اصالۃ ہے لہٰذا کوئی تکرار نہیں۔

(۳) وہاں پر زیادت ونقصان فی الاسلام کا بیان تھا کیونکہ یزید وینقص میں ضمیر اسلام کی طرف راجع ہے تو اگر چہ امام بخاریؒ کے ہاں ایمان، اسلام متحد ہیں لیکن جولوگ فرق کرتے ہیں ان کیلئے اشکال کا موقع مل سکتا تھا کہ آپ نے تو اسلام میں زیادت ثابت کی ہے ایمان میں ثابت نہیں کی لہٰذا امام بخاریؒ نے اس وہم کو دفع کرنے کیلئے یہ باب قائم کیا۔

اشکال:

اس باب کا مقصد اور گذشتہ باب تفاضل اهل الایمان کا مقصد ایک ہی ہے لہٰذا ان دونوں ابواب میں تکرار ہے۔

جواب:

(۱) تفاضل اهل ایمان میں اہل ایمان کے اعتبار سے زیادت کا بیان ہے اور یہاں نفس ایمان (تصدیق) میں زیادت ونقصان کا بیان ہے لہٰذا تکرار نہیں۔

(۲) وہاں پر زیادت اعمال کے اعتبار سے ہے اور یہاں زیادت کا بیان مؤمن بہ کے اعتبار سے ہے کہ جس حکم پر ایمان لایا ہے وہ احکام بڑھتے رہتے ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ کا طریقہ ہے کہ جس چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو مختلف طریقوں سے تھوڑے سے عنوانات بدل بدل کر ابواب قائم کرتے ہیں تاکید کیلئے جیسے مدعا کے ثبوت کیلئے مختلف دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور کثرت دلائل تکرار نہیں۔

قول الله وزدناهم هدی......

امام بخاریؒ نے اپنے دعویٰ کیلئے تین آیات کریمہ بطور دلیل پیش کی ہیں (۱) وزدناهم هدی (۲) ویزداد الذین امنوا یہ دونوں آیات پہلے بھی لا چکے ہیں البتہ (۳) آیت الیوم اکملت لکم دینکم الایة یہ آیت پہلے نہیں لائے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کا قول:

امام بخاریؒ کے دعویٰ کے دو جز ہیں: (۱) زیادت ایمان (۲) نقص ایمان
پہلی دونوں آیات سے زیادت تو صراحۃً ثابت ہوتی ہے لیکن نقصان صراحۃً ثابت نہیں ہوتا تو اکملت لکم والی آیت لائے ہیں کیونکہ جب دین میں کمال ثابت ہوگا تو نقصان

جو اس کی ضد ہے وہ بھی لامحالہ موجود ہوگا چنانچہ **فاذا ترک من الکمال شیئاً فھو ناقص** سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اکمال سے جب کمال آتا ہے تو ترک اکمال سے نقصان بھی آتا ہے۔

اشکال:

اس آیت سے کمال ایمان پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس اکمال میں چند معانی کا احتمال ہے: (۱) اظہار الحجۃ علی المخالفین (۲) اظہار المسلمین علی المشرکین (۳) کمال باعتبار الاحکام والفرائض ہے۔ (کیونکہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد کوئی حکم من الاحکام نازل نہیں ہوا) پہلے دو معنی کی صورت میں کمال ایمان پر استدلال درست نہیں لیکن باقی دونوں معنی چونکہ احتمال رکھتے ہیں لہٰذا اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب: امام بخاریؒ کے پیش نظر تینوں معانی تھے لہٰذا مجموعہ معانی کے اعتبار سے استدلال کیا ہے۔

یخرج من النار من قال لا الہ الا اللّٰہ وفی قلبہ وزن شعیرۃ من خیر ......

یخرج کا صیغہ یا تو (۱) نصر سے مذکر معروف ہے (۲) نصر سے مجہول ہے (۳) افعال سے معروف ہے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت:

وزن شعیرۃ...... وزن برۃ...... وزن ذرّۃ سے ایمان میں زیادت ونقصان ثابت ہو رہا ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

شعیرۃ: اس کے معنی جو کے آتے ہیں

برّۃ: بمعنی حنطۃ یعنی گندم

ذرّۃ: (۱) رأس النملۃ (۲) اخف الموزونات (۳) سورج کی شعاعوں میں جو شئے نظر آتی ہے وہ ذرہ ہے (۴) ہاتھ پر مٹی لگے اور اس کو جھاڑنے سے جو ریزے جھڑتے ہیں وہ ذرات ہیں۔

قال ابان حدثنا قتادة حدثنا انس ...... من ايمان مكان خير

اس تعلیق کے فوائد:

(۱) گذشتہ حدیث میں قتادہ عن انس تھا اور یہ عنعنہ تھا اور قتادہ مدلس ہیں تو دوسری روایت میں تحدیث کی صراحت تھی لہٰذا اس کو لا کر اشکال کو دفع کیا۔

(۲) الفاظ کے اختلاف کو بتانے کیلئے تعلیق لائے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ایمان صحیح لفظ ہے۔

(۳) بطور متابع تائید کیلئے لائے ہیں۔

تنبیہ:

اکمال سے معنی ثالث یعنی کمال باعتبار فرائض ہوتو اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت سے قبل وفات پانے والے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) ناقص الایمان تھے۔

جواب:

نقصان کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اختیاری، کہ احکام موجود ہیں لیکن عمل نہیں کرتا یہ نقصان مذموم ہے۔

(۲) غیر اختیاری، جیسے صحابہ کرام کہ جو حکم نازل ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے اور یہ مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے۔

تنبیہ:

حدیث میں لا الٰہ الا اللہ عنوان ہے کلمہ کا اور اس سے پورا کلمہ مراد ہے جیسے الحمد سورۂ فاتحہ کا عنوان ہے۔

اشکال:

حدیث ابان کو اصالۃً نہیں لائے بلکہ تبعاً لائے ہیں حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث کی بھی تصریح ہے اور لفظ ایمان بھی موجود ہے۔

جواب:

ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے لہٰذا اس کو اصالۃً لائے اور ابان کو تبعاً لائے۔

الحديث الثاني: حدثنا الحسن............ عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له......... قال اليوم اكملت لكم دينكم...... وهو قائم بعرفة يوم الجمعة۔ الحديث

رجلا کا مصداق کعب الاحبار ہے جو بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔

اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات میں ان ناساً من الیہود آیا ہے لیکن جواب آسان ہے کہ سائل تو کعب تھا لیکن دیگر یہودی بھی موجود تھے تو دوسری روایت میں سب کی طرف مجازاً نسبت کی ہے۔

اشکال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہودی نے عید بنانے کا کہا تھا کہ اس دن کو عید بنانا چاہئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں وہ دن اور وہ مقام معلوم ہے جہاں یہ آیت نازل ہوئی تو بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے۔

جواب (۱):

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ مطابقت دو طرح سے ثابت ہے۔ (۱) یہ کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی کیا ضرورت ہے یہ آیت تو یوم الجمعۃ کو نازل ہوئی اور وہ ویسے ہی عید المسلمین ہے۔ (۲) وہ دن یوم العرفہ ہے اور یہ حجاج کرام کیلئے عید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس دن حج کی تکمیل ہوتی ہے۔

بعض شراح نے لکھا ہے کہ اس دن پانچ وجوہ سے عید تھی (۱) یوم الجمعۃ (۲) یوم العرفۃ (۳) یہود کی بھی عید تھی (۴) اتفاق سے اس دن نصاریٰ کی بھی عید تھی (۵) مجوسیوں کا نیروز بھی اسی دن تھا تو سب کے ہاں اس دن عید تھی۔

جواب (۲):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ تو تحریف کے عادی ہو اپنی طرف سے احکام مقرر کرتے ہو لیکن ہم ایسے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عیدیں مقرر فرمائی ہیں تو ہم اپنی طرف سے عید منانے کے مختار نہیں ہیں ورنہ ہمیں وہ دن معلوم

ہے۔

باب الزکوة من الایمان

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکوٰة وذلك دين القيّمة

حدثنا اسمٰعیل............ سمع طلحة بن عبید اللہ یقول جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من اھل نجد ثائر الرأس نسمع دوی الصوت ولا نفقه مایقول حتّٰی دنا فإذا ھو یسأل عن الإسلام۔ الحدیث

ماقبل کے ساتھ ربط:

ماقبل میں ایمان کی زیادت ونقصان کا بیان تھا اوراس باب میں اس طرف اشارہ ہے کہ جن اعمال سے ایمان میں زیادتی آتی ہے اُن میں سے زکوٰۃ بھی ہے لہٰذا پابندیٔ زکوٰۃ سے ایمان میں زیادتی آئے گی اور ترک زکوٰۃ سے ایمان کے اندر نقصان آئے گا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ترکیب ایمان اور جزئیت ایمان کا ثبوت ہے کیونکہ الزکوٰۃ من الاسلام نے زکوٰۃ کو اسلام کو جزء قرار دیا اور دین، اسلام اور ایمان مترادف ہیں لہٰذا زکوٰۃ کو ایمان کا جزء ثابت کیا اوراس سے ایمان کا ذواجزاء اور مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) زیادت ایمان والنقصان کا ثبوت مقصد ہے کیونکہ جب ایمان کو ذواجزاء ثابت کیا تو ذواجزاء چیز میں اجزاء کی زیادتی سے زیادتی آتی ہے اوراجزاء کی کمی سے اس میں نقصان آتا ہے۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین............ الی قولہٖ وذلك دین القیمة

مخلصین اور حنفاء دونوں لیعبدوا سے حال ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال مقصود ہے کہ زکوٰۃ دین کا جزء ہے۔

ذلك الدین القیمة...... ذٰلک کا مشارالیہ لیعبدوا اللہ، اقامت صلوٰۃ اورایتاءِ زکوٰۃ ہے تو من جملہ ان کے زکوٰۃ کو دین القیمۃ قرار دیا اور دین اور ایمان چونکہ مترادف ہیں لہٰذا

زکوٰۃ ایمان کا بھی جزء ہے۔

جاء رجل الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اھل نجد......

رجل کی تعیین:

(۱) حافظ ابن عبد البرؒ اور قاضی عیاضؒ کے ہاں اس سے مراد ضمام بن ثعلبہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے جس میں تصریح ہے وہ ضمام بن ثعلبہ تھا۔

(۲) عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ضمام بن ثعلبہ نہیں ہے بلکہ ضمام کی حدیث الگ ہے البتہ دونوں حدیثوں کے سوالات میں یکسانیت ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں حدیثیں ایک ہی ہوں۔

نجد......

زمین عرب کی دو قسمیں تھیں: (۱) نجد جو سطح سمندر سے بلند تھا (۲) تہامہ، غور یہ حجاز سا زمین ہے جو سطح سمندر کے برابر ہے۔

ثائر الرأس......

اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں یہ رجل کی صفت ہوگی۔ او منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں مراد بال ہیں یعنی ذکر المحل ارادۃ الحال

نسمع دوی صوتہ......

نسمع اور نفقہ دو طرح سے منقول ہے (۱) صیغہ جمع متکلم (۲) صیغہ واحد مذکر غائب مجہول۔

دوی...... بفتح الدال و بضمہ، صوت مرتفع لایفھم

اکابر نے اس کا معنی گنگناہٹ سے کیا ہے۔

حتی دنا...... یہ غایہ ہے لانفقہ کیلئے۔

فاذا ھو یسأل عن الاسلام......

علامہ کرمانیؒ نے دو احتمال ذکر کئے ہیں:

(۱) سوال عن شرائع الاسلام تھا اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

(۲) سوال عن حقیقۃ الاسلام تھا۔ اس صورت میں اشکال ہوتا ہے کہ جب سوال عن حقیقت الاسلام ہو تو شہادتین کا ذکر لازم ہے جبکہ حدیث میں شہادتین کا ذکر نہیں ہے۔

جواب:

(۱) علامہ کرمانیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کا ذکر کیا تھا لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ دور ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکے۔

(۲) شہادتین کا ذکر تھا لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بناء پر شہرت شہادتین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ جب سوال عن حقیقۃ الاسلام تو شہادتین کا ذکر سب سے پہلے ہوتا ہے۔

علامہ عینیؒ نے دونوں جوابات کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سوال در اصل عن شرائع الاسلام تھا تو یہ آدمی پہلے سے مسلمان تھا لہٰذا شرائع اور احکام کے بارے میں پوچھا

قال خمس صلوات فی الیوم و اللیلۃ فقال ھل علیّ غیرھا فقال لا الا ان تطوع......

خمس صلوات کی تعبیر سے چند اشکالات وارد ہوتے ہیں:

(۱) وجوب وتر کے قائلین پر اشکال ہوتا ہے کہ وتر کا وجوب اس حدیث کے منافی ہے کیونکہ یہاں شرائع الاسلام میں اس کا ذکر ہی نہیں کیونکہ حدیث میں صرف خمس صلوات کا ذکر ہے۔

(۲) مالکیہ پر اشکال ہوتا ہے جو کہ سنن فجر کو واجب قرار دیتے ہیں۔

(۳) اہل ظواہر کے قول وجوب صلوٰۃ الضحیٰ پر اشکال ہوتا ہے۔

(۴) صلوٰۃ العیدین کے وجوب کے قائلین پر اشکال ہوتا ہے۔

اہل ظواہر اور مالکیہ تو خود جواب دینگے البتہ ہم احنافؒ وجوب صلوٰۃ الوتر اور وجوب صلوٰۃ العیدین کا یہ جواب دیتے ہیں:

(۱) حدیث میں فرائض کا بیان ہے اور ہم وتر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں اور فرض اور واجب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں واقعہ نقل کیا ہے کہ یوسف بن خالد سمتیؒ جو امام شافعیؒ کے شیخ ہیں جب پہلی مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو کہا ماتقول فی الوتر؟ فقال فرض، فقال کفرت یا اباحنیفة، فاجاب ابو حنیفة: ایھولنی اکفارك ایّای وانّی اعلم الفرق بین الفرض والواجب۔ پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے مراتب دلیل بیان کئے کہ (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ یہ چار قسم کے دلائل ہوتے ہیں اب فرض کا مرتبہ اول سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے اور واجب کا مرتبہ ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوتا پھر یوسف آپؒ کے شاگرد بن گئے اور بعد میں بڑے فقیہ بنے۔

ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ نمازیں کتنی ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا کہ پانچ ہیں پھر اس نے کہا کہ وتر کا کیا حکم ہے؟ آپ نے کہا کہ فرض ہے پھر کہا کہ نمازیں کتنی ہیں؟ جواب دیا پانچ ہیں۔ وہ شخص ناراض ہوکر جانے لگا اور کہا کہ انک لاتحصی الحساب دراصل وہ امام صاحبؒ کا مطلب نہیں سمجھا مطلب یہ تھا کہ وتر فرض عملی ہے فرض اعتقادی نہیں اور ایسے ہی وتر کوئی مستقل نماز نہیں ہے بلکہ عشاء کے تابع ہے۔

علامہ شوکانیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث سے وتر کے عدم وجوب پر استدلال درست نہیں کیونکہ یہ سن ۵ ہجری کا واقعہ ہے ممکن ہے کہ اس وقت تک وجوب وتر کا حکم نازل نہ ہوا ہو اور احناف کہتے ہیں کہ ایسے تو شوافع پر اشکال ہوتا ہے کہ وہ صدقۃ الفطر کو فرض قرار دیتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

احناف پر دوسرا اشکال:

ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ لزم النفل بالشروع اور اگر نفل کو توڑ دیا تو اس کی قضاء لازم ہے لہٰذا احناف پر اشکال ہے کہ نفل کو لازم قرار دیا ہے۔

جواب:

(۱) اس حدیث سے احناف کے خلاف استدلال درست نہیں خصوصاً جب الا ان تطوع میں استثناء متصل مان لیں تو مطلب ہوگا لیس علیک فرض الا ان تطوع تو اب یہ احناف کی دلیل بن جاتی ہے۔

(۲) اور ایسے ہی احناف عمرہ نفلی اور حج نفلی پر قیاس کرتے ہیں کہ عمرہ اور حج توڑنے سے تو سب کے ہاں قضاء ہے لہٰذا تمام بدنی اعمال میں قضاء ہوگی اور روز . . . کے بارے میں تو نص وارد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نفلی توڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اقضیا یوماً مکانہ"

اور حضرت ام ہانیؓ کی جو حدیث ہے الصائم المتطوع امیر نفسہ ان شاء صام وان شاء افطر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے لیکن اس حدیث میں قضاء کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے بعد حدیث میں صوم اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔

فأدبر الرجل وهو يقول لا ازيد على هذا و لا أنقص فقال أفلح إن صدق......

یہاں پر مشہور اشکال ہوتا ہے کہ اس آدمی نے زیادہ کی نفی کی ہے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاح کی بشارت دی ہے اس کے جواب میں مختلف توجیہات ہیں:

(۱) مطلب یہ ہے کہ لا ازید علی هذا من نفسه.

(۲) یہ بات بطور تبلیغ کہی ہے کہ میں اپنی قوم کو اس سے کم یا زیادہ نہیں بتاؤں گا بلکہ بعینہ یہی باتیں بتاؤں گا۔

(۳) اس سے مقصد صرف کمی کی نفی ہے جیسے کہ کوئی دوکاندار سے کہتا ہے کہ قیمت میں کمی بیشی نہیں ہوگی اور ایسے ہی تولنے والے سے کہا جاتا ہے کہ تولنے میں کمی بیشی نہیں کرو حالانکہ اس سے مقصد صرف کمی کی نفی ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں سنن رواتب اور نوافل کو ترک کرنے کا ذکر ہے۔

جواب:

یہ اس آدمی کی خصوصیت تھی جیسے کہ ایک آدمی کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی جائز قرار دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہے اور اسی طرح ایک صحابی کیلئے روزے کا کفارہ خود کھانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ صرف تمہارے لئے ہے۔

باب اتباع الجنائز من الایمان

حدثنا احمد بن عبد اللّٰہ.............. عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من اتبع جنازۃ مسلم ایماناً واحتساباً وکان معہ حتّٰی یصلّٰی علیہ ویفرغ من دفنھا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین.

تابعہ عثمان المؤذن، حدثنا عوف عن محمد عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ

فائدہ:

یہ شعب ایمان میں سے سب سے آخری شعبہ ہے اور بعد میں اداء الخمس کا بیان ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کو سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ دنیا میں آدمی کی زندگی کا آخری عمل جنازہ ہوتا ہے اور اداء الخمس جو اس کے بعد بیان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غزوہ یا جہاد ہوتا ہے تو ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اوّلاً شہداء کی تدفین ہوتی ہے پھر غنائم کی تقسیم لہٰذا پہلے جنازے کا باب لائے ہیں پھر اداء الخمس کا باب بعد میں لائیں گے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا شدہ حصر کے اشتباہ کا دفع مقصود ہے۔

(۲) شعب ایمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے۔

(۳) ترکیب ایمان اور جزئیت اعمال من الایمان کا ثبوت مقصود ہے کہ اتباع جنازہ ایمان میں شامل ہے اس سے ترکیب ایمان اور جزئیت اعمال کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۴) مرجیۂ کا رد اور افادۃ الاعمال کا ثبوت مقصد ہے۔

من اتبع جنازۃ مسلم ایماناً واحتساباً......

ایماناً واحتساباً کی قید کی تفصیل گزر چکی ہے۔فلیراجع

مشی مع الجنازہ میں اختلاف:

اس میں اختلاف ہے کہ مشی خلفاً ہو یا اماماً ہو یا حلقہ بنا کر ارد گرد مشی ہو۔

تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مشی خلف الجنازہ مطلقاً افضل ہے چاہے ماشی ہو یا راکب۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اماماً مشی افضل ہے چاہے راکب ہو یا ماشی۔

حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ماشی کیلئے آگے چلنا افضل ہے اور راکب کیلئے پیچھے چلنا افضل ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ خلفاً، اماماً حلقۃً سب فضل میں برابر ہیں۔

یہ اختلاف صرف افضلیت اور اولویت کا ہے ورنہ تمام صورتیں سب کے ہاں جائز ہیں۔

یہاں پر اتبع کا لفظ ہے جس سے امام صاحبؒ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اتباع خلفاً چلنے کو کہتے ہیں۔خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی جنازے کے آگے نہیں چلے اور اسی طرح الجنازۃ متبوعۃ بھی وارد ہے اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک جنازے کے پیچھے چل رہے تھے تو ایک ساتھی نے کہا کہ آپ نے جنازے کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ آگے چلتے ہیں وہ گویا جنازے کے ساتھ نہیں اس آدمی نے پوچھا کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) تو آگے چل رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ انهما ليعلمان ما أعرف لیکن وہ لوگوں کو مشقت سے بچانے کیلئے آگے چلتے ہیں۔

وكان معه حتّٰى يصلى عليه ويفرغ......

يصلّى يفرغ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

فأنه يرجع من الاجر بقيراطين......

یہ قیراط کا تثنیہ ہے نصف دانق کو کہتے ہیں اور عمدۃ القاری میں (۱) دینار کا بیسواں

حصہ اور (۲) چوبیسواں حصہ لکھا ہے۔ لیکن یہاں قیراط سے کل قیراط مثل احد کا معنی ہے اور کلب والی روایت میں قیراط کا اصلی معنی مراد ہے کیونکہ ثواب میں زیادہ سے زیادہ مراد ہوتا ہے اور عقاب و عذاب میں کم سے کم مراد ہوتا ہے۔

تابعه عثمان المؤذن......

متابعت کا فائدہ:

(۱) پہلے عنعنہ تھا اس میں تحدیث کی صراحت ہے۔

(۲) اس حدیث کو اصالۃً نہیں لائے کیونکہ روح زیادہ ثقہ ہے عثمان المؤذن سے

باب خوف المؤمن ان يحبط عمله وهو لا يشعر

وقال التيمي: ما عرضت قولي على عملي الا خشيت ان اكون مكذّباً۔ وقال ابن ابي مليكة ادركت ثلاثين من اصحاب رسول الله صلى الله على وسلم كلهم يخاف النفاق على نفسه۔ ما منهم احد يقول انه على ايمان جبريل۔ ويذكر عن الحسن ما خافه الا مؤمن وما امنه الا منافق۔ وما يحذر من الاصرار على التقاتل والعصيان الخ

حدثنا محمد بن عرعرة، حدثني عبد الله ان النبيّ صلى الله عليه وسلم قال سباب المؤمن فسوق وقتالهٗ كفر

حدثنا قتيبة اخبرني عبادة بن الصامت ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج يخبر ليلة القدر فتلاحى رجلان من المسلمين. الحديث

ماقبل سے ربط:

مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں من اتبع جنازۃ مسلم ایماناً واحتساباً کا ذکر ہے اور یہاں اشارہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی بڑا عمل کرتا ہے اور بڑے ثواب کی امید رکھتا ہے لیکن بعض اوقات کوئی ایسا عارض پیش آجاتا ہے کہ آدمی ثواب سے محروم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا عارضہ پیش نہ آجائے کہ جس سے ثواب سے ہی محرومی ہوجائے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب از اوّل تا آخر مرجیۂ پر رد کرنے کیلئے قائم کیا ہے پچھلے ابواب میں صرف مرجیۂ پر رد نہیں تھا لیکن چونکہ اس میں مرجیۂ کے نام کی تصریح ہے اس لئے صرف اور صرف مرجیۂ کا رد ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے الفاظ سے امام بخاریؒ نے ایک اور مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی لاشعوری طور پر کلمہ کفر ادا کرے تو کافر ہوگا یا نہیں؟ اس میں چند اقوال ہیں:

امام نوویؒ کے ہاں یہ آدمی کافر نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کے ہاں یہ آدمی کافر ہو جائے گا اور اس پر تجدید ایمان لازم ہوگی اور ان الفاظ سے جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

اشکال:

ان یحبط عملہ سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان کے ہاں ارتکاب معاصی سے سارے اعمال حبط ہو جاتے ہیں نیز اس سے احباطیہ کی تائید ہوتی ہے۔

جواب:

امام بخاریؒ کا مقصد احباطیہ کی تائید کرنا نہیں ہے کیونکہ کہیں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے حبط عمل ہو جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ہر وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کوئی فعل کفر یا قول کفر صادر نہ ہو جائے کہ جس سے عمل ہی حبط ہو جائے۔

حبطِ اعمال کی اقسام:

حبط کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ حبط جس کے قائل معتزلہ ہیں۔

(۲) وہ جس کے قائل اہل سنت ہیں۔ کہ اگر مؤمن صنم کو سجدہ کرے یا کلمہ کفر کہے تو سب کے ہاں حبط عمل ہوگا کیونکہ یہ کفر ہے اور کفر سے حبط عمل ہوتا ہے۔ اگر قیامت میں انسان کا عمل کم ہو تو دو صورتیں ہیں:

(۱) یا تو اللہ جل شانہٗ اپنے فضل سے جنت کا فیصلہ کر دیں۔

(۲) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ جاؤ اپنی سزا بھگتو اور سزا کے بعد جنت میں جاؤ تو جب تک یہ جہنم میں رہے گا تب تک اس کے اعمال حبط ہیں۔

ترجمۃ الباب کے الفاظ ماخوذ ہیں **"ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون"** والی آیت سے

قال التیمی ماعرضت قولی علی عملی......

ابراہیمؒ بہت ہی بزرگ تابعی تھے اور واعظ بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ میں جب اپنا قول اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں تو خود کو جھوٹا تصور کرتا ہوں۔ **مکذبا** کو اسم فاعل اور مفعول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ فاعل کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ مجھے خوف ہوتا ہے کہ اپنے عمل سے اپنے قول کی تکذیب کرنے والا ہوں کیونکہ خود تو وعظ کرتا ہوں لیکن اپنا عمل اپنے قول کے خلاف ہے یا یہ کہ میں اپنے عمل سے دین کی تکذیب کرنے والا ہوں۔

اور مفعول کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میرے عمل کی وجہ سے لوگ میری تکذیب کریں گے۔

ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں:

(۱) خوف المؤمن ان یحبط عملہ الخ

(۲) وما یحذر من الاصرار الخ

یہ جملہ پہلے جملے کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی یہی مؤمن کی شان ہے کہ اس کو ہر وقت حبط عمل کا خوف رہے۔

ادرکت ثلاثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخاف النفاق......

خوف نفاق کا مطلب نفاق عملی ہے نہ کہ اعتقادی کیونکہ اعتقادی نفاق کا علم آدمی کو ہوتا ہے اور نفاق عملی کی صورت میں آدمی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے۔

ابن بطالؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی دی تھی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کے اندر تغیرات دیکھے لیکن یہ حضرات نہ زبان سے

قدرت رکھتے تھے اور نہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت تھی اس لئے ان کو خوف ہوا کہ یہ عدم قدرت مداہنت کی وجہ سے تو نہیں ہے؟

ما منهم احد انه على ايمان جبريل وميكائيل......

کیونکہ فرشتوں کا ایمان شہودی ہے اور ہمارا ایمان شہودی نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ امام صاحبؒ پر تعریض ہے کیونکہ امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ ''ایمانی کایمان جبریل''، تو اشکال ہے کہ صحابہ سے تو یہ منقول نہیں اور امام صاحبؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ (۱) امام بخاریؒ کا مقصد تعریض نہیں ہے کیونکہ علامہ کرمانیؒ، ابن بطالؒ، حافظؒ، عینیؒ، قسطلانیؒ اور امام نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔

(۲) یہاں پر جبریل ومیکائیل کا ذکر ہے لیکن امام صاحبؒ سے کہیں میکائیل نقل نہیں کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد کسی ہم عصر پر تعریض ہو۔

''ایمانی کایمان جبریل'' کا مسئلہ:

امام صاحب سے اس میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) امام محمدؒ سے روایت ہے کہ انی اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبریل

(۲) امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ صاحب بدعت ہے۔

ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ (۱) امام صاحب کا قول ہے کہ میں ایمانی کایمان جبریل کا قائل ہوں لیکن ایمانی مثل ایمان جبریل کا قائل نہیں ہوں (۲) انی اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبریل (۳) ایماننا مثل ایمان الملئکة لانا نؤمن بما یؤمن علیه الملائکة

تطبیق بین الاقوال:

ابن کمال پاشا نے اس جملہ کی تشریح کیلئے مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاف مطلق تشبیہ اور فی الذات تشبیہ کیلئے ہے اور لفظ مثل تشبیہ فی الصفات کیلئے ہے لہٰذا ''ایمانی کایمان جبریل'' کہنا درست ہے کیونکہ نفس ایمان تو برابر ہے مؤمن بہ کے اعتبار سے البتہ ایمانی مثل ایمان جبریل کہنا درست نہیں ہے کیونکہ فرشتوں کے ساتھ صفات

میں ہمارا ایمان برابر نہیں ہے کیونکہ ان کا ایمان شہودی ہے لیکن یہ نکتہ تو چونکہ علماء ہی جانتے ہیں عوام نہیں جانتے لہٰذا ان کیلئے کاف کا استعمال بھی مکروہ ہے۔ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ اس طرح کے جملے سے احتراز کیا جائے۔

اس اثر کا فائدہ:

اس اثر سے زیادت ونقصان ایمان کا ثبوت ہے کہ فرشتوں کا ایمان زیادہ ہے اور ہمارا ان کے مقابلے میں ناقص ہے۔

ماخافه الا مؤمن وما امنه الخ

ۂ ضمیر کا مرجع (۱) یا تو اللہ کی ذات ہے اس صورت میں تو مفہوم درست ہے لیکن ماقبل سے مناسبت نہیں ہے۔

(۲) ضمیر لفظ نفاق کی طرف راجع ہے کہ مؤمن کو ہر وقت نفاق کا خوف رہتا ہے جبکہ منافق اس خوف سے مطمئن رہتا ہے۔

وما یحذر من الاصرار ......

یہ ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے مطلب یہ ہے کہ اس باب میں اس بات سے ڈرایا جانا مقصود ہے کہ گناہ پر بغیر توبہ کے مُصر نہ ہو جائے اور قرآن میں عدم اصرار کرنے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے، گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ کیونکہ اصرار علی الصغیرہ سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ پر اصرار بھی ایمان سے محروم کر دیتا ہے لہٰذا گناہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا اثر ہے کہ **ویل للمصرین الذین یصرون وھم یعلمون**. البتہ گناہ کے بعد سچی توبہ کر لی جائے تو مُصر نہیں کہلائے گا اگر چہ دوبارہ گناہ کر لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ **ما اصرّ من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرّۃ.**

حدیث: سألت ابا وائل عن المرجئة......

مرجیۂ کے دو فریق ہیں:

(۱) اقرار وتصدیق کے قائل

(۲) فقط تصدیق قلب کے قائل

یہ دونوں فریق ہی ارجاء عمل کے قائل ہیں۔

سباب المسلم فسوق و قتاله کفر

ابو وائلؒ نے سائل کے جواب میں حدیث سنائی اس حدیث سے مطلب معصیت کا مضر ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ سباب کو فسوق اور قتال کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ پھر محدثین نے یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں:

(۱) تعبیر میں فرق کیوں؟ کہ قتال کو کفر کہا اور سباب کو فسق حالانکہ دونوں کبیرہ ہیں۔

جواب یہ ہے کہ قتال کی شدت اور غلظت کے اظہار کیلئے ایسا کیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ذکر کی ہے کہ یہاں فسق سے مراد اہل سنت کی اصطلاح کا فسق ہے معتزلہ کا فسق مراد نہیں ہے کہ پھر مخلد فی النار کا حکم لگایا جائے۔

وقتاله کفر......

اشکال:

اس سے معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الایمان ہے۔

جواب:

اس کفر سے اس کی حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ تاویل کی جائے گی۔

(۱) **هٰذا عمل الکفار و ان لم یُکفر** کیونکہ مسلمانوں سے تو کافر لڑتے ہیں مسلمان نہیں لڑتے

(۲) **هٰذا ینول الی الکفر** یعنی اس عمل پر اصرار کفر کی طرف لے جاتا ہے اور اس کی نحوست دل میں بیٹھ جاتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ **المعاصی یزید الکفر**.

(۳) کفر سے لغوی کفر مراد ہے کہ ایمان کا تقاضا تو عدم قتال کا تھا لیکن اس نے ایمان کے احسان کو چھپا دیا ورنہ محض قتال سے آدمی کافر نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ: **و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا الخ**

(۴) اگر ارتکاب کبیرہ سے خروج عن الایمان لازم ہوتا تو سباب کو بھی کفر قرار دیا جاتا

کیونکہ سباب بھی کبیرہ ہے لیکن سباب کو کفر نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ کبیرہ سے خروج عن الایمان لازم نہیں آتا۔

الحدیث الثانی: خرج یخبر عن لیلة القدر..........

(۱) روافض کے ہاں لیلۃ القدر کی ذات اُٹھالی گئی ہے جبکہ اہل سنت کے ہاں صرف تعیین اُٹھالی گئی ہے ذات نہیں۔

(۲) اس حدیث سے گناہ کی نحوست ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے لیلۃ القدر کی تعیین اُٹھالی گئی۔

عسٰی ان یکون خیراً......

خیر اس طرح ہے کہ اگر لیلۃ القدر کی تعیین ہو جاتی تو لوگ صرف ایک رات عبادت کرتے جبکہ عدم تعیین میں بہت سی راتیں عبادت کریں گے اگر چہ تعیین میں ضعفاء کو کچھ فائدہ ہو جاتا کہ وہ بھی لیلۃ القدر میں عبادت سے محروم نہ ہوتے۔

التمسوھا فی السبع والتسع والخمس ......

اس سے لیالی ماضی مراد ہیں کہ سبع سے ستائیسویں رات تسع سے انتیسویں رات اور خمس سے پچیسویں رات مراد ہے۔

باب سؤال جبریل النبیؐ ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان

حدثنا مسدد.................. عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال کان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً بارزاً للناس فأتاہ رجل فقال ما الایمان؟......... ان تؤمن باللہ وملائکتہ......

یہ حدیث، حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے اور اس کے ماقبل سے ربط کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں خوف المؤمن ان یحبط ہے اور یہاں پر مؤمن کی تفسیر ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

امام بخاریؒ نے جو دعویٰ قائم کیا ہے کہ ایمان، اسلام اور دین متحد ہیں اور ان کا

مصداق ایک ہے تو یہاں پر حدیث جبریل سے امام بخاریؒ اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرر ہے ہیں کیونکہ حدیث میں اسلام اور احسان کا ذکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یعلمکم دینکم فرما کران پر دین کا اطلاق کیا ہے اور اسی طرح آیت کریمہ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً سے بھی اپنے لئے استدلال کیا ہے۔

سؤال جبريل النبيّ صلى الله عليه وسلم...... وبيان النبيّ لهٗ

لــــہٗ ضمیر میں اختلاف ہے، حافظؒ اور کرمانیؒ کی رائے ہے کہ ضمیر ایمان، اسلام اور احسان کے پورے مجموعے کو راجع ہے ای **وبيـان النبـيّ صـلـى الله عليـه وسلم الايمان والاسلام الخ**

جبکہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تکلف ہے بلکہ خود حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

حافظؒ کی رائے پر خود حافظؒ نے اشکال نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الساعۃ کے بیان کے جواب میں ''نہیں'' کہا ہے لہٰذا کس طرح مجموعہ کو ضمیر راجع ہوسکتی ہے کیونکہ مجموعہ کا بیان تو ہوا ہی نہیں۔

جواب (۱) چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اشیاء کا بیان کر دیا وللاکثر حکم الکل

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الساعۃ کے سوال کا بھی جواب دیا ہے اس طرح کے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا ہے کہ **"ماالمسئول عنها بأعلم من السائل"**

ثمّ قال جاء جبريل......

اپنے دعویٰ پر امام بخاریؒ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے ایمان، اسلام اور احسان وغیرہ کا سوال کیا ان کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **" هٰذا جبريل جاء يعلمكم دينكم "** تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان، اسلام اور احسان کو دین قرار دیا ہے جس سے اتحاد مستفاد ہوتا ہے۔

وما بيّن النبيّ صلى الله عليه وسلم لوفد عبد القيس......

اس واقعہ میں منقول ہے کہ وفد نے ایمان کا پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ

یہی امور ذکر کئے جو یہاں اسلام کی تفسیر میں ذکر کئے جس سے ایمان اور اسلام کا ترادف ثابت ہوتا ہے تو جو چیز ان دونوں میں سے ایک کا جزء ہوگی وہ دوسرے کا جزء بھی ہوگی۔

ومن يبتغ غير الاسلام ديناً......

یہاں اسلام پر دین کا اطلاق ہوا ہے جس سے اسلام اور دین کے اندر ترادف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو چیز ایک کا جزء ہوگی وہ خود بخود دوسرے کا جزء بھی ہوگی۔

اشکال:

کیا یہ تینوں اسلام، ایمان اور دین حقیقت لغویہ کے اعتبار سے واقعۃً ایک ہیں یا صرف توسع فی الاستعمال کی بناء پر ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے اور حقیقت میں مختلف ہیں؟

جواب:

حافظؒ فرماتے ہیں ان کی حقیقت لغویہ مختلف ہے اور اسی طرح حقیقت شرعیہ بھی مختلف ہے جیسا کہ حدیث جبریل سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کے جواب میں اعتقادیات کا ذکر ہے اور اسلام کے جواب میں عبادات کا ذکر ہے لہٰذا فقط توسع فی الاستعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے اور اس طرح توسع فی الاستعمال کے طور پر تو احناف بھی ایک دوسرے پر اطلاق کے قائل ہیں۔

كان النبيّ صلى الله عليه وسلم يوماً بارزاً للناس......

امام قرطبیؒ کے حوالے سے حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ام السنۃ ہے کہ جتنی باتیں تمام احادیث میں تفصیلاً ذکر کی گئی ہیں وہ یہاں پر اجمالاً ذکر ہیں اور اسی طرح علامہ تیمیؒ کا قول ہے کہ یہ حدیث جامع ہے تمام احکام دینیہ کو چاہے اعتقادیات ہوں یا عملیات، کیونکہ حدیث میں اعتقادیات اور عملیات دونوں کا ذکر ہے تو یہ حدیث تمام احادیث کیلئے ایسی ہے جیسے کہ قرآن کیلئے سورۃ الفاتحہ

يوماً بارزاً للناس......

حافظؒ نے تفصیل بیان کی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے

ساتھ گھل مل کر بغیر امتیاز کے بیٹھتے تھے تو باہر سے آنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نہیں ہوتی تھی اور اس کو پوچھنا پڑتا کہ ایکم محمد؟ بعد میں صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کیلئے مجلس میں ایک چبوترہ بنادیتے ہیں تاکہ باہر سے آنے والا آپ کو پہچان سکے۔ تو اس حدیث کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

حدیث سے استدلال:

اسی سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ معلم کیلئے اونچے مقام پر بیٹھنا جائز ہے۔

فأتاه رجل......

یہاں پر رجل نکرہ ہے اور بعض طرق میں رجل کے ساتھ کچھ صفات کا بھی ذکر ہے جیسے نسائی میں **احسن الناس وجهاً** اور **اطيب الناس ريحاً ، لايمس ثيابه دنس السفر** اور مسلم میں **شديد بياض الثوب شديد سواد الشعر ، لا يعرفه احد منا** تو یہ رواۃ کا تصرف ہے۔

ما الايمان......

یہاں پر اجمال ہے جبکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ آنے کے بعد لوگوں کی گردنیں پھیلانگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ **"فاسند رُكبتيه الىٰ رُكبتيه ووضع يديه علىٰ فخذيه"**

"فخذيه" میں ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟

(۱) جبریل کی طرف راجع ہے یعنی دوزانو تشہد کی طرح بیٹھ گیا۔

(۲) ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے کیونکہ بعض روایات میں **علىٰ فخذي النبیؐ** منقول ہے۔

فائدہ:

گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کرنے کیلئے

(۲) اپنے آپ کولاعلم ظاہر کرنے کیلئے تا کہ کوئی پہچان نہ لے یعنی تعمیہ مقصود تھا۔
اسی طرح بعض روایات میں سلام کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں جہاں سلام کا ذکر نہیں اس کی وجوہ:

(۱) عدمِ وجوب کے بیان کیلئے
(۲) یہاں بھی تعمیہ مقصود تھا۔

لیکن راجح یہ ہے کہ سلام کیا تھا۔ بعض میں یا محمد! بعض میں یا نبی اللہ! اور بعض میں مطلقاً سلام کا ذکر ہے اور بعض روایات میں رجل شاب آیا ہے۔

علم کے آداب:

اس حدیث مبارک سے علماء نے حصول علم کیلئے چند اصول وآداب نکالے ہیں مثلاً

(۱) جوانی کی عمر میں علم حاصل کرنا جبکہ قوت مدرکہ اور قوت عاقلہ پوری طرح موجود ہو۔
(۲) دوزانو بیٹھنا
(۳) معلم کی توجہ حاصل کرنا
(۴) سفید لباس یعنی صاف ستھرا رہنا

ما الایمان......

ما کے ساتھ سوال عن حقیقة الشی ہوتا ہے یہاں حقیقت ایمان کا سوال ہے جواب میں ''ان تومن'' ہے تو اس مقام پر دو اشکالات وارد ہوتے ہیں:

اشکال اوّل:

جواب میں هو التصديق کہنا چاہئے تھا کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے اور ''ان تؤمن باللہ'' وغیرہ ایمان کے متعلقات ہیں۔

جواب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ سائل عربی جانتا ہے لہٰذا ایمان کی حقیقت سے واقف ہے اور صحابہ بھی چونکہ عرب تھے اور حقیقت ایمان سے واقف تھے تو اگرچہ سوال ''ما'' کے

ساتھ ہے لیکن حقیقت ایمان کے بارے میں نہیں ہے بلکہ متعلقات ایمان کے بارے میں ہے۔

اشکال ثانی:

"ان تؤمن" میں "ان" مصدریہ ہے اور یہ اپنے مدخول کو مصدر کے معنی میں کردیتا ہے تو یہاں سوال بھی "ایمان" سے ہے اور جواب میں بھی "ان تومن" یعنی "الایمان" ہے لہٰذا یہ اخذ المحد ود فی الحد ہے اور معرف کا تعریف میں داخل ہونا ہے۔

جواب:

(۱) حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ "تؤمن" کا معنی "تصدق" ہے لہٰذا اس صورت میں اشکال دفع ہوجاتا ہے اور سوال میں ایمان سے لغوی معنی مراد ہے۔

(۲) ایمان بمعنی اعتراف ہے تو معنی یہ کہ ایمان یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا اعتراف کرو"

وملائکتہ.....................

ایمان بالملائکۃ کا مطلب:

(۱) یہ کہ اللہ کی مخلوق ہیں بنات اللہ نہیں ہے

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے

ملک کی تعداد:

نصوص سے ثابت نہیں البتہ ان میں سے مشہور چار ہیں۔ (۱) جبریل علیہ السلام (۲) میکائیل علیہ السلام (۳) اسرافیل علیہ السلام (۴) عزرائیل علیہ السلام۔

وبلقائہ..........

ای لقاء اللّٰہ، لقاء سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ یہ تؤمن بالبعث میں داخل ہے لہٰذا الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۱) حافظؒ فرماتے ہیں کہ لقاء سے مراد قبر سے اُٹھنا اور بعث سے مراد احوال قیامت ہیں۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعث سے مراد قبر سے اُٹھنا اور لقاء سے مراد وزنِ اعمال ہے۔

(۳) علامہ خطابیؒ کا قول ہے کہ لقاء سے رؤیت مراد ہے اور بعث سے احوالِ قیامت اور قبر سے اُٹھنا۔

اشکال:

نوویؒ کا قول ہے کہ اس سے تو ہر ایک رؤیت کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ باطل ہے۔ حافظؒ نے اس کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ رؤیت پر ایمان رکھنا ضروری ہے البتہ یہ الگ مسئلہ ہے کہ رؤیت کس کو ہوگی اور کس کو نہیں ہوگی۔

رؤیت الٰہی کا مسئلہ:

اہل سنت کے ہاں رؤیت دنیا میں ممکن ہے لیکن واقع نہیں ہے اور قیامت میں واقع بھی ہوگی اور قیامت میں واقع بھی ہوگی۔

دلائل:

ارشاد خداوندی ہے: وجوہٌ یّومئذٍ ناضِرۃ ﴿ الی ربھا ناظرۃ﴾"

اور للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ﴾ اور اسی طرح ولدینا مزید﴾

اور یحییٰ بن معینؒ کے قول کے مطابق ۱۷ احادیث صحیحہ رؤیت کے بارے میں منقول ہیں، نوویؒ نے ۲۰ جبکہ بعض نے ۲۱ اور بعض نے ۱۴۸ احادیث لکھی ہیں "ھادی الارواح الیٰ بلاد الافراح" میں ۱۳۰ احادیث نقل کی گئی ہیں۔

معتزلہ کا مذہب:

ان کے ہاں رؤیت باری تعالیٰ آخرت میں بھی نہیں ہوگی بدلیل "لا تدرکہ الابصار الخ"

جواب:

(۱) ادراک کا معنی احاطہ ہے اور احاطہ تو باری تعالیٰ کا ممکن ہی نہیں البتہ رؤیت الگ چیز ہے۔

(۲) امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ " **لاتدرکه الابصار** "کا تعلق دنیا سے ہے۔

معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے " **ارنا اللہ** " کا سوال کیا لیکن ان پر عذاب آیا جیسا کہ ارشاد ہے: "**فاخذتهم الصاعقة**" اگر رؤیت کا سوال ممکن تھا تو ان کو عذاب کیوں دیا گیا؟ ان کے عذاب دیئے جانے سے معلوم ہوا کہ رؤیت کا سوال ہی سرے سے غیر معقول ہے۔

جواب:

یہ عذاب ان کو عناد کی وجہ سے دیا گیا سوال کی وجہ سے نہیں اگر سوال ممکن نہ تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود کیوں رؤیت کا سوال کیا؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے تعلیق بالممکن کے طور پر فرمایا "**ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی**" اور یہ استقرار جبل ممکن تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ رؤیت الٰہی دنیا میں ممکن ہے لیکن آنکھوں میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

معتزلہ کی تیسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ رؤیت تب ہوگی کہ جب دونوں (رائی اور مرئی) کے درمیان ایک فاصلہ ہو اور دونوں قریب ہوں اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے مکان ثابت ہوگا اور یہ باطل ہے۔

جواب:

یہ صورت دنیا اور ممکنات کے ساتھ خاص ہے اور آخرت میں باری تعالیٰ بغیر مکان کے رؤیت کرانے پر قادر ہیں لہٰذا اس عالم کو عالم آخرت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ورسله..........

تعداد رسل تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ۳۱۳ یا ۳۱۵ رسل اور باقی انبیاء ہیں لیکن اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے لہٰذا اہل سنت کے ہاں ایمان بالرسل لازمی ہے البتہ تعداد کی تعیین نہ کرے۔

بعث بعد الموت..........

موت کے بعد صورِ اسرافیل سے حساب و کتاب کیلئے قبر سے اُٹھائے جانے کا عقیدہ

رکھنا، تمام مذاہب سماویہ بعث بعد الموت کے عقیدے پر متفق ہیں۔

تؤمن بالقدر......

بعض روایات میں یہ بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ خیر اور شر من جانب اللہ ہے۔

قدر کا معنی اندازہ ہے یعنی تمام اشیاء وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھیں اور یہ قدر ہے اور اس اندازے کے مطابق اشیاء کو وجود دینا قضاء ہے گویا قضاء اور قدر کا تعلق علم اور قدرت سے ہے۔

نوٹ:

صحابہ کے آخری دور میں قدریہ فرقہ نکلا، جو قدر کے منکر تھے ان کا رہنما معبد جہنی تھا۔

ما الاسلام ...... ان تعبد اللہ کانک تراہ......

اس کا معنی ہے کہ ان توحد اللہ کیونکہ آگے اقیموا الصلوۃ کا عطف اس پر ہے۔

ویصوم رمضان............

رمضان کا استعمال بغیر اضافت بھی درست ہے اور اضافت کے ساتھ بھی درست ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں۔

جواب:

اس وقت تک حج فرض نہیں تھا۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ بالکل آخری عمر میں حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا ہے۔ تو اصل جواب یہ ہے کہ راوی سے حج چھوٹ گیا ہے ورنہ حج کا ذکر تھا۔

ما الاحسان......

یہ اگر بغیر حرف جر کے متعدی ہو تو بمعنی اِحکام اور اتقان آتا ہے۔ اور اگر احسن الیہ آجائے تو معنی ہوگا ایصال النفع الی الغیر یہاں اول معنی مراد ہے۔ احسان دو قسم پر ہے:

(۱) ظاہری (۲) باطنی،

احسان ظاہری کی پھر دو قسمیں ہیں: (۱) فرائض وواجبات پر دوام اختیار کرنا (۲) سنن ومستحبات کی رعایت رکھنا

احسان معنوی:

بغیر ریاء کے خلوص کے ساتھ عبادت کرنا اس کے دو مرتبے ہیں:

(۱) مقام مراقبہ، (۲) مقام مشاہدہ

مراقبہ میں انسان تصور کرے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور مقام مشاہدہ میں انسان خود دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ تو گویا کانك تراہ میں مقام مشاہدہ مراد ہے اور اگر کسی کو یہ حاصل نہیں ہے تو مقام مراقبہ تو حاصل کرے اور یہی احسان کا مطلب ہے۔

ما المسئول عنها بأعلم من السائل......

جواب میں لا ادری نہیں فرمایا تاکہ اس شبہ کو ختم کیا جاسکے کہ شاید کوئی اور انسان تعیین قیامت کے بارے میں جانتا ہو۔

اذا ولدت الامة ربتها......

(۱) اس سے مراد اولاد کا نافرمان ہونا ہے کہ اولاد ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا کہ باندیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حافظؒ نے اسی صورت کو بہتر قرار دیا ہے۔

(۲) لوگوں کے جہل کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لوگ ام ولدہ کو فروخت کریں گے اور یہ ہوتے ہوتے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے گی تو وہ اس کے ساتھ باندیوں جیسا سلوک کرے گا۔

اذا تطاول رعاة الابل البهم......

اگر البھم کو مرفوع پڑھیں تو یہ رعاۃ کی صفت ہوگی۔ اور اگر مجرور پڑھیں تو ابل کی صفت ہوگی۔

جعل ذلك كله من الايمان......

اپنے دعویٰ پر استدلال کرنے کیلئے امام بخاریؒ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام، احسان وغیرہ کو ایمان میں شمار فرمایا ہے۔

باب (بلا عنوان)

عن سفیان ان ھرقل قال لہٗ سألتك ھل یزیدون ام ینقصون ....

یہ حدیث پہلے مفصل گذر چکی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ امام نوویؒ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ یہاں پر دو نسخے ہیں:

(۱) وہ نسخہ جس میں باب کا لفظ نہیں ہے۔ تو گویا یہ حدیث سوال جبریل کے باب کے تحت مذکور ہے۔ لیکن اشکال ہوتا ہے کہ باب کے ساتھ بظاہر حدیث کی مناسبت نہیں ہے۔

(۲) وہ نسخہ جس میں باب کا لفظ موجود ہے لیکن اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کیونکہ باب بلا ترجمہ کالفصل من الباب السابق ہوتا ہے اور سابق سے مناسب ہوتا ہے لیکن یہاں مناسبت نہیں ہے۔

جواب:

(۱) یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے اور مناسبت سابق سے ظاہر ہے کیونکہ گذشتہ باب میں ایمان، اسلام اور دین کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان اطلاقات میں توسیع ہے کیونکہ امام بخاریؒ کے ہاں ترادف کا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ کا باب گذشتہ میں ثبوت ہوگیا لہٰذا حدیث ہرقل میں بھی اس دعویٰ کا ثبوت ہے کہ ایمان کا اطلاق دین پر ہوا ہے لہٰذا مناسبت دونوں میں ظاہر ہے۔

(۲) الابواب والتراجم میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ تشحیذ اذہان کیلئے ہے اور ترجمہ کو چھوڑ دیا ہے یہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ باب بلا ترجمہ تشحیذ اذہان کیلئے لاتے ہیں کہ ہم نے اتنے تراجم کئے ہیں، اب ہم حدیث لائے ہیں اس کے مناسب تم خود ترجمہ (عنوان) تلاش کرو۔ لہٰذا اس حدیث کے مناسب عنوان حسب ذیل ہیں۔

(۱) من یھدی اللہ فلا مضل لہٗ یہ ترجمہ قرآن سے ماخوذ ہے۔

(۲) من یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

(۳) باب بشاشۃ الایمان بھی مناسب ہے۔

(۳) تکثیر فوائد کیلئے باب کا عنوان چھوڑ دیا ہے بعض دفعہ کسی حدیث میں تین یا چار

فوائد ہوتے ہیں تو وہاں پر باب کا عنوان قائم نہیں کرتے کیونکہ اگر عنوان قائم کریں گے تو صرف ایک فائدہ کی طرف نگاہ مرکوز ہو جائے گی اور باقی فوائد کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوگا جبکہ عنوان ترک کرنے کی صورت میں تمام فوائد کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا ہے۔

قال له هرقل هل يزيدون......

بعض تحریکات کی بنیاد دھوکے پر ہوتی ہے لہٰذا بعد میں انکشاف ہونے پر لوگ اس تحریک کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن دین کی تحریک ایمان کی بناء پر ہے لہٰذا اس میں لوگ بڑھتے ہیں۔

هل يرتد احد سخطة لدينه......

سخطة لدينه کی قید اس لئے لگائی کہ دین کو چھوڑنے والے کئی قسم پر ہیں:

(۱) بعض لوگ دنیوی غرض سے دین میں داخل ہوتے ہیں لیکن غرض پوری ہونے پر دین کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح دین کا چھوڑ دینا دین کی خرابی پر دال نہیں۔

(۲) بعض لوگ خلصۃً کسی دین میں داخل ہو جاتے ہیں پھر غور وخوض کرنے کے بعد اس دین کو ناپسند جان لیتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں یہ دین کی خرابی اور علت ہوتی ہے۔ تو یہاں اس قید کا فائدہ ہے کہ اگر کسی نے اسلام میں تدبر کر کے اس کی خامیوں سے بیزار ہو کر ارتداد اختیار کیا ہو تو پھر اس دین میں بھلائی نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی نے مادی اغراض کی وجہ سے چھوڑا ہو تو یہ دین کا عیب نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر بعض لوگ اسلام کو چھوڑ چکے تھے لیکن ان کا یہ ترک سخطة لدينه نہیں تھا بلکہ اغراض دنیوی کے تحت تھا لہٰذا ان کو ذکر نہیں کیا۔

بشاشة الاسلام......

مطلب یہ ہے کہ دین کو گوشت پوست میں داخل ہو جائے اور دین کی محبت دل میں بس جائے۔

اس حدیث میں اختصار ہے پہلے حدیث مفصل گذر چکی ہے۔ تو یہاں بحث یہ ہے کہ یہ اختصار کس نے کیا ہے؟

کرمانیؒ اور قسطلانیؒ کی رائے:

یہ اختصار امام بخاریؒ کے استاذ ابراہیمؒ نے کیا ہے اور امام بخاریؒ نے ابوالیمان سے بدءالوحی میں تفصیلاً یہ حدیث نقل کی ہے۔

علامہ عینیؒ کی رائے:

یہ بات غلط ہے کیونکہ آگے کتاب الجہاد میں امام بخاریؒ اسی ابراہیم کی سند سے مکمل حدیث نقل کرتے ہیں لہٰذا یہاں اختصار خود امام بخاریؒ نے کیا ہے۔

اختصار فی الحدیث کا مسئلہ:

اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً جائز ہے۔

(۲) مطلقاً ناجائز ہے۔

(۳) اگر پہلے مکمل نقل کیا ہو تو پھر دوسری جگہ اختصار جائز ہے۔

جمہور کا قول:

اختصار جائز ہے مگر شرائط کے ساتھ

(۱) ایسا شخص اختصار کرے جو معانی الاحادیث سے واقف ہو۔

(۲) ایسا اختصار نہ کرے جس سے معنیٰ میں خلل آتا ہو۔

(۳) آدمی ثقہ اور معتمد ہو کہ اختصار کے وقت لوگ اس پر بھول جانے یا ضعف حفظ کا گمان نہ کریں۔

اشکال:

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ کالفصل من السابق ہے کیونکہ سابق میں بھی ایمان، دین اور اسلام میں ترادف ثابت ہوتا ہے اور یہاں بھی اس حدیث میں بھی ترادف ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ سابق میں ترادف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے جبکہ اس روایت میں ہرقل کے قول سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرقل کا قول قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب:

(۱) یہ الفاظ تو ہرقل کے ہیں لیکن بعد میں صحابہ نے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کوئی نکیر نہیں فرمائی گویا ان الفاظ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی توثیق حاصل ہے۔

(۲) ہرقل چونکہ تورات اور انجیل کا عالم تھا، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرائع من قبلنا میں ایمان اور دین مترادف ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ شرائع من قبلنا کے کسی حکم کے خلاف اگر ہماری شریعت میں نکیر نہیں ہے تو وہ قابل استدلال ہوتا ہے۔

(۳) ان الفاظ سے استدلال بطور محاورہ کے ہے کہ محاورہ میں ایمان اور دین کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت مقصود نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا قول:

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ پہلے یہ گذر چکا ہے کہ مؤمن کو ہر وقت حبط اعمال کو خوف رہنا چاہئے تو اس باب میں یہ تسلی مقصود ہے کہ حبط اعمال کا خوف اس وقت تک رہتا ہے جب تک بشاشۃ الایمان حاصل نہ ہو لیکن جب بشاشۃ الایمان حاصل ہو جائے تو پھر حبط اعمال نہیں ہوتا کیونکہ حبط ارتداد سے ہوتا ہے۔ اور ارتداد بعد از بشاشۃ محال ہے۔ لیکن اس مقصد کا صراحۃً اظہار نہیں کیا لئلا یتّکِلَ الناس.

باب فضل من استبرأ لدينه

حدثنا ابو نعيم...... سمعت نعمان بن بشير يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما متشابهات لايعلمها كثير من الناس فمن اتقى استبدأ لدينه و عرضه ومن وقع في الشبهات كراعٍ يرعى حول الحمىٰ .الحديث

ماقبل کے ساتھ مناسبت:

ماقبل میں ایک باب بلا عنوان ہے اور اس سے پہلے حدیث جبرائیل علیہ السلام ہے جس میں ایمان، احسان وغیرہ کے سوالات تھے اور اس حدیث میں حصولِ احسان کا طریقہ بتایا ہے کہ مشتبہات سے اجتناب کر کے آدمی احسان کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ورع کلمات ایمان میں سے ہے کہ آدمی گناہ سے بھی بچے اور امور مشتبہات سے بھی بچے۔

(۲) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصد زیادۃ الایمان ونقصانہ کا ثبوت ہے۔ کیونکہ حدیث میں استبرأ میں تو لوگ مختلف ہوتے ہی ہیں بعض میں استبرأ زیادہ ہوتا ہے بعض میں متوسط اور بعض میں کم اسی طرح جو جتنا استبرأ کرے گا وہ اتنا ہی احسان کے درجہ تک پہنچے گا۔

(۳) حصول احسان کا طریقہ بتلانا مقصد ہے کیونکہ پہلے ثابت ہوا کہ احسان مراتب ایمان میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے تو یہاں اس اعلیٰ درجے کے حصول کا طریقہ بتلا دیا۔

(۴) حبط اعمال سے حفاظت کا طریقہ بتایا ہے کہ حبط اعمال، قول کفر یا کبیرہ سے ہوتا ہے اور جب آدمی حرام بین اور مشتبھات سے اجتناب کرے گا تو حبط اعمال سے محفوظ ہوگا۔

(۵) مرجیہ کا رد ہے سیأت مفسد ہیں اور طاعاتِ مفید ہیں کیونکہ حدیث میں تو مشتبہات کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الحلال بین والحرام بین.......................

حافظ ابن حجرؒ اور دیگر کا قول

مطلب یہ ہے کہ ایک وہ اعمال ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور ترک پر وعید بھی شریعت نے ذکر کی ہے۔ یہ حلال بین ہیں اور ایک وہ اعمال ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور کرنے پر وعید ذکر ہے مثلاً شرب خمر پر یہ حرام بین ہیں اور وہ امور جو نہ قسم اول سے ہوں اور نہ قسم ثانی سے ہوں بلکہ درمیان میں ہوں تو یہ امور مشتبھہ ہیں ان سے بھی اجتناب لازمی ہے۔

امام نوویؒ کا قول:

ایک امور وہ ہیں جن کا حلال ہونا واضح ہے مثلاً پانی پینا کہ ہر خاص و عام اس کے حلال ہونے سے واقف ہے، یہ حلال بین ہے۔ ایک وہ امور جن کا حرام ہونا واضح ہوگیا مثلاً زنا، شربِ خمر وغیرہ یہ حرام بین ہیں اور وہ امور جن کی حلت وحرمت سے ہر آدمی واقف

نہ ہو تعارض دلائل یا اختلاف کی وجہ سے تو یہ مشتبہات ہیں۔ان سے اجتناب اعلیٰ درجہ کا ورع اور تقویٰ ہے۔

مشتبہات سے مراد:

(۱) وہ امور جن کا حکم واضح نہ ہو۔

(۲) علامہ مازریؒ کا قول ہے کہ اس سے مکروہات مراد ہیں۔

(۳) وہ مباحات مراد ہیں جن سے بچنا اور احتیاط کرنا اچھا ہے۔

(۴) اصح تر قول یہ ہے کہ وہ امور جن کے متعلق ادلہ متعارض ہوں اور اس تعارض ادلہ کی وجہ سے ائمہ کرام کے اقوال میں اختلاف ہوا۔اب اگر حلت کے قول پر عمل کیا جائے تو گنجائش ہے۔لیکن ورع یہ ہے کہ اس امر کا ارتکاب بالکل نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اجتہاد میں خطا واقع ہو۔

لا یعلمها کثیر من الناس ....

خطابیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امور مشتبہ میں اشتباہ ذات کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اضافی اشتباہ ہوتا ہے۔بعض لوگوں کے ہاں اشتباہ ہوتا ہے اور بعض کے ہاں اشتباہ نہیں ہوتا۔واللہ اعلم۔

مشتبہات کا حکم:

اس کے حکم میں اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف بناء ہے ایک قاعدہ کے اختلاف پر وہ قاعدہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے یا حرمت وتوقف۔

معتزلہ کا مذہب:

ان کے ہاں اصل فی الاشیاء حلت ہے یعنی جب تک کسی چیز کے بارے میں دلیل حرمت نہ آئے وہ حلال ہے بعض فقہاء کی طرف سے یہ بھی قول منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

احناف کا مذہب:

اصل فی الاشیاء حرمت ہے یا توقف ہی حتیٰ کہ دلیل حلت آجائے۔حلت کا قول

کرنے والوں نے خلق لکم ما فی الارض سے استدلال کیا ہے۔ اصح تر قول کے مطابق مشتبہات کا حکم توقف ہے اور یہ ورع اور تقویٰ ہے۔

ومن وقع فی الشبہات کراع یرعی..........

(١) اگر "من" کو شرطیہ مانیں گے تو اس کی جزاء محذوف ہوگی یعنی من وقع فی الشبہات کراع یرعیٰ حول الحمیٰ وقع فی الحرام۔ (٢) اور اگر من موصولہ ہے تو اگلا جملہ صلہ ہوگا محذوف کی ضرورت نہیں اور مطلب ہوگا الذی وقع فی الشبہات مثل راع یرعی۔

تمثیل:

اگر چرواہا جانور کو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے تو جانور کی عادت ہے کہ اچھی گھاس دیکھ کر اس میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی آدمی کا نفس اگر مشتبہات سے اس کو نہ بچایا گیا تو یہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

ابن منیرؒ نے اپنے بعض اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ آدمی اور حرام کے درمیان گھاٹی مکروہ ہے اور آدمی اور مکروہ کے درمیان گھاٹی مباحات ہیں تو جو کثرت سے مباحات کا ارتکاب کرے گا وہ مکروہ میں مبتلا ہوگا اور جو کثرت سے مکروہات کی گھاٹی پار کرے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

تخصیص حمٰی کا مسئلہ:

حمٰی یا چراگاہ کو مختص کرنا احناف کے ہاں بوقت ضرورت جائز ہے عام حالات میں نہیں۔

ان فی الجسد مضغةً..........

مضغةٌ مضغ سے ہے چبانا، یعنی اتنا ٹکڑا جو چبایا جا سکے۔

قلب کی یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ یہ اعضاء البدن کا رئیس ہے اس کا اثر اعضاء پر ہوتا ہے جیسے امیر کا اثر عوام پر ہوتا ہے۔

تسمیۃ القلب:

(۱) اس کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مقلوب ہوتا ہے یعنی سرنگوں سا ہوتا ہے۔
(۲) قلب خلاصة الشیئی کو کہتے ہیں اور قلب پورے جسم کا خلاصہ ہے۔
(۳) تقلُّب کی وجہ سے۔ وما سمی القلب الا ان یتقلب چنانچہ ایک شاعر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

ما سمی القلب الا من تقلبه
فاحذر علی القلب من قلب وتحویل

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ترجمہ میں صرف لدینه ہے اور حدیث میں لعرضه بھی ہے کیونکہ استبراء لدینه مستلزم ہے استبراء لعرضه کو اور استبراء الدین کا مطلب نقص سے بچانا اور استبراء لعرضه طعن و تشنیع سے بچانا۔

نوٹ:

اس حدیث کو علماء نے ان منتخب احادیث میں سے شمار کیا ہے جن پر دین کا مدار ہے۔

منتخب احادیث:

(۱) مذکورہ حدیث (۲) انما الاعمال (۳) ترك مالا یعنی (۴) اور بعض نے دع مالا یریبك کو شامل کیا ہے۔

باب اداء الخمس من الایمان

حدثنا علی بن الجعد ...... عن ابی حمره قال کنت اقعد مع ابن عباس فیجلسنی علی سریره......ان وفد عبد القیس لما اتوا النبیؐ صلی اللّٰه علیه وسلم...... مرحبا بالقوم او بالوفد غیر خزایا و لاندامٰی...... فمرنا بامر فصل نخبربه من ورآء نا وندخل به الجنة وسألوه عن الاشربة فأمرهم باربع و ہاهم عن اربع امرهم بالایمان باللّٰه وحده ...... وان تعطوا من المغنم الخمس ونهاهم عن أربع عن الحنتم، والدبّاء والنقیر والمزفت وربما قال المقیر. الحدیث

ماقبل سے مناسبت:

مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں بھی مامورات اور منہیات کا بیان ہے اور یہاں بھی

ماموراتِ اور منہیات کا بیان ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اعمال کی جزئیت کا ثبوت ہے کیونکہ اداء الخمس ایک عمل ہے جس کو ایمان کا جزو ثابت کیا ہے۔

(۲) ترکیب ایمان کا ثبوت مقصد ہے۔

(۳) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا شدہ اشتباہ کو دفع کرنا مقصود ہے۔

(۴) شعب الایمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے کہ اداء الخمس بھی شعب میں ہے۔

اداء الخمس من الایمان..........

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کو دو طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے۔

(۱) اداء الخمس بضم الخاء اس سے مراد مال غنیمت کا خمس بیت المال میں داخل کرنا ہے۔

(۲) اداء الخمس بفتح الخاء اس صورت میں ارکان خمسہ مراد ہوں گے۔ لیکن حافظؒ نے اس صورت کو ذکر کر کے فرمایا وفیہ وجوہ ضعف کیونکہ:

(۱) کیونکہ پہلے تمام ارکان کے لئے مستقل ابواب قائم ہوئے ہیں لہٰذا دوبارہ ذکر کرنا بے فائدہ ہے۔

(۲) اگر ارکان خمسہ مراد لئے جائیں تو اس حدیث میں تو ارکانِ خمسہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ خمس کا ذکر ہے۔

کنت اقعد مع ابن عباس اقم عندی حتی اجعل لك سهما من مالی. الحدیث

ابو جمرہ کون تھا؟

ابو جمرہ ضبیع قبیلہ کا آدمی تھا جو عبدالقیس کی ایک شاخ ہے، انہوں نے ایک دفعہ حج تمتع کے لئے احرام باندھا، لوگوں نے منع کیا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حج تمتع درست ہے حج کے بعد ابو جمرہ کا خواب میں کہا گیا

"عمرة متقبلة و حج مبرور "انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تذکرہ کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کے فتویٰ کی تائید ہوگئی۔

ان دنوں ابن عباس رضی اللہ عنہما خلافتِ علی رضی اللہ عنہ میں بصرہ کے گورنر تھے۔ اب فیصلے کے لئے ان کے پاس فارسی اور عربی دونوں زبانیں بولنے والے آتے تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جمرہ کو اپنا ترجمان مقرر کیا کیونکہ ابو جمرہ فارسی بھی جانتے تھے خود ابو جمرہ سے نقل ہے: کنت اترحم بین ابن عباس و بین الناس۔

ترجمانی کا معنی:

ابن صلاحؒ کے ہاں اس سے مراد تفسیر اللغة باللغة ہے۔ لیکن ابن حجرؒ کے ہاں اس میں کچھ عموم ہے کہ یہاں یہ بھی مراد ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آواز پست تھی تو ہجوم کے وقت ابو جمرہ کا آپ رضی اللہ عنہما کے لئے معین الصوت تھے اور دوبارہ اونچی سے بولتے یا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خطاب چونکہ عالمانہ ہوتا تھا لہٰذا بعض لوگ نہ سمجھتے تھے تو ابو جمرہ آسان الفاظ میں سمجھاتے۔

اجعل لك سهما من مالي ....

بعض کے ہاں یہ مال دینا ترجمانی کی اجرت تھی اس سے ابن التین نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ ترجمانی تعلیم کے قبیل سے ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے کہ دوسری روایت جو شعبہ کی ہے اس میں مذکور ہے کہ ابو جمرہ سے پوچھا کہ یہ اجرت کیوں مقرر ہوئی فقال للرؤية انی رأيت کیونکہ اس خواب کی وجہ سے ابن عباس کو یہ نیک معلوم ہوئے اور عقیدت پیدا ہوئی۔

حدیث سنانے کی وجہ:

ایک عورت نے نبیذ الجر کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ نے منع کیا پھر ابو جمرہ سے پوچھا کہ میرے لئے نبیذ مٹکے میں تیار ہوتی ہے۔ فی الحال تو کوئی نشہ نہیں ہوتا لیکن زیادہ دیر بیٹھنے سے کچھ محسوس ہوتا ہے پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنائی۔

لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ....

وفد عبدالقیس کب آیا تھا؟

اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) واقدی اور ابن سعد اور قاضی عیاضؒ کا قول ہے کہ ۸ ہجری قبل فتح۔

(۲) محمد بن اسحاق کے ہاں ۹ ہجری سنۃ الوفود میں۔

(۳) ابن حبانؒ اور ابن الاثیرؒ کے نزدیک ۱۰ ہجری میں۔

(۴) حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک یہ دو دفعہ آئے ۵ ہجری اور ۹ ہجری میں۔

(۵) حضرت شاہ صاحبؒ کا قول کہ ۶ ہجری اور ۸ ہجری میں آئے۔

اصح تر قول یہ ہے کہ یہ لوگ تین دفعہ آئے۔ ۵ھ، ۹ھ، ۱۰ھ میں۔ یہ حدیث پہلی دفعہ کے ساتھ متعلق ہے۔

انا لانستطیع ان نأتیك الا فی الشهر الحرام

(۱) الشہر میں الف لام اگر جنسی ہو تو چاروں مہینے مراد ہیں۔

(۲) اور اگر الف لام عہدی ہو تو ماہ رجب مراد ہے کیونکہ یہ لوگ رجب کی بہت قدر کرتے تھے۔

فمرنا بامر فصل ....

(۱) ای فاصل فارق بین الحق والباطل.

(۲) فصل بمعنی مفصول یا مفصل۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ترجمہ منقول ہے کہ ''نمٹی ہوئی بات'' اور بعض حضرات نے ''نکھری ہوئی بات'' کا ترجمہ کیا ہے۔

فامرهم باربع ونهاهم عن اربع ....

اشکال:

اجمال میں چار چیزوں کا ذکر ہے لیکن تفصیل میں پانچ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

جواب:

اس کے جواب میں سب سے صحیح قول حافظ ابن صلاحؒ کا ہے کہ امرھم بالایمان اور آگے جا کر وان تعطوا من المغنم الخمس کو اس پر عطف کیا ہے۔تو مطلب یہ ہے کہ پہلے چار باتوں کا حکم ہے پھر اداء الخمس کا حکم الگ ہے اور الگ حکم اس لئے دیا کہ ان کی چونکہ قبیلہ مضر کی جھڑپ رہتی تو حکم دیا کہ جنگ سے حاصل شدہ غنیمت سے خمس بیت المال میں جمع کرو۔یہی ابن بطال کا قول ہے۔

بعض نے یہ جواب دیا کہ ایمان باللہ کا ذکر تبرکاً ہے اور بعض نے خمس اور زکوۃ کو ایک شمار کیا ہے۔بیضاویؒ کا قول ہے کہ صرف ایمان باللہ کا حکم مذکور ہے اور باقی راوی بھول گیا اور شھادۃ لا الہ الا اللہ الخ ایمان باللہ کی تفصیل ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں حج کا ذکر کیوں نہیں ہے۔

جواب:

(۱) قاضی عیاضؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

(۲) حج عرب میں ویسے بھی معروف تھا لہٰذا ذکر نہ کیا۔

(۳) چونکہ مکہ پر کفار کا قبضہ تھا اور یہ حج کے لئے نہیں جا سکتے تھے لہٰذا ذکر ہی نہیں کیا۔

حنتم: سبز رنگ کا مٹکا، الدباء: خشک کدو، نقیر: کھوکھلی لکڑی، مزفت رال لگا ہوا مٹکا، ان برتنوں کی نہی منسوخ ہے۔

مرحبابالقوم او بالوفد..................

شارحین فرماتے ہیں کہ مرحباً حب سے ہے مراد اس سے مکان واسع ہے لہٰذا "مرحباً" کا معنی ہے اتیت مکاناً رحباً یعنی تم وسیع اور کشادہ جگہ میں آئے ہو یعنی ایسے لوگوں میں آئے ہو جو تمہاری آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

اھلاً سے مراد اپنے گھر والوں کو آئے ہیں۔

ندامی (۱) ندامت سے ہے جو ندمان کی جمع ہے اور ندمان کہتے ہیں شراب کے ہم مجلس کو۔

(۲) مسلمانوں کو شہید کردیں گے تو بعد از اسلام ندامت کریں گے۔

خزایا: خزایا کی اتباع کی وجہ سے ندامی کا ذکر ہے ورنہ اس کی جمع نادمون آتی ہے اور یہ خزی سے ہے اس کی جمع خزیان آتی ہے اس کے معنی رسوائی اور ذلت کے ہیں۔

اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ قبیلہ عبدالقیس کو نہ تو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور نہ شرمندگی اُٹھانی پڑی کیونکہ یہ لوگ از خود اپنے شوق اور رغبت سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے ساتھ اہل اسلام کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کیونکہ اگر لڑائی ہوتی تو پکڑ کرلائے جاتے اور رسوائی ہوتی اور اگر مسلمانوں کو قتل کیا ہوتا تو ندامت وشرمندگی ہوتی۔

باب ما جاء ان الاعمال بالنية والحسبة

ولكل امرئ مانوى فدخل فيه الايمان والوضو والصلوة...... وقال تعالى قل كل يعمل على شاكلته على نيته نفقة الرجل على اهله صدقة...... وقال النبى صلى الله عليه وسلم ولكن جهاد و نية.

الحديث الاول: حدثنا عبد الله بن مسلمة.......... عن عمر قال انما الاعمال بالنيات الخ

الحديث الثانى: حدثنا حجاج بن المنهال.......... عن ابن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم اذا انفق الرجل على اهله يحتسبها فهى له صدقة.

الحديث الثالث: عن سعد بن ابى وقاص ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: انك لن تنفق نفقة. الحديث

پہلی بات:

بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے کہ گزشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ پچھلے باب میں مذکور ہے کہ فلاں عمل دخول جنت کے لئے سبب ہے کیونکہ وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فمرنا بامر فصل نخبربه من ورآء نا وندخل به الجنة اور اس باب میں اشارہ ہے کہ یہ اعمال تب دخول جنت کے لئے سبب ہیں جب کہ ان میں نیت اور خلوص نیت بھی ہو اگر نیت اور اخلاص نہ ہو تو سبب دخول نہیں ہیں۔

دوسری بات:

ترجمہ الباب کا مقصد

(۱)ابن بطالؒ کا قول ہے کہ یہ مرجیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان فقط قول ہے، عقدالقلب کی ضرورت نہیں ہے۔اس طور پر کہ اقرار کی طرح عقد القلب بھی ضروری ہے بغیراس کے ایمان معتبر نہیں۔

(۲) شیخ الہندؒ کا قول: الابواب والتراجم میں ہے کہ کتاب الایمان میں بہت سے اعمال کے متعلق مختلف ابواب قائم کئے کہیں الصلوٰۃ میں الایمان، من الدین اور من الاسلام کے ابواب لائے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ اعمال بھی من الایمان ہیں جبکہ ان کے ساتھ نیت اور خلوص بھی ہو۔

(۳) حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام اعمال کا مدار نیت اور خلوصِ نیت پر ہے اسی بات کی طرف اشارہ کے لئے حسبۃ کا لفظ لائے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انما الاعمال کا جو ترجمہ احناف نے کیا ہے کہ ثواب الاعمال بالنیات یہی مقصد امام بخاریؒ کا ہے۔

(۴) ماقبل ابواب میں معتزلہ مرجیہ اور فرق باطلہ پر رد کیا ہے یہاں یہ بتانا مقصد ہے کہ اس رد سے مقصود فقط رضائے الٰہی تھا کسی کی تنقیص مقصود نہیں۔

تیسری بات:

ترجمۃ الباب کے تین اجزاء ہیں:

(۱)ان الاعمال بالنیۃ (۲)والحسبۃ (۳)ولکل امرئ مانوی.

والحسبۃ: اس کا معنی ہے ثواب کی امید رکھنا۔

ولکل امرئ مانوی اور ان الاعمال بالنیۃ ایک حدیث کے اجزاء ہیں لیکن درمیان میں لفظ حسبۃ دو وجہ سے لائے ہیں۔

(۱) نیت میں خلوص اور احتساب کی اہمیت جتلانے کے لئے۔

(۲) ان الاعمال سے الگ فائدہ مقصود ہے اور حسبۃ سے الگ فائدہ مقصود ہے۔ فدخل فیہ الایمان کہ ایمان بھی تب معتبر ہے جب نیت اور اخلاص بھی ہو ورنہ بغیر نیت ایمان معتبر نہیں ہے۔

حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول ان لوگوں کے مطابق ہے جو اعمال کو ایمان کا جزء جانتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان کو فقط تصدیق قلب سے تعبیر کرتے ہیں ان کے ہاں نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تصدیق بالقلب خود بمنزلہ نیت کے ہے جسے عظمۃ اللّٰہ اور خشیۃ اللّٰہ بمنزلہ نیت کے ہے۔ البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ قول درست ہے۔

والوضوء .... اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صحت وضو کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں شرط نہیں ہے البتہ تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ دیگر فقہاء کے ہاں وضو کے لئے نیت ضروری ہے۔

احناف کی دلیل:

وضو کی دو جہت ہیں:

(۱) وہ جہت کے کہ اس سے نماز پڑھنا جائز ہو جائے اس اعتبار سے نیت ضروری نہیں ہے کیونکہ نصوص قرآن اور صفۃ الوضو کی احادیث میں نیت کا ذکر نہیں ہے۔ اور ماءً طھوراً سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی بذات خود طہور ہے۔ نیت کی ضرورت نہیں۔

(۲) دوسری وہ جہت کہ وضو کو عبادت مقصودہ شمار کریں اور ثواب کی امید سے وضو کرے تو اس صورت میں نیت ضروری ہے۔ بغیر نیت کے ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

والزکوٰۃ .... جمہور کے ہاں زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے جبکہ امام اوزاعیؒ کے ہاں شرط نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مطلب یہ ہے کہ مطلق صدقہ کی نیت سے زکوٰۃ ادا ہو گی البتہ ایک صورت ہے کہ سلطان متغلب ہو یا لوگ انکار کریں اور سلطان زبردستی زکوٰۃ وصول کرے تو بغیر نیت کے ادا ہو جائے گی کیونکہ اس وقت نیت خود بخود موجود ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں ان صورتوں میں بھی نیت ضروری ہے۔

والحج .... جمہور کے ہاں حج میں نیت ضروری ہے البتہ ایک صورت میں

اختلاف ہے کہ آدمی نے اپنا فرض ادا نہیں کیا ہے اور کسی اور سے حج بدل ادا کر رہا ہے تو امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے ہاں معتبر ہے اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں نیت معتبر نہیں ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے کہ: عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول: لبیك عن شبرمة، قال من شبرمة قال اخ لی او قریب لی، قال: حججت عن نفسك؟ قال: لا، قال: حجّ عن نفسك ثمّ حجّ عن شبرمة. اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے خود حج ادا کرو اگلے سال شبرمہ کی طرف سے ادا کرو۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل:

ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرا باپ بوڑھا ہے میں اس کی طرف سے حج بدل ادا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اجازت دی۔

والصیّام .... صوم میں سب کے ہاں نیت معتبر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض کی تعین ضروری نہیں۔ مطلق نیت، نفل اور نذر کی نیت سے ادا ہوگی جبکہ دیگر کے ہاں تعین کی ضرورت ہے۔ البتہ مطلق نیت سب کے ہاں ضروری ہے۔

والاحکام........... یعنی دیگر احکام میں بھی نیت ضروری ہے حافظؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں محاکمہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے ابن منیرؒ سے قاعدہ نقل کیا ہے کہ ہر وہ عمل جس میں فائدہ اجلہ (فائدہ اجلہ جس میں ثواب آخرت ہو اور دنیا کا فائدہ مقصود نہ ہو) اور عاجلہ مقصود نہ ہو تو نیت ان اعمال میں شرط ہے اور جن اعمال میں فائدہ عاجلہ ہو اور فائدہ اجلہ نہ ہو تو نیت ضروری نہیں اور بعض اعمال کے مناط (یعنی تتبع علت) میں اختلاف ہے کہ نیت ان میں ضروری ہے یا نہیں۔

علامہ عینیؒ نے اس قاعدہ کو رد کیا ہے کہ بعض اعمال مثلاً تلاوت، اذان ان میں فائدہ ابدہ ہے لیکن نیت ضروری نہیں ہے لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

کل یعمل علی شاکلتہ...........

اس کے چند معانی منقول ہیں:

(۱) علی نیتہ یہ حسن بصری سے نقل ہے۔ (۲) علی دینہ۔ (۳) علی جبلتہ یہ مقاتل سے منقول ہے۔ (۴) علی ناحیته یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

یہ جملہ جزءاول کے ثبوت کے لئے لائیں ہیں۔

ونفقة الرجل علی اهله یحتبسها صدقة..................

یہ جملہ جزء ثانی کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے۔

لکن جهاد ونیة ....

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی، جہاد اور نیت باقی ہے۔

یہ حدیث طویل کا ٹکڑا ہے یہ جزء ثالث کے ثبوت کے لئے لائے ہیں۔

احادیث ثلاثہ کا مفہوم واضح ہے۔

حدیث ثالث میں ہے۔ حتی ما تجعل فی فم امرأتك اس سے مراد یا تو صدقة الاهل ہے یا اظہار محبت کے لئے بیوی کے منہ میں نوالہ ڈالنا مراد ہے۔

امام نوویؒ کہ اگر حظ نفس حق کے مطابق ہو تو اس میں بھی ثواب ہے۔

فم امرأتك..................

یہ فی امرأتك بھی منقول ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ اضافت کے وقت ''م'' گر جاتا ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم الدین النصیحة لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم وقول الله تعالیٰ اذا نصحوا لله ورسوله. الایة

الحدیث الاول: حدثنا مسدد.......... عن جریر بن عبدالله: قال بایعت رسول الله علی اقام الصلوٰة وایتاء الزکوة والنصح لکل مسلم۔

الحدیث ثانی: حدثنا ابو النعمان قال.......... سمعت جریر بن عبدالله یوم مات مغیرة بن شعبه...... الحمدلله...... علیکم اتقاء الله...... والوقار

والسکینۃ...... فانی اتیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قلت ابایعك علی الاسلام فشرط علی والنصح لکل مسلم...... الخ

ماقبل کے ساتھ مناسبت:

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں انما الاعمال بالنیات کا بیان ہوا کہ قبولیت عمل کے لئے نیت اور اخلاص شرط ہے اور جب کسی عمل کے ساتھ نیت اور خلوص جمع ہو جائیں تو یہی نصیحت للہ ہے۔لہٰذا مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں جو ذکر ہوا یہی نصیحت للہ ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شراح کا قول ہے کہ اس باب سے ایمان کے درجات متفاوتہ یا بالفاظ دیگر یزید وینقص کا ثبوت ہے۔وہ اس طرح نصیحۃ لِلّٰہ کا درجہ الگ اور سب سے اعلیٰ ہے اور لرسولہ کا درجہ الگ ہے۔ائمۃ المسلمین اور عامتھم کا درجہ الگ ہے۔اور چونکہ الدین النصیحۃ میں نصیحت کو دین کہا ہے۔لہٰذا تفاوت نصیحت سے دین کے درجات مختلف ہوں گے تو حبیب الحبیب حبیب کے تحت ایمان کے مختلف درجات بھی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ دین اور ایمان متحد ہیں اور اسی تفاوت ایمان کو اس طرح بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ لوگ نصیحت میں متفاوت ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیحۃ لِلّٰہ کا درجہ سب سے اعلیٰ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور پھر عام لوگوں کا درجہ ہے تو اس تفاوت فی النصیحۃ کی وجہ سے تفاوت ایمان ثابت ہوتا ہے۔

(۲) عمل کو ایمان کے اندر شامل کرنا مقصد ہے کیونکہ حدیث میں اور باب میں دین پر نصیحت کا اطلاق ہوا ہے جس سے دین اور نصیحت کا ترادف ہوتا ہے اور نصیحت چونکہ عمل ہے لہٰذا دین اور عمل میں ترادف کو ثابت کیا ہے۔

ربط الخاتمۃ بالفاتحۃ:

ان دونوں مندرجہ بالا باتوں سے ربط الخاتمۃ بالفاتحۃ یا ربط الانتہاء بالابتداء واضح ہو گیا کیونکہ ابتداء میں یہی بحث تھی یزید وینقص کی۔اور یہاں خاتمہ بھی زیادہ ونقصان کی بحث پر کیا۔

الدین النصیحة.................. الخ

محدثین نے مسلم ابن اسلم طوسی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ان چار احادیث میں سے ہے جن پر دین کا مدار ہے۔

اور امام نوویؒ سے حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں تمام امور دین داخل ہیں کیونکہ نصیحة لِلّٰہ سے احکام قران معلوم ہوتے ہیں اور رسولہ سے سنت کے تمام اوامر معلوم ہوتے ہیں اور معاشرتی امور اور قضایا نصیحة لائمة میں داخل ہیں اور عام لوگوں سے تعلقات کا علم تعلق لعامتھم سے ہے۔

الدین النصیحة: یہ الفاظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں تو لائے ہیں لیکن انہی الفاظ سے یہ حدیث نقل نہیں کی ہے کیونکہ یہ حدیث علی شرط البخاری نہیں ہے کیونکہ یہ سہیل بن ابی صالح عن عطاء بن یزید عن تمیم الداری کی سند سے نقل ہے اور سہیل مختلف غیر راوی ہے امام مسلم نے، نسائی نے، ابن حبان، ابوداوٗد، ابن مندہ اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

النصیحة: حافظ فرماتے ہیں کہ (۱) یہ یا تو نصیحة العسل سے ماخوذ ہے بمعنی شہد کو صاف کرنا اور یا (۲) النصح سے ماخوذ ہے پھٹے ہوئے کپڑے کے مختلف ٹکڑے اور پھٹن کو سینا۔ اور دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جس طرح شہد سے گند نکالا جاتا ہے ایسے ہی عقیدہ میں صفائی اور سچائی ہوتی ہے اور جس طرح پھٹے کپڑے کے سینے سے اس کی اصلاح مقصود ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان کی خیر خواہی میں اس کی اصلاح مقصود ہوتی ہے اور اس کی پراگندگی کو ختم کیا جاتا ہے۔

النصیحة لِلّٰہ کی تشریح:

قال الخطابی رضی اللہ عنھم وابن بطال وغیرھما:

النصیحة للّٰہ...... معناہ یرجع الی الایمان و نفی الشرك عنه و ترك الالحاد فی صفات الجلال والکمال وتنزیھه من النقائص والقیام بطاعته والاجتنب عن معصیته۔ وورد فی بعض الروایات ولکتابه فالنصیحة

وتعالٰی الایمان بانه کلام الله لایشبهه شیئی من کلام الخلق وتعظیمه و تلاوته والعمل بما فیه

ولرسوله.......... فتصدیقه علی الرسالة والایمان بجمیع ماجآء بهٖ والطاعة فی اوامره ونواهیه و نصرته حیا و میتا والتادب بأدابه ومحبةاهل بیته واصحابه

وللائمة.......... فمعاونتهم علی الحق وطاعتهم فیه وترك الخروج علیهم بالسیف الخ

وللعامة.......... فإرشادهم الی مصالحهم ودفع الاذی عنهم۔

قول الله اذا نصحوالله..........

یہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں ہے کہ اگر مریض اور معذور لوگوں کے دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا جذبہ ہے تو ان پر جہاد نہ کرنے میں کوئی ملامت نہیں ہے۔ اس آیت کے لانے کا مقصد فقط یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کا مفہوم قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس تائید کے لئے لائے ہیں۔

ائمة المسلمین سے مراد:

(۱) یا تو خلفاء اور امراء ہیں۔ (۲) یا مجتہدین اور محدثین ہیں کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان کے ارشادات پر عمل کیا اور ان کے علوم کو نشر کیا جائے۔

الحدیث الاول: بایعت رسول الله علی اقام الصلوٰة.

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر تھے پہلے سے اور آخری عمر میں وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس پینتالیس دن قبل ایمان لائے بہت حسین اور وجیہ تھے اور یوسف هذه الامة کے لقب سے ملقب تھے۔ اس بیعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتضائے حال کے مطابق حضرت جریر رضی اللہ عنہم سے نصح لکل مسلم کی شرط پر بیعت لی۔

اشکال:

اس بیعت میں شہادتین، صوم اور حج کا ذکر نہیں ہے؟ حالانکہ حضرت جریر متأخر الاسلام تھے۔

جواب:

صحیح مسلم کے بعض طرق میں شہادتین کا ذکر ہے یہاں راوی کا اختصار ہے اور جہاں تک حج وصوم کا تعلق ہے تو بعض طرق میں "سمع و طاعت" کے الفاظ آئے ہیں کہ میں سمع اور طاعت کروں گا تو اس میں تمام احکام داخل ہیں۔

"نصح لکل مسلم" کی وجہ تخصیص:

بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاص لوگوں سے کسی خاص عمل پر بیعت لیتے تھے آدمی کی استعداد دیکھ کر یا کسی عمل میں کمزوری کی وجہ سے خاص عمل پر بیعت لیتے جیسے بعض سے نماز پر اور بعض سے جہاد میں نہ بھاگنے پر بیعت لی ہے۔ تو یہاں بھی کسی خاص وجہ سے حضرت جریر سے بیعة علی النصیحة لکل مسلم لی ہے۔

بیعت کا نتیجہ:

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جریرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو اس بیعت کا اتنا پاس اور لحاظ تھا کہ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے تو صاحب السلعۃ سے کہتے کہ آپ کی بیع ہم کو اپنے پیسوں سے زیادہ پسند ہے لہٰذا ازروئے خیرخواہی کہتا ہوں کہ اگر اپنا سامان روکنا چاہتے ہو تو روک لو۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے وکیل نے ایک گھوڑا خریدنا چاہا تو مالک نے تین سو روپے قیمت بتائی۔ وکیل حضرت جریر کے پاس آئے تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جا کر اس سے کہا کہ تمہارا یہ گھوڑا قیمتی ہے لہٰذا بڑھاتے بڑھاتے سات، آٹھ سو کا خرید لیا۔

الحدیث الثانی: حدثنا ابو النعمان .... قال سمعت جریر بن عبداللہ یوم مات مغیرة بن شعبة۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دور معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے گورنر تھے۔

۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ اصح قول یہ ہے کہ اپنے بیٹے عروہ کو قائم مقام بنایا تھا۔ جریر رضی اللہ عنہ صرف نصیحت کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ اہل کوفہ اشرار مشہور تھے۔ یہ امراء کے خلاف بغاوت کرتے تھے تو اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا تا کہ بغاوت کے نتیجہ میں قتل و غارت گری نہ ہو جائے۔

علیکم باتقاء اللّٰہ ...... حتی یاتیکم الامیر

بعض کہتے ہیں کہ امیر سے اپنا نفس مراد ہے یعنی امیر کی امارت کا اعلان ہو جائے لیکن عام معنی یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو مقرر کریں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا۔

استعفوا لامیر کم...... فانہ کان یحب العفو.

فانہ میں ضمیر (۱) مغیرہ کو راجع ہے یعنی وہ خود عفو کو پسند کرتے تھے تو تم بھی اس کے لئے عفو طلب کرو تا کہ جزاء بمثل العمل ہو۔

(۲) ضمیر اللہ کو راجع ہے۔ یعنی فان اللّٰہ یحب العفو۔

ورب ھذا المسجد............

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ مسجد میں تھا۔

(۲) ھذا سے اشارہ ہے کعبہ کو چنانچہ بعض میں ورب الکعبۃ وارد ہے۔

ثم استغفر ونزل ....

حافظؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا طریقہ ہے کہ کتاب کے آخر میں ایسا جملہ لاتے ہیں جس سے براعت استہلال کے طور پر خاتمہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے چنانچہ یہاں پر وفات مغیرہ اور استغفار اور نزول کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آخر میں ایسا جملہ لاتے ہیں جس سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ چنانچہ حضرت مغیرہ کی وفات اور استغفار اور ثم نزل کا ذکر ہے یعنی انسان کو اپنے اختتام اور عاقبت

سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ یوم مات مغیرہ بن شعبہ اختتام پر صراحتاً دلالت کرتا ہے اس سے حافظؒ کا مدعٰی بھی ثابت ہو جاتا ہے اور حضرت شیخ الحدیث کا مدعٰی بھی۔ واللہ اعلم۔

کتاب العلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فضل العلم وقول اللہ تعالی یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات وقول اللّٰہ قل رب زدنی علما۔

پہلی بات:

حقیقتِ علم اور تعریف:

لغت میں علم کا معنی دانستن، جاننا اور اصطلاحی تعریف میں چند اقوال ہیں۔

(۱) امام الحرمین، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاں تعریف علم میں توقف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی جامع، مانع، تعریف، متعسر اور مشکل ہے یہی رائے فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ توقف کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ علم، جہل کی ضد ہے اور اجلی البدیہیات سے ہے اور بدیہیات کی تعریف نہیں ہوتی۔

(۲) بعض نے مختصر لیکن جامع تعریف کی ہے۔ ما بہ الانکشاف۔

(۳) ماتریدیہ کا قول: صفة مودعة فی القلب کالقوة الباصرة فی العین

(۴) صفة توجب التمییز بمالا یحمل النقیض فی الامور المعنویة

(۲) فلاسفہ کا قول: حصول صورة الشیٔ یا الصورة الحاصلة من الشیٔ عند العقل کیونکہ ان کے ہاں علم کا تعلق صرف موجودات سے ہے۔ جبکہ اشاعرۃ اور ماتریدیہ کے ہاں علم کا تعلق موجودات اور معدومات دونوں کے ساتھ ہے۔

دوسری بات:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء وحی سے کی، پھر کتاب الایمان اور پھر کتاب العلم

لائے ہیں۔ حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ وجہ نقل کی ہے کہ چونکہ علم مابعد والی کتب کے لئے موقوف علیہ ہے اور تمام کتب اس پر موقوف ہیں اور موقوف علیہ کا مقدم ہونا عقل کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن اس کتاب العلم کو کتاب الایمان پر اس لئے مقدم نہیں کیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اشارہ مقصود ہے کہ وہ علم معتبر ہے جو ایمان کے نتیجہ میں حاصل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسا علم ایمان سے متأخر ہے۔

تیسری بات:

بعض نسخوں میں ''بسم اللہ'' کتاب العلم سے مقدم ہے اور یہاں پر مؤخر ہے۔ جہاں ''بسم اللہ'' مقدم ہے وہاں تو وجہ ظاہر ہے لیکن یہاں پر یہ وجہ ہے کہ کتاب العلم بمنزلۃ اسم السورۃ ہے اور بعد کی احادیث منزلہ آیت ہیں اور درمیان میں ''بسم اللہ'' لائے ہیں۔

چوتھی بات:

بعض نسخوں میں بات فضل العلم کا عنوان ہے اور بعض میں نہیں بلکہ کتاب العلم کے بعد آیات کا ذکر ہے تو جن نسخوں میں عنوان نہیں ہے وہاں تو کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ ہے کہ کتاب کے شروع میں آیاتِ مناسبہ لاتے ہیں اشارہ یہ ہوتا ہے کہ بعد کے ابواب ان آیات کی تشریح ہیں تو عدم عنوان والے نسخوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جن نسخوں میں باب فضل العلم کا عنوان موجود ہے وہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ اگلے صفحہ ۱۸ پر باب فضل العلم دوبارہ آرہا ہے لہٰذا تکرار ہے۔

جواب (۱):

عینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں ہے کیونکہ یہاں علماء کی فضیلت کا بیان ہے اور آگے علم کی فضیلت کا بیان ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جو آیات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں لائے ہیں وہ فضیلت علماء پر دال ہیں لیکن علماء نے عینی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کو رد کیا ہے دو وجہ سے (۱) علماء کی فضیلت علم ہی سے ہے تو گویا علماء کی فضیلت علم کی فضیلت ہے۔ (۲) پہلی آیت میں تو علماء کی فضیلت ہو سکتی ہے لیکن دوسری آیت میں علم کی فضیلت ہے

جواب (۲):

دوسری توجیہہ یہ ہے کہ فضل بمعنی فضیلت بھی آتا ہے اور بمعنی زیادۃ کے بھی۔ تو یہاں پر فضیلت کا معنی مراد ہوگا اور آگے باب میں زیادۃ والا معنی ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ دو بابوں میں اگر مقصد ایک ہو اگرچہ الفاظ الگ الگ ہوں لیکن یہ تکرار متصور ہوسکتا ہے جبکہ جہاں مقصد الگ الگ ہو اگرچہ الفاظ ایک ہوں وہاں تکرار نہیں ہوگا تو یہاں بھی تکرار نہیں ہے کیونکہ مقصد الگ الگ ہے۔

اشکال:

باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آیات تو لائے ہیں لیکن احادیث کیوں نہیں لائے؟

جواب:

(۱) امام بخاری کو اس باب میں اپنے شرط کے مطابق حدیث نہیں ملی۔

(۲) امام بخاریؒ نے ابواب وتراجم پہلے قائم کیے اور بعد میں احادیث لانے کا ارادہ تھا۔ لیکن امام کا انتقال ہوا اور احادیث لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔

(۳) ناقلین کی گڑبڑ سے احادیث آگے پیچھے ہوگئی ہیں۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آگے جو حدیث آرہی ہے وہ دونوں ابواب کے لئے کافی ہے لیکن ایک جدید فائدہ کے لئے نیا باب قائم کیا چنانچہ اگلی حدیث میں منقول ہے کہ سائل نے علم الساعۃ کا پوچھا...... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا

"اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ واذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ۔

ان امور کا جاننا اور ان کا اہل جاننا علم سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بقاء دنیا کا مدار بقاء علم پر ہے۔ علم کے خاتمہ سے دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔

(۵) حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے نقل کیا ہے کہ تشحیذ اذہان کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا ہے کہ یہاں باب کے تحت حدیث نہیں لائے اور اس سے مقصد یہ ہے کہ تم خود عنوان کے مناسب حدیث نقل کرو۔ جس طرح کہ امام بخاریؒ حدیث لاتے ہیں لیکن عنوان قائم نہیں کرتے کہ تم خود اس حدیث کے مناسب عنوان قائم

کرو۔

(۶) اگر ''فضل العلم'' کے تحت کوئی حدیث نقل کرتے تو فضیلت ایک جہت کے ساتھ خاص ہو جاتی لہٰذا یہاں مطلق چھوڑ دیا تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ علم کی فضیلت ''من کل الوجوہ'' ہے۔

(۷) باب کے تحت حدیث لانے کا مقصد ترجمۃ الباب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور یہاں پر ثبوت کے لئے جب دو آیت لائے ہیں تو حدیث لانے کی ضرورت نہ رہی۔

یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین اوتوالعلم درجات

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اولاً درجات ایمان سے ملتے ہیں کیونکہ ایمان اساس ہے پھر آپس میں تفاضل اور درجات کا مدار علم پر ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایمان اور فرائض کے بعد نوافل افضل ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں چند اقوال نقل ہیں۔ (۱) امام صاحبؒ کے ساتھ (۲) امام شافعیؒ کے ساتھ (۳) ایمان اور فرائض کے بعد جہاد سب سے افضل ہے۔

درجات.......... جمع سالم نکرہ ہے اور تنوین تعظیم کے لئے ہے یہ سب علو درجات کو اشارہ ہے۔

علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے آخری حصہ ''واللّٰہ بما تعملون خبیر ۵'' سے اشارہ ہے کہ یہ درجات اس علم کے ساتھ ملتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح ہو ورنہ یہ علم وبال ہے اور جیسے قرآن حجۃ لک او علیک ہے اسی طرح علم بھی حجۃ لک او علیک ہے۔

رب زدنی علما.......... فضیلت علم کو اشارہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود افضل البشر اور افضل الانبیاء ہونے کے اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافہ علم کا سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی اور چیز کے مانگنے کی اجازت نہیں دی۔ اس سے فضیلت علم ثابت ہوتی ہے۔

نوٹ:

وقول اللّٰہ یرفع اللّٰہ الذین الایۃ

شاہ صاحب کا قول: وقول اللّٰہ کو مجرور ہی پڑھیں گے اور یہ عطف ہوگا فضل العلم پر اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بناء پر مبتداء مؤخر یعنی وفیہ قول اللّٰہ یا بناء بر فاعلیت ای یدل علیہ قول اللّٰہ.

باب من سئل علما وھو مشتغل فی حدیثہ فاتم الحدیث ثم اجاب

حدثنا محمد بن سنان...... عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ بینما النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی مجلس یحدث القوم جاءہ اعرابی فقال متی الساعۃ فمضیٰ رسول اللّٰہ۔ یحدث...... فقال این اراہ السائل عن الساعۃ قال ھا انا یا رسول قال فاذا ضیعت الامانۃ فانتظر الاساعۃ فقال کیف اضاعتھا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔

مفہوم:

مفہوم یہ ہے کہ اگر معلم کوئی بات کر رہا ہے اور درمیان گفتگو اگر کوئی سوال کرے تو کیا معلم کے لئے یہ جائز ہے کہ پہلے اپنی بات مکمل کرے پھر سائل کو جواب دے؟ اس حدیث سے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

تمہید:

کتاب العلم میں ابواب تین چار قسم کے ہیں بعض کا تعلق آداب متعلم کے ساتھ ہیں اور بعض کا تعلق معلم کے آداب سے ہے اور بعض فضائل علم سے متعلق ہیں اور بعض مسائل علم سے متعلق ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد۔

نمبر۱: تمام شارحین نے ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہاں آداب معلم سے ایک ادب کا بیان ہے وہ یہ کہ دوران گفتگو اگر معلم سے سوال کیا جائے تو پہلے اپنی بات مکمل کرے پھر سائل کے سوال کا جواب دے۔

نمبر۲: آدابِ معلم سے ایک ادب کا بیان ہے کہ اگر متعلم کوئی نامناسب سوال کرے تو معلم کو رفق اور نرمی اختیار کرنی چاہئے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفق کا معاملہ کیا۔

نمبر۳: شاہ ولی اللہؒ نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں ارشاد ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا ...... فاولئک یلعنہم اللہ الایۃ

یہاں کتمانِ علم پر وعید ہے اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ کتمان کرنے والے کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ تو اشکال یہ ہوتا تھا کہ کیا ...... فی الفور جواب نہ دینے والا کتمانِ علم کا مصداق ہوگا اور کیا اس کے لئے بھی یہی وعید ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مصلحت کے تحت جواب میں تاخیر کرنے والا کتمانِ علم میں شامل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہاں مسئلہ من مسائل العلم کا بیان ہے۔

نمبر۴: حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مقصد یہ ہے کہ سائل کا جواب فی الفور واجب نہیں ہے گویا ان کے ہاں بھی ''مسئلۃ من مسائل العلم'' کا بیان ہے۔

نمبر۵: متعلم کے آداب میں سے ایک ادب کا بیان ہے کہ جب معلم کسی بات میں مشغول ہو تو اس کے فراغت کا انتظار کرنا چاہئے دوران گفتگو سوال نامناسب ہے۔

جاء اعرابی .... حافظؒ نے لکھا ہے کہ بہت تلاش کے بعد بھی اعرابی کا نام معلوم نہ ہو سکا جبکہ ''ارشاد الساری'' میں بعض لوگوں کے حوالے سے ''رفیع'' نام لکھا ہے۔ واللہ اعلم.

یحدث القوم...... کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے بعض لوگ آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ محو گفتگو تھے کہ اسی دوران اعرابی آیا۔ اور سوال کیا ''متی الساعۃ'' ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سوال بذاتِ خود ناپسند تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم عطا نہیں کیا تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محو گفتگو تھے۔ لہٰذا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ کو سوال برا لگا ہے اس لئے جواب نہیں دیا اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سنا ہی نہیں۔

اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے ساتھ رفق کا معاملہ کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر عالم اور مفتی کے پاس سوال کا جواب ہو تو جواب دینا ضروری ہے۔

خلاصہ:

اگر سائل مفتی سے مسئلہ پوچھے اور اس وقت اس علاقہ میں کوئی دوسرا مفتی نہ ہو تو اس مفتی پر جواب دینا لازمی ہے بشرطیکہ اس کے پاس جواب ہو۔ اور اگر علاقہ میں اس کے علاوہ بھی مفتی ہے تو عالم متعین پر جواب لازمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرض کفایہ ہے کسی ایک کے جواب دینے سے سب کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

مسئلہ: حافظ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے ایک مسئلہ نکالا ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر دورانِ خطبہ کوئی خطیب سے مسئلہ پوچھے تو خطیب خطبہ کے اختتام کے بعد جواب دے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اور حافظؒ کے قول کے مطابق جمہور کا قول ہے کہ دورانِ خطبہ بھی جواب دینا جائز ہے۔ چنانچہ مسلم میں حدیث ہے کہ ایک آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران خطبہ مسئلہ پوچھا کہ میں مسافر ہوں دین کی تعلیم چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک دیا اور کرسی منگوا کر اس کے جوابات دیئے۔

خلاصہ کلام:

موقع محل کو دیکھنا چاہئے اگر سوال کا جواب لازم قسم کا ہے تو خطبہ روک کر جواب دینا چاہئے یا سائل مسافر ہے یا کہیں جا رہا ہے تو خطبہ کے دوران جواب دینا چاہئے بصورت دیگر خطبہ کے بعد جواب دے۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے اس سے ایک مسئلہ نکالا ہے کہ سائل ایسا سوال کرے جو ضرورت کا نہ ہو یعنی عمل کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو تو استاد اس کو نظر انداز کر سکتا ہے جیسے حدیث میں قیامت کا سوال ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحال اس کو نظر انداز کیا ہے۔

اذا ضیعت الامانة.......... امانت سے مراد وہی ہے جو قرآن میں انا عرضنا الامانة سے ہے کہ قیومیت اور زمین کے تدبیر کا انتظام مراد ہے۔

لامع الدراری کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صفت الامانۃ صفات القلب سے ایک صفت ہے جو ایمان سے مقدم ہے پہلے قلب میں لون الامانۃ جمتا ہے پھر لون الایمان جمتا ہے۔

کیف اضاعتها...... اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر متعلم کو استاد کی بات سمجھ میں نہ آئے تو مستحب ہے کہ دوبارہ پوچھے۔

اذا وسیدٔالامر الی غیر اهله......

وسّد یوسّد تو سیدا معنی ہے بچھانا

عرب کا دستور تھا کہ امیر کے نیچے "وسادہ" بچھاتے تھے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں تو یہ تضیع امانت ہے۔ لامع میں لکھا ہے کہ توسیدالامر الی غیراهله اضاعت امانت کی ایک مثال ہے ورنہ اضاعت امانت کے معنی میں بہت توسع ہے۔

فیض الباری میں سمجھانے کے لئے ایک مثال لکھی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن عبدالحکم نے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خدمت کی۔ مرض الوفات میں تلامذہ کے درمیان مناقشہ ہوا کہ استاد کے مسند درس پر قائم مقام کون ہوگا۔ ابن عبدالحکم کو توقع تھی کہ مجھے بٹھائیں گے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مزنی کو قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر ان عبدالحکم کو قائم مقام کرتا تو یہ "توسیدالامر الی غیراهله" ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی دل سے سمجھے کہ آدمی اہل نہیں ہے لیکن کسی احسان اور غرض کے تحت اسے کوئی منصب حوالہ کرے تو یہ "توسیدالامر الی غیراهله" ہے اور اگر عقیدۃً اور اہل جانتے ہوئے حوالہ کرے تو یہ اضاعت امانت نہیں ہے۔

باب من رفع صوته بالعلم

حدثنا ابو نعمان عن عبدالله بن عمرو قال تخلف عنا النبی صلعم فی سفرة سافرناها ...... فنادی باعلیٰ صوته ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا.

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ کتاب العلم کے ابواب یا تو آدابِ معلم کیساتھ خاص ہیں یا آداب متعلم یا فضائل علم یا مسائل علم کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ باب آداب معلم کے ساتھ خاص ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبرا: اس باب میں آداب معلم سے ایک ادب کا بیان ہے کہ بوقت ضرورت رفع الصوت جائز ہے۔

نمبر۲: حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں سے لیس بصخاب فی الاسواق تو شبہ ہوسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رفع الصوت نہیں کرتے تھے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صخاب تو نہیں تھے کیونکہ صخب کا معنی ہے لہو ولعب میں رفع الصوت کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن رفع الصوت بالعلم صخب کے تحت داخل نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار فرماتے تھے۔

نمبر۳: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ رفع الصوت عالمانہ وقار اور شانِ نبوت کے خلاف ہے لیکن مواقع الگ الگ ہیں جہاں ضرورت نہ ہو تو رفع الصوت یقیناً شرافت اور نبوت کے خلاف ہے لیکن بوقت ضرورت کہ علمی مجلس ہو اور مجمع زیادہ ہو تو رفع الصوت شان نبوت اور عالمانہ وقار کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز عادۃً پست ہوتی لیکن علمی مجلس میں رفع الصوت بھی کرتے۔ اس کی مثال ایک تو یہ روایت ہے اور دوسری روایت مسلم کی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اذا ذکر الساعۃ اشتد غضبہ و علا صوتہ اور بعض میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے کے رگیں پھول جاتیں، لہٰذا منع کا موقع الگ ہے اور جواز کا موقع الگ ہے۔

نمبر۴: قرآن مجید میں حضرت لقمان کی نصیحت کا ذکر ہے واغضض من صوتك الایۃ تو شبہ ہوسکتا تھا کہ رفع الصوت بالکل جائز نہیں ہے تو یہ باب قائم کرکے بتایا کہ بوقت

ضرورت رفع الصوت جائز ہے۔

نوٹ: بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ مکہ سے واپسی کا ہے لیکن یہ تعین نہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی میں عمرۃ القضاء یا فتح مکہ سے واپسی کا واقعہ ہو۔

ارھقنا: ای تاخرنا الصلوٰۃ حافظؒ نے ابن بطالؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اتنی تاخیر ہو کہ حتی دنا وقت صلوٰۃ اخری۔

ترکیب: (۱) ارھقنا فعل، صلوۃ مفعول (۲) ارھق فعل، نا مفعول اور صلوۃ فاعل ہے۔

حدیث کا مسئلہ: ترمذی میں ہے وفقہ ھذا الحدیث ان وظیفۃ الرجلین غسل'' کیونکہ اگر پیر کا وظیفہ مسح ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسح پر اتنی سخت وعید نہ فرماتے وعید مذکورہ غسل رجلین پر دال ہے۔ جمہور ائمہ مجتہدین فقہاء، محدثین کے نزدیک پیر کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) موزے نہ پہنے ہوں۔ تو وظیفہ غسل ہے۔ روافض کے ہاں مسح ہے۔ اہل سنت میں سے محمد بن جریر طبری اور بعض کا قول اختیار کا ہے۔ اہل سنت کے دلائل میں سے ایک مذکورہ حدیث بھی ہے۔

(۲) موزے پہنے ہوں تو پیر کا وظیفہ مسح ہے۔

مسح کا معنی:

(۱) حقیقی معنی۔ امرار الید المبتلۃ علی الشیئی تو اس صورت میں امام طحاویؒ کے مطابق مسح کا حکم ابتدا تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

(۲) عام شارحین کے ہاں ''غسل خفیف'' یعنی قلب ماء کی وجہ سے یا ضیق وقت کی وجہ سے غسل خفیف کرتے ہیں جس سے ایڑھیاں خشک رہتی ہیں بعض میں ہے واعقابنا تلوح الف لام عہدی ہے اور معہود خشک ایڑیاں ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاعقاب ہیں یا چونکہ گناہ پیروں کا ہے لہٰذا پیروں کو سزا ہوگی۔

ویل اور ویحک میں فرق:

(۱) ویل لمن یستحق الھلکۃ ویحک لمن لایستحق الھلکۃ

(۲) ویل لمن وقع فی الهلکة ویحك لمن اشرف علیها
عام شارحین ویحك کلمہ ترحم ہے اور ویل بددعا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حدیث میں ہے کہ "یہ جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔"

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا وانبأنا

وقال الحمیدی کان عند ابن عیینه حدثنا واخبرنا، وانبانا وسمعت واحدا وقال ابن مسعود حدثنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخ عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقه وانها مثل المسلم۔ حدثنی ماھی...... ثم قالوا حدثنا ما ھی.

اس باب میں حدثنا، اخبرنا، انبأنا کا حکم بیان ہے کہ یہ متحد ہیں یا ان کا حکم مختلف ہے، سفیان ابن عیینہؒ کے ہاں یہ سب متحد الحکم ہیں اور مترادف ہیں۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جگہ پر حدثنا اور دوسرے مقام پر سمعت فرماتے ہیں۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظ ابن حجرؒ نے ابن رشید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد اشارہ ہے اس طرف کہ میری کتاب میں تمام احادیث مسندات ہیں۔ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس کے بعد حافظ قلت کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصد یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ حدثنا، اخبرنا، انبأنا کا حکم ایک ہے۔

تحمّل حدیث کے فرق کا بیان:

استاد سے حدیث سننے کے مختلف طریقے ہیں۔
نمبر۱: استاد پڑھتا ہو اور شاگرد سنتا ہو اس کو قرأۃ الشیخ کہتے ہیں۔
نمبر۲: شاگرد حدیث پڑھے اور استاد سنے اور یہی امام مالکؒ کا طریقہ تھا کہ شاگرد سے حدیث پڑھواتے تھے یہ صرف امام محمد بن الحسن شیبانیؒ کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے امام

مالکؒ سے موطا سنی ہے۔اس مذکورہ بالا طریقہ کو قرأۃ علی الشیخ کہتے ہیں۔

نمبر۳:اجازت: یعنی محدث اپنی مرویات کی اجازت دے دے کہ تم مجھ سے حدیث نقل کرسکتے ہو۔اس کی چند صورتیں ہیں۔

نمبر۱:مشافہۃ آمنے سامنے اجازت دینا۔

نمبر۲: خط کے ذریعہ سے اجازت دینا۔

نمبر۳: ثقہ کے ذریعے پیغام بھیجا جائے۔

نمبر۴:اجازت عامہ یعنی محدث کہہ دے کہ میری زندگی میں جتنے بھی علم حدیث سے تعلق رکھنے والے ہیں اور تحدیث کے اہل ہیں ان کو میری طرف سے اجازت ہے۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی طریقہ کی بناء پر حافظ ابن حجرؒ کو اپنا استاد ظاہر کرتے ہیں۔

نمبر۴: مناولہ، محدث اپنی احادیث کا مجموعہ کسی کو دے دے اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) مناولۃ مقرون بالاجازۃ (۲) فقط مناولۃ

نمبر۵: وجادۃ، کہیں کسی محدث کی مرویات کا مجموعہ مل جائے تو اس سے نقل کرنا۔

نوٹ: محدثین قرأۃ الشیخ، قرأۃ علی الشیخ، اجازت کا اعتبار کرتے ہیں باقی کا نہیں کرتے۔

ان الفاظ میں قوت یا استعمال کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

حافظؒ نے دو نقل کئے ہیں۔

نمبر۱:امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، یحیٰی بن سعید قطانؒ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تمام الفاظ مترادف ہیں۔اکثر المغاربہ اور کوفیین کا بھی یہی مسلک ہے۔چونکہ لغت میں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔لہٰذا ان مذکورہ علماء میں سے بعض نے کہا کہ جب لغت میں کوئی فرق نہیں ہے تو شرعی معنی کے اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

حافظ نے لکھا ہے ورجحہ ابن الحاجب فی مختصرہ، ونقل الحاکم عن الائمۃ الاربعۃ

نمبر۲:اگر استاد حدیث سنائے تو ان الفاظ میں اس صورت میں کوئی فرق نہیں سب کو

استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرأۃ علی الشیخ کی صورت میں مقید استعمال کریں گے۔ حدثنا قرأۃ علیہ۔ اخبرنا قرأۃ علیہ الخ یہ اسحٰق بن راہویہ، نسائی، ابن حبان، ابن مندہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

نمبر۳: بعض کا قول: امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ، وھب تلمیذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واکثر المشارقہ کا قول یہ ہے کہ صیغوں میں فرق ہے۔ حدثنا قرأۃ الشیخ کے لئے ہے، اخبرنا قرأۃ علی الشیخ کے لئے اور انبأنا اجازت کی لئے استعمال کریں گے۔ ان کے ہاں ایک اور فرق بھی ہے کہ اگر استاد سے اکیلے سنے تو حدثنی اگر اجتماع کی صورت میں سنے تو حدثنا اگر قرأۃ علی الشیخ اکیلے کے لئے تو اخبرنی اور اجتماع کی صورت میں اخبرنا کہے اور اگر کوئی اور قرأۃ علی الشیخ کرتا ہے تو اخبرنا فلان قرأۃ علیہ وانا اسمع کہے۔ اسی طرح اجازت میں انبأنی اور انبأنا علی ھذا القیاس حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ فرق مستحب ہے اور واجب نہیں ہے اور اسی طرح حافظؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب میں اپنے قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عدم فرق مختار ہے اور اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال سے دلیل پیش کی ہے جو ابتداً ذکر ہیں۔

فیما یرویہ عن ربہ..........

یہ حدیث قدسی ہے اس سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ (۱) نبی علیہ السلام کی ساری روایات عن ربہ ہیں بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور عن ربہ میں واسطہ حذف کیا ہے کیونکہ بغیر واسطہ کے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لیلۃ الاسراء میں سنا ہے تو اب جہاں واسطہ کو حذف کیا ہے یہ مرسل کے قبیل سے ہے اور یہ مقبول ہے جس طرح صحابی کا واسطہ حذف کرنے سے مرسل مقبول ہوتا ہے جبکہ محذوف ثقہ ہو۔

(۲) بعض روایات میں عن ربہ کی تصریح ہے بعض میں نہیں لیکن دونوں صورتیں برابر ہیں۔

(۳) روایت معنعنہ مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، مدلس نہ ہو اور لمن روی سے ایک مرتبہ لقاء بھی ہوئی ہو۔

ان من الشجر شجرۃ ...... حد ثونی ماھی .... یہ مقام ترجمہ ہے۔

حافظؒ کا قول:

اس سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے تو بعض میں حدثونی ہے بعض میں اخبرونی ہے اور بعض میں انبئونی ہے، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲) اس سے اشارہ ہے کہ تمام صیغ اداء حدیث سے ثابت ہیں۔

قال فاستحییت...... بعض روایات میں ہے انا عاشر عشرۃ وانا اصغر القوم ہے۔ مجلس سے اٹھنے کے بعد اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میرے دل میں خیال آیا تھا لیکن حیاء کی وجہ سے نہیں کہا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم اس وقت کہہ دیتے تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا کیونکہ ممکن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ذہانت کے لئے دعا فرما دیتے۔

باب طرح الامام المسئلة ليختبر ما عند هم من العلم

اس باب میں اوپر مذکور حدیث نقل کی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نہی عن الاغلوطات کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل مسائل پوچھنے سے منع کیا جس سے آدمی غلطی میں واقع ہوتا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی صورت میں امتحان لینا جائز نہیں ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا کہ امتحان لینا جائز ہے اور جہاں منع ہے وہ اس صورت میں ہے کہ اپنی برتری کا اظہار کرنے کے لئے سوال کرے اور مجلس میں دوسرے کا ذلیل کرنا مقصود ہو۔ اور طلبہ کا امتحان رسوخ فی العلم کے لئے جائز ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ امتحان اتنا مشکل نہ ہو کہ غور و فکر کے بعد بھی اس کی طرف ذہن نہ جائے اور اتنا آسان بھی نہ ہو کہ امتحان مذاق بن جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سوال پوچھا اس میں بعض قرائن تھے مثلاً اس وقت کھجور کے کچھ خوشے لائے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل مثل کلمة طيبة

الآیۃ بھی تلاوت فرمائی تھی۔

انما مثل المسلم......... تشبیہ کس چیز میں ہے؟

(۱) استقامت میں مشابہت ہے۔

(۲) بعض نے لکھا ہے کہ جب اس کا سر کاٹا جائے تو سوکھ جاتا ہے۔

(۳) بعض نے لکھا ہے کہ جب یہ پانی میں ڈوب جائے تو ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) انسان کی پیدائش جیسے بغیر منی کے نہیں ہوتی کھجور بھی بغیر تأبیر کے پھل نہیں لاتا۔

(۵) حضرت آدم علیہ السلام جس مٹی سے پیدا ہوئے اس کے باقی ماندہ سے کھجور کو پیدا کیا گیا۔اس لئے تو اس کو عمتکم کہا گیا ہے۔

ان صورتوں کو حافظؒ نے رد کیا ہے کہ یہ صورتیں مسلمان کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

اصح تر قول: جس طرح مسلمان تمام حالات میں دوسروں کے لئے نفع مند ہے ایسے کھجور بھی تمام حالات میں مفید اور نفع مند ہے۔

باب القرأة والعرض على المحدث

ورأى الحسن والثورى، ومالك القرأة جائزة، واحتج معضم بعضهم، بحديث ضمام بن ثعلبه، واحتج مالك بصك...... حدثنا محمد بن سلام...... عن الحسن، لابأس بالقرأة على العالم، وحدثنا عبيدالله بن موسىٰ عن سفيان، اذا قرأ على المحدث المحدث فلابأس بان يقول حدثنى

الحديث الثانى: حدثنا عبدالله بن يوسف...... عن انس بن مالك بينما نحن جلوس مع النبى صلى الله عليه وسلم فى المسجد فدخل رجل على جمل فاناخه (الى آخره بتفصيله)

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلة من مسائل العلم اس مسئلہ میں مختصر سا اختلاف ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو ذکر کر کے اپنے قول مختار کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تفصیل: جیسے کہ گذر چکا کہ طرق تحمل حدیث میں سے ایک قرأۃ الشیخ ہے۔ یہ بالاتفاق جائز اور معتبر ہے۔

اور ایک طریقہ قرأۃ علی الشیخ کا ہے تو یہ صورت بعض کے ہاں بالکل غیر معتبر اور ناجائز ہے اور بعض کے ہاں جائز تو ہے لیکن قرأۃ الشیخ سے کمتر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے دونوں کا رد مقصود ہے پہلے جواز کا ثبوت کرتے ہیں اور پھر حسن رحمۃ اللہ علیہ، سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے دونوں میں تساوی کا ثبوت کیا ہے۔ نفس مسئلہ میں چند اقوال ہیں۔

نمبر ۱: قراۃ علی الشیخ جائز نہیں۔

نمبر ۲: جائز ہے لیکن قرأۃ الشیخ سے کمتر ہے۔

نمبر ۳: امام بخاریؒ کا قول مختار کہ دونوں مرتبہ کے لحاظ سے برابر ہیں۔

نمبر ۴: امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کہ قرأۃ علی الشیخ قوی ہے قرأۃ الشیخ سے کیونکہ بعض دفعہ استاد غلطی کرے تو شاگرد غلطی پر تنبیہ نہیں کرسکتا۔ یا تو حیاء کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ شاید اس طریقہ سے پڑھنا بھی جائز ہو۔ بخلاف قرأۃ علی الشیخ کے اگر تلمیذ غلطی کرے تو استاد باآسانی تنبیہ کرسکتا ہے۔

نمبر ۵: اگر استاد اپنے حفظ سے سناتا ہے تو قرأۃ الشیخ افضل ہے اور اگر استاد کتاب سے پڑھ کر سناتا ہے قرأۃ علی الشیخ افضل ہے۔

حافظؒ کی رائے:

جمہور محدثین کے ہاں قرأۃ الشیخ قوی ہے اور دوسرے نمبر پر قرأۃ علی الشیخ ہے۔

امام مالکؒ سے جواب:

قرأۃ علی الشیخ ٹھیک اور افضل ہے بشرطیکہ استاد مغفل نہ ہو۔ بعض دفعہ استاد مغفل ہوتا ہے اور غلطی پر تنبیہ نہیں کرتا لہٰذا مطلقاً اس صورت کو افضل نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہؒ سے دو قول نقل ہیں۔

(۱) دونوں صورتیں برابر ہیں۔

(۲) قراۃ الشیخ اقویٰ ہے کما قال الجمھور۔

جبکہ امام مالکؒ کے ہاں اصح قول قراۃ علی الشیخ کی افضلیت کا ہے۔

ابن بطالؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رشید اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر مدینہ آئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ میرے بیٹوں کو آ کر مؤطا سنائیں تو امام مالکؒ نے کہا "العلم یوتیٰ، العلم لا یاتی" پھر ہارون بیٹوں کو لایا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھانے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اس بلد والوں کی عادت نہیں، لہٰذا ہارون کے بیٹوں نے خود مؤطا سنائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تلامذہ نے مؤطا خود سنائی ہے۔ یہ شرف صرف محمد بن الحسن شیبانیؒ کو حاصل ہے کہ ان کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی زبان سے مؤطا سنائی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار اور اس کے دلائل:

امام بخاری کے ہاں قراۃ الشیخ اور قراۃ علی الشیخ دونوں قوت کی لحاظ سے برابر ہیں اور اس کے ثبوت کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل پیش کئے ہیں۔

دلائل: سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

دلیل نمبر ۱: ضمام بن ثعلبہ کی حدیث کہ ان کی قوم کو قاصد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام تشریعیہ کا علم دیا تو ضمام بن ثعلبہ تصدیق کے لئے مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایک کر کے احکام کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقط نعم کہتے اور یہ صورت عرض علی العالم ہے جب ضمام قوم کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی بات کو قبول کیا اور یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے ان چیزوں کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ فقط نعم کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قراۃ علی الشیخ معتبر ہے۔

نوٹ: اس حدیث سے فقط ان لوگوں کا رد ہے جو قراۃ علی الشیخ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان جب معاملہ ہوتا ہے مثلاً زید سے عمرو قرض لیتا ہے اور دستاویز (چیک) لکھی جاتی ہے۔ پھر منشی ان پر

پڑھ کر سناتا ہے تو فقط ''ٹھیک ہے'' کہتے ہیں۔لیکن جب بعد میں گواہ شہادت دیتے ہیں تو کہتے ہیں "اشھدنا فلان " جب باب الشہادت میں عرض معتبر ہے تو تحدیث میں بطریق اولی معتبر ہے کیونکہ شہادات میں احتیاط زیادہ ہے۔

دلیل نمبر۳: پہلے زمانے میں قرأۃ حضرات قران نہیں پڑھاتے تھے بلکہ بچے پڑھتے اور قاری غلطی درست کرتے، بعد میں بچہ کہتا ''اقراءنی فلاں'' جب باب القرآن میں عرض معتبر ہے تو باب تحدیث میں بطریق اولیٰ معتبر ہے اس دلیل سے فقط قرأۃ علی الشیخ کا معتبر ہونا ثابت ہے۔واحتج بعضھم بحدیث ضمام بن ثعلبة حافظؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بعضھم سے مراد ''حمیدی'' ہے لیکن بعد میں اس مقام پر حافظؒ نے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں کی اتباع میں ''حمیدی'' لکھا تھا لیکن وہ غلط ثابت ہوا۔اس سے ابوسعید الحداء مراد ہیں۔

حدیث: بعض روایات میں تفصیل ہے کہ سورۃ المائدۃ کی آیت ''لاتسئلوا عن اشیاء'' کے بعد ہم سمجھ گئے کہ نامعقول سوال سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم چونکہ معقول اور نامعقول میں تمیز نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ہم مطلقاً سوال کرنے سے رک گئے اور اس طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہونے والے علم سے محروم ہو گئے۔ہماری تمنا ہوتی کہ باہر سے کوئی سمجھ دار آدمی آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے اور ہم بھی سن لیں۔ اسی عرصہ میں ضمام بن ثعلبہ آیا۔ان کی قوم کو قاصد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اور اصح قول کے مطابق یہ مسلمان ہو گئے لیکن مزید تصدیق کے لئے قوم نے ضمام بن ثعلبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔الخ۔

یہ واقعہ کب ہوا؟

(۱) واقدی اور محمد بن حبیب کا قول:

یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے،اس لئے ابن التینؒ نے لکھا ہے کہ حج کا ذکر اس لئے نہیں کہ اس وقت تک فرض نہیں تھا۔

(۲) محمد بن اسحاق اور ابوعبیدہ کا قول:

یہ ۹ ہجری کا واقعہ ہے اور اس پر چند قرائن ہیں: (۱) ضمام بطور وفد کے آیا اور سنۃ الوفود ۹ ہجری ہے۔

(۳) روایت میں خط اور قاصد کا ذکر ہے اور خطوط اور قاصد کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا۔

(۴) ضمام بنی سعد کا آدمی ہے اور یہ ہوازن کی شاخ ہے اور ہوازن کا اسلام لانا ۸ ہجری میں ثابت ہے۔

ابن التینؒ سے جواب: اس روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے لیکن مسلم کی روایت میں حج کا ذکر ہے اور بخاری میں دوسری روایت میں حج کا ذکر ہیں ہے۔

ایکم محمد..........

یہ سوال اس لئے تھا کہ ابتداآ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم میں گھل مل کر بیٹھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

فاناخہ فی المسجد.......... ابن بطالؒ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے کیونکہ اونٹ کو مسجد میں باندھا ہے اور یہ ضرور پیشاب کرے گا۔

لیکن حافظؒ نے اس کو رد کیا ہے کہ مسند احمد میں تصریح ہے فاناخہ علی باب المسجد۔ واللہ اعلم۔

باب مایذکر فی المناولة
وكتاب اهل العلم بالعلم الى بلدان

وقال انس: نسخ عثمان المصحف، فبعث بها الى الافاق، ورای ابن عبدالله بن عمرو و يحيى بن سعيد و مالك ذالك جائزا واحتج بعض اهل الحجاز بحديث النبی صلی الله علیه وسلم حيث كتب لامير السرية۔

حدیث اول: حدثنا اسماعيل بن عبدالله عن ابن مسعود ان ابن عباس اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بكتابه رجلا..........

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن مقاتل ابوالحسن...... عن انس رضی الله

عنه كتب النبى صلى الله عليه وسلم او اراد ان يكتب فقيل له انهم لايقرؤن الا كتاباً مختصوماً فاتخذ خاتماً فضة نقشه: محمد رسول الله.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

تحمل حدیث کے طرق میں سے ایک طریق کا بیان ہے۔ یہ صورت ہے ''مناولہ'' کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے مرویات کا مجموعہ تلمیذ کو دے دے اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

(۱) مناولۃ مقرون بالا جازۃ (۲) مطلق مناولۃ بغیر الا جازۃ۔ یعنی فقط مجموعہ دے دے اور نقل کرنے کی صراحۃً اجازت نہ دے۔

جمہور کے ہاں ''مناولہ مقرون بالاجازۃ'' مقبول ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مناولہ میں حدثنا، اخبرنا اور انبأنا استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن اکثر کے ہاں حدثنا اور اخبرنا مطلقاً درست نہیں بلکہ حدثنا، مناولۃً اور اخبرنا مناولۃ استعمال کرے۔ لیکن مناولہ میں بہتر "انبأنا" ہے کیونکہ یہ مناولہ کے لئے خاص ہے۔

دوسرا طریقہ کتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان، یہ صورت مقبول ہے یا نہیں؟ حدیث الباب سے اس کا معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ الہندؒ کا قول:

درحقیقت اس باب سے مقصد مناولہ کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے لیکن چونکہ ''مناولہ'' کے بارے میں صریح روایت نہیں ہے لہٰذا دوسرا ترجمہ ''کتاب اهل العلم بالعلم'' کا بھی ایک ہی باب میں لائے ہیں اور یہ صورت چونکہ حدیث سے ثابت ہے تو ضمناً ''مناولہ'' کو بھی ثابت کیا ہے اور ایسے موقعوں پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی عادت ہے کہ دو ترجمے قائم کرتے ہیں اور دوسرا ترجمہ روایات سے ثابت ہوتا ہے تو ضمناً پہلا ترجمہ کرتے ہیں۔

جمہور کے ہاں مناولہ اور " کتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان'' دونوں معتبر ہے۔

حافظؒ نے کتاب اہل العلم کے معتبر ہونے کے لئے شرائط لکھی ہیں۔

نمبر۱: جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اشارہ کیا ہے کہ کتاب ''مختوم'' ہو۔

نمبر۲: ثقہ اور معتمد آدمی کے ہاتھ بھیجا جائے۔

نمبر۳: مکتوب الیہ، کاتب کے خط سے واقف ہو اور اس کا رسم الخط جانتا ہو۔

ابن بطالؒ اور علامہ کشمیریؒ کا قول:

ابتدائی زمانہ میں کتاب القاضی الی القاضی معتبر تھا کیونکہ وہ خیر کا زمانہ تھا اور قاصد معتمد ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں چونکہ شر غالب ہوا لہٰذا اب کتاب القاضی میں دو گواہوں کو شرط کیا گیا ہے کہ قاضی ان کے سامنے خط لکھے اور پھر وہ خط کے ساتھ جائیں اور دوسرے قاضی کے پاس جا کر گواہی دیں۔ یہ گواہ اس لئے شرط ہیں کیونکہ قاعدہ ہے "الخط یشبہ الخط"

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ فقط ''دعاوی'' کے لئے ہے کہ مثلاً زید عدالت میں جا کر کہے کہ یہ بکر نے لکھا ہے لیکن بعد میں بکر انکار کرے تو یہ خط اور چیک مقبول نہیں ہے کیونکہ "الخط یشبہ الخط" اس موقع پر زید گواہ لائے گا یا قسم کا معاملہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسرے معاملات مثلاً بیع، شراء، نکاح، طلاق وغیرہ یہ خط کے ذریعے جائز اور معتبر ہیں۔

مناولہ کا ثبوت:

جب کتاب اہل العلم معتبر ہے تو ''مناولہ'' بطریق اولیٰ معتبر ہوگا کیونکہ ''مناولہ'' تو مشافہۃً ہوتا ہے۔ جبکہ کتاب کی صورت مشافہۃً نہیں ہوتی۔

اقویٰ کونسا ہے؟ بعض نے مناولہ کو اقویٰ کہا لکونہ مشافہۃً اور بعض محدثین نے کتاب اھل العلم کو اقویٰ کہا ہے دوسرے قرائن کی وجہ سے۔

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرأۃ الشیخ، قرأۃ علی الشیخ، مناولہ اور کتاب اہل العلم کو ذکر کیا ہے اور باقی طرق تحمل کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ مذکورہ صورتیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقبول ہیں اور باقی صورتیں مقبول نہیں ہیں۔

دلائل نمبر ۱: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کو جمع کیا یعنی یکجا لکھا اور پھر مختلف بلاد میں بھیجا تو لوگوں نے اس کو قبول کیا اور لوگوں نے انکار نہیں کیا یہ صورت کتاب اہل العلم بالعلم الی البلدان کی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔

تفصیل: واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو ترتیب سے قرآن لکھاتے، پھر خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو مجموعہ کی صورت میں جمع کیا گیا اور یہ مجموعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ پھر خلافت عثمانی میں جب مجاہدین ہر طرف پھیل گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے مجاہدین کو آیات کے قرأت کے بارے میں لڑتے دیکھا ہے لہٰذا اس امت کو اختلاف سے پہلے سنبھال لیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دورِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو بلایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے مصحف منگوایا اور اس کے چار یا پانچ نسخے تیار کیے۔ ایک نسخہ اپنے پاس رکھا جسے مصحف الامام کہتے ہیں اور دوسرے نسخے کوفہ، بصرہ اور شام کی طرف بھیجے۔

دلیل نمبر ۲: عبداللہ بن عمرؓ، یحییٰ بن سعیدؒ، اور امام مالکؒ ان دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے تھے۔ یعنی ان کے ہاں مناولہ اور کتاب اہل العلم الی اہل العلم کی صورت جائز تھی۔

دلیل نمبر ۳: واحتج اهل الحجاز .... اس سے مراد حمیدیؒ استاد امام بخاریؒ ہیں۔ یہ جمادی الثانی ۲ ہجری بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی امارت میں سریہ روانہ کیا اور عبداللہ کو ایک خط دیا کہ فلاں مقام پر پڑھنا اس سے پہلے مت پڑھو۔ جب وہاں پر خط پڑھا تو لکھا تھا کہ نخلہ کے مقام پر چلے جاؤ اور کفار قریش کی خبر گیری لو۔ وہاں ابن الحضرمی کی امارت میں قافلہ آ رہا تھا کچھ جھڑپ ہوئی ابن الحضرمی مارا گیا اور یہ جھڑپ چونکہ یکم رجب کو ہوئی لہٰذا کفار نے واویلا شروع کیا کہ شہر الحرام میں قتال کیا ہے اسی موقع پر یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه. آیت نازل ہوئی۔

طرز استدلال: امیر کو خط دینا مناولہ ہے اور مقام مخصوص پر لوگوں کو پڑھ کر سنا دینا یہ

کتاب اهل العلم ہے۔

حدیث الباب: یہ خط عبداللہ بن سر جس کے ہاتھوں عظیم البحرین منذر بن سامی کے واسطے سے کسریٰ کو بھیجا۔ خط میں من محمد رسول اللّٰہ الی کسریٰ لکھا تھا کسریٰ کا نام چونکہ مؤخر تھا اس لئے غصہ میں آ کر خط کو پھاڑ ڈالا۔ (آپ صلی اللہ علطیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو بددعا فرمائی کہ اللّٰھم مزقہ کل ممزق تو بعد میں کسریٰ کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کی محبت میں باپ کو مار ڈالا۔ ادھر کسریٰ نے ایک شیشی میں زہر رکھ کر اوپر سے قوت باہ کی چٹ چسپاں کر رکھی تھی جس کو کھا کر اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ بعد میں بیٹی تخت نشین ہوئی۔ اور آخر میں یزدگر بادشاہ بنا جو قتل ہوا۔ اس طرح ان کی حکومت ختم ہوگئی۔)

کسریٰ نے خط پھاڑا اور یمن کے گورنر بازان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس نے دو آدمی بھیجے بڑی مونچھوں اور چھوٹی داڑھیوں والے (جیسے جماعت اسلامی والے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ویلکما من امر کما بھذا؟ فقالا امرنا ربنا کسریٰ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں گھٹانے کا حکم دیا ہے...... پھر فرمایا: جکاؤ میرے رب نے تمہارے رب کو قتل کیا۔ تو یہ بازان کے پاس گئے اس نے تھوڑا انتظار کیا جب کسریٰ مارا گیا تو بازان اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوا۔

طرزِ استدلال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ پر خط بھیجا اور یہ معتبر ہے یہی کتاب اهل العلم ہے۔

حدیث ثانی:

اس میں ہے کہ خط تب معتبر ہے جبکہ مختوم ہو اور ثقہ کے ہاتھ بھیجا ہو اور مکتوب الیہ کاتب کا رسم الخط جانتا ہو۔

فاتخذ خاتما من فضۃ...... اس کی صورت یوں تھی: اللّٰہ، رسول، محمد،

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجةً في الحلقة فجلس فيها

حدثنا اسماعيل...... عن ابي واقد الليثي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس...... اذا اقبل ثلثة نفرفاً قبل اثنان الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وذهب واحد، فاما احدهما فرأى فرجةً...... واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبر ذاهباً...... قال الا اخبركم عن النفر الثلثة اما احدهم فأوى الى الله فآواه واما الاخرفاستحيٰ فاستحي الله منه واما الآخرفاعرض فاعرض الله عنه.

ترجمۃ الباب کا مقصد

نمبر ا: حافظؒ اور ابن بطالؒ کے ہاں یہاں "بيان ادب من آداب المتعلم" ہے کہ جب متعلم مجلس علم میں آئے تو اگر حلقہ میں خالی جگہ دیکھے اور بغیر ایذاء کے وہاں تک پہنچ سکتا ہے تو حلقہ کے اندر بیٹھ جائے اور اگر حلقہ کے اندر جگہ نہ ہو یا جگہ ہو لیکن بغیر ضرر کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا یعنی لوگوں کو ضرر ہوتا ہے تو انتہاء مجلس میں لوگوں کے پیچھے بیٹھ جائے لیکن مجلس علم سے اعراض کر کے نہ جائے کہ یہ علم سے اور رحمت الٰہی سے محرومی کا سبب ہے۔

نمبر ۲: طالب علم کے متعلق ایک مسئلہ کا بیان ہے کہ بوقت طلب العلم تواضع اور انکساری کو اپنائے، چنانچہ بوجہ تکبیر مجلس علم سے اعراض کرنا سبب محرومی ہے۔

فرأى فرجةً في الحلقة .... حافظؒ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ تھوڑے ہوں تو دائرہ میں بیٹھنا مستحب ہے اس طرح کہ وسط حلقہ خالی ہو۔

فوقفا على رسول الله.......... یہاں پر یا تو مضاف محذوف ہے ای علی مجلس رسول الله۔ (۲) یا علیٰ بمعنی عند ہے ای وقفا عند رسول الله۔

واما الآخر فاستحيٰ.......... حافظ ابن حجرؒ نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں۔

نمبر ا: قاضی عیاضؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے حلقہ کے اندر بیٹھنے کے لئے مزاحمت نہیں کی اور لوگوں کے پیچھے انتہاء مجلس میں بیٹھ گیا، یہی مقصود ہے۔

نمبر۲: اتی فاستحیٰ عن الذھاب اور اسی معنی کو حافظؒ نے ترجیح دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ جب اس کو جگہ نہیں ملی تو جانے لگا لیکن پھر حیاء آئی کہ مجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر استفادہ کئے کیسے جاؤں تو پھر لوٹ آیا اور بیٹھ گیا۔ لہٰذا یہاں حیاء عن الذھاب مراد ہے۔

فاستحیٰ اللّٰہ منه .... یعنی حیاء کا بدلہ (ثواب) دیا لفظ حیاء کا استعمال ذات واجب الوجود کے لئے مشاکلۃً ہے۔

باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع

حدثنا مسدد...... عن عبدالرحمن ابن ابی بکرۃ عن ابیه، انه ذکر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، قال ای یوم ھذا...... قال الیس بذی الحجة...... ای شھر ھذا...... ای بلد ھذا...... قال فان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام لحرمة یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ له منه.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر۱: بیان ادب من آداب المتعلم کہ متعلم کو چاہئے کہ ہر کسی سے علم حاصل کرے چاہے استاد جو مفاہم اور معانی کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو اور متعلم یہ نہ دیکھے کہ معلم علم کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہے یا نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث نے یہی بات الابواب والتراجم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے انداز سے نقل کی ہے کہ آدمی تب تک عالم نہیں ہو سکتا حتیٰ یاخذ عمن ھو فوقه وعمن ھو مثله وعمن ھو دونه۔

نمبر۲: مقصد بیان ادب میں آداب المعلم ہے کہ معلم کسی کو پڑھانے سے انکار نہ کرے ہر کسی کو پڑھائے کیا معلوم کون زیادہ اوعیٰ اور افھم ہو کہ ایسے فوائد حاصل کرے جو خود معلم حاصل نہ کر سکا ہو۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے امام اعمشؒ استاد امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ

امام اعمشؒ کسی مسئلہ میں الجھے جب امام صاحبؒ تشریف لائے تو اعمشؒ نے آپ پر مسئلہ پیش کیا۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کا حل نکالا۔ تو اعمش نے پوچھا کہ یہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا ہے؟ امام صاحب نے کہا من حدیث حد ثتنی کذا و کذا یوم کذا و کذا۔

جب اعمشؒ نے اس حدیث پر غور کیا تو فرمایا: انتم اطباء و نحن صیادلۃ کہ ہم تو جڑی بوٹیاں فروخت کرنے والے ہیں لیکن فوائد ہمیں معلوم نہیں ہیں اور آپ لوگ طبیب ہو جڑی بوٹیوں کے فوائد کے عالم ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ متعلم علم میں معلم سے کم ہو بلکہ بعض دفعہ متعلم استنباط مسائل میں معلم سے بڑھ جاتا ہے۔ واللہ اعلم.

حدیث الباب:

یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔

اشکال:

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث ہے لاتتخذوا ظهور الدواب منابر اور اس واقعہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے۔

جواب:

حافظؒ کی تطبیق:

نمبر ۱: جانور پر خطبہ دینا بلا ضرورت منع ہے اور بوقت ضرورت جائز ہے۔ تو تطبیق یہ ہے کہ منع بلا ضرورت کی صورت میں ہے اور یہاں پر ضرورت تھی۔

نمبر ۲: جانور پر طویل بیٹھنا منع ہے اور یہاں پر مختصر بیٹھنا واقع ہوا ہے جو کہ جائز ہے۔

ای یوم هذا ای شهر هذا، ای بلد هذا.........

یہ انداز خطاب ہے مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے اور بات کو اوقع فی النفس کرنے کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ دن کون سا ہے، مہینہ کون سا ہے اور شہر کون

سا ہے لیکن وہ خاموش رہے، وہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ خاموش ہو گئے اور اپنی رائے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیا۔

اشکال:

اس حدیث میں ہے کہ ہم چپ ہو گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے جواب دیا کہ فلاں دن فلاں مہینہ فلاں بلد ہے تو حدیثین متعارض ہیں۔

جواب:

حافظؒ نے دو طرح سے تطبیق دی ہے۔

نمبرا: کہ مجمع زیادہ تھا، ابو بکرہ اپنے اردگرد لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ میرے اردگرد لوگ چپ ہو گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اردگرد کے لوگوں کا حال بیان کررہے ہیں کہ انہوں نے جواب دیا تھا۔

نمبر۲: ابو بکرہ کی روایت میں پورا واقعہ نقل ہے کہ لوگ اولاً خاموش ہو گئے تھے بعد میں جواب دیا تھا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف آخری حصہ نقل ہے۔

امسك انسان بخطامه.......... انسان سے مراد حافظؒ کے قول کے مطابق (۱) اصح تر قول ''ابو بکرہ'' ہیں۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اور قول بھی منقول ہے۔ فان دمائكم واموالكم حرام لحرمة يومكم هذا في بلد كم هذا في شهر كم هذا۔

اشکال:

یہاں پر حرمت دماء وغیرہ کو حرمت یوم۔ حرمت شہر سے تشبیہ دی ہے حالانکہ حدیث میں ہے مسلمان کے خون کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے زیادہ ہے تو یہاں پر مشبہ بہ سے مشبہ حرمت میں اقویٰ ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے قوی ہوتا ہے اور یہاں اس کا عکس ہے؟

جواب: یہ تشبیہ شہرت کی بناء پر ہے کہ ان کے ہاں اس دن اس مہینہ اور بلد کی حرمت

مشہور اور مسلم تھی لہٰذا حرمت خون کو اس سے تشبیہ دی ہے۔

فان الشاهد عسیٰ ان یبلغ من هو اوعیٰ له منه.........

اوعیٰ بمعنی (۱) احفظ (۲) افهم۔

باب العلم قبل القول والعمل لقول الله عزوجل فاعلم انه لا اله الا الله فبدأ بالعلم وانّ العلماء هم ورثة الانبياء...... ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقاً الى الجنة وقال انّما يخشى الله من عباده العلماء۔ وما يعقلها الا العالمون۔ وقالوا لو كنا سمع او نعقل الخ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ا: حافظؒ نے ابن منیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ علم کا مرتبہ قول و عمل سے مقدم ہے کیونکہ قول و عمل کی تصحیح موقوف ہے۔ صحت نیت پر اور صحت نیت موقوف ہے اخلاص پر اور اخلاص نتیجہ ہے علم کا۔

نمبر ۲: علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہ بیان مقصود ہے کہ علم کا تقدم قول و عمل پر تقدم شرعی ہے تقدم زمانی کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

نمبر ۳: شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اس تقدم کو زمان اور شرع کی قید سے مقید کرنا درست نہیں ہے بلکہ مطلق چھوڑا جائے گویا اشارہ ہے کہ علم زماناً بھی اور شرعاً بھی مقدم ہے۔

نمبر ۴: اشار الیہ الحافظ ایک مشہور مغالطہ کا رد ہے۔ مغالطہ یہ ہے کہ نصوص میں جو علم کے فضائل و مناقب ذکر ہیں وہ علم مع العمل کے لئے ہیں اور جو علم بلا عمل ہو اس پر یہ فضائل حاصل نہیں ہوں گے تو اس مغالہ کا رد مقصود ہے کہ علم کے دو مرتبے ہیں ایک علم مع العمل اور ایک علم بلا عمل۔ علم مع العمل بلاشبہ اعلیٰ مرتبہ ہے لیکن نصوص میں جو فضائل وارد ہیں وہ مطلق علم کے لئے ہیں چاہے عمل ساتھ ہو یا نہ ہو اب اگر عمل علم کے ساتھ نہ ہو تو وہ فضائل کا مستحق تو ہوگا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ عدم عمل کی وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا۔

فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك......... یہاں سے دعویٰ کے دلائل کا بیان ہے۔ حافظؒ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال سفیان ابن عیینہؒ نے کیا ہے۔ ابونعیم اصفہانیؒ نے

حلیۃ العلماء میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے یہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس میں ابتداء علم سے کی ہے اور بعد میں استغفار کا ذکر ہے جو کہ عمل ہے، اس سے تقدم ثابت ہوتا ہے۔

العلماء وارثة الانبیآء.......... یہ ابوداؤد کی حدیث کا ٹکڑا ہے، سنداً بعض نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے لیکن علی شرط البخاری نہیں تھی لہٰذا امام بخاریؒ نے بطور حدیث اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور ظاہر ہے کہ وارث کا وہی حکم ہوتا ہے جو مورث کا ہوتا ہے تو لہٰذا تعظیم کے لحاظ سے جو مقام انبیاء کا ہے وہی مقام علماء کا بھی ہوگا اس سے فضیلت علم ثابت ہوتی ہے۔ ورثوا العلم پر یا تو توریث سے ہے تو اس صورت میں فاعل انبیاء ہوں گے۔ یا یہ ورث مجرد ہے تو اس صورت میں فاعل علماء ہیں۔

من سلک طریقا یطلب به علماً.......... حافظؒ نے لکھا ہے کہ طریقاً اور علماً دونوں نکرہ ہیں تو دونوں جگہ تعمیم مقصود ہے۔

انما یخشی اللّٰہ من عباده العلمآء.......... وجہ خشیت یہ ہے کہ خشیت علم کا اثر ہے۔

قرأتین:

عام قرأت میں تو لفظ اللّٰہ مفعول ہے اور العلماء فاعل ہے لیکن دوسری قرأت امام ابوحنیفہؒ اور عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ لفظ اللّٰہ مرفوع فاعل اور العلماء مفعول ہے تو اس صورت میں یخشیٰ رعایت کے معنی میں ہوگا اس سے بھی ہمارا اور علم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

وما یعقلها .... ضمیر مونث امثال مذکورہ کو راجع ہے۔

وقالوا لو کنا نسمع او نعقل.......... کفار دخول جہنم کے بعد افسوس کریں گے کہ کاش ہم علم کی باتیں سنتے اور سمجھتے تو عمل کر لیتے اور جہنم سے بچ جاتے۔

هل یستوی الذین یعلمون .... استفہام کے ذریعے عدم التساوی بین العلم والجهل کا بیان ہے۔

من یرد اللّٰہ به خیرا یفقه فی الدین۔ انما العلم بالتعلم ۔ حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ دورِ خلافت میں مدینہ آئے اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دیا، یاایھاالناس تعلموا العلم انما العلم بالتعلم و الفقه بالتفقه۔ آگے فرمایا۔ من یرد اللّٰه به خیرا یفقه فی الدین یہ بھی مرفوع حدیث ہے لیکن علی شرط البخاری نہیں ہے لہٰذا تخریج نہیں کی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ انما العلم بالتعلم سے ثابت ہوتا ہے کہ لیس العلم معتبر الا الماخوذ من الانبیاء و ورثتهم علی سبیل التعلّم۔

لو وضعتم الصمصامة علی هذه .... یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ یہ زہد و تخشع میں مشہور تھے، شام میں مقیم تھے ایک مرتبہ گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیت والذین یکنزون الذهب الآیة میں مخالفت ہوگئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا نزلت فی اهل الکتاب اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا نزلت فینا وفیتهم اس اختلاف سے انتشار کا خطرہ پیدا ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کو مدینہ بلالیں تو مدینہ میں ان کے فتوؤں کی وجہ سے اختلاف سا ہونے لگا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مقام ''ربذہ'' میں مقیم ہوگئے اور حکومت کی طرف سے ان پر فتویٰ دینے پر پابندی لگا دی گئی۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر جمرۃ الوسطیٰ کے پاس لوگوں کو فتوے دے رہے تھے، اسی وقت ایک آدمی نے آکر کہا الم تنهی عن ذالك تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لو وضعتم الصمصامة علی هذا واشار الی قفا. الخ

استنباط مسئلہ: حافظؒ نے لکھا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے فتویٰ پر پابندی کو پورا کرنا اور اس پر عمل ضروری نہیں گویا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رائے میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہی نہیں۔

وکونوا ربانیین .... تفسیر ابن عباس کے مطابق اس کا معنی ہے۔

حکمآء، علماء، فقهآء: سب سے اعلیٰ مرتبہ حکیم کا ہے پھر فقیہ کا اور پھر عالم کا مرتبہ ہے۔

عالم: فقط مسائل کا جاننے والا۔ وجوہ اور اسباب و دلائل نہ جانتا ہو۔

فقیہ: مسائل مع الوجوہ والاسباب والدلائل کا عالم ہو۔

حکیم: مسائل مع الوجوہ والاسباب والدلائل مع الحکمۃ کا عالم ہو اور منافع اور مضرات کا جاننے والا ہو۔

تفسیر کا مقصد: تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ حکیم بنا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہی لیکن اس کے لئے ابتداعلم سے ہوتی ہے پہلے عالم پھر فقیہ اور پھر حکیم بنتا ہے۔ ربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ.

صغار العلم و کبارہ کا معنیٰ:

نمبر۱: صغار علم سے مراد واضح مسائل اور کبار سے دقیق مسائل مراد ہیں۔

نمبر۲: صغار سے فروع اور کبار سے اصول مراد ہیں۔

نمبر۳: صغار سے وسائل یعنی علوم اکبر مراد ہیں اور کبار سے مقاصد یعنی علوم عالیہ مراد ہیں مقصد یہ ہے کہ ترتیب ایسی ہو کہ وہ علوم مقدم ہوں جو متعلم برداشت کر سکے پھر ترقی کرنی چاہئے۔

اشکال: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں مرفوع حدیث نہیں لائے؟

جواب نمبر۱: کوئی حدیث اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی۔

نمبر۲: بعد میں حدیث لانے کا ارادہ تھا لیکن موقع نہ مل سکا۔

نمبر۳: تشحیذ اذہان کے لئے حدیث کو چھوڑا ہے کہ خود مناسب حدیث تلاش کر کے لاؤ۔ وغیرہ۔

باب ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كى لاينفروا

حدیث اول: حدثنا محمد بن یوسف ...... عن ابن مسعود رضى الله عنه كان النبى صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة فى الايام كراهة السآمة علينا۔

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن بشار ...... عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ معلم کو چاہئے کہ متعلم کے نشاط کا خیال رکھے اور ایسے اوقات میں پڑھائے کہ پڑھنے کے لئے دل میں شوق اور نشاط ہو اور تنفر اور اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔

اکابرین کا قول ہے کہ وعظ و تعلیم و تعلم اگرچہ خیر ہے لیکن دن رات اسی میں مصروف نہیں رہنا چاہئے ورنہ اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایسے اوقات میں پڑھایا جائے کہ طلبہ کا ذہن سبق کے لئے متوجہ ہو۔

یتخولهم .... حافظؒ نے لکھا ہے کہ خال یا خائل کا معنی مال کی نگہداشت کرنے والا۔

علامہ انور شاہ صاحب نے ''نگرانی کرنا'' کا معنی لکھا ہے۔

حافظؒ وغیرہ نے یتعرنا کا معنی کیا ہے کہ ہمیں عادی بناتے تھے یعنی تھوڑا تھوڑا وعظ فرماتے تاکہ ہم عادی ہو جائیں۔

بالموعظة والعلم .... یہاں اصل مقصود تخول بالعلم مقصود ہے بالموعظۃ مقصود بالذکر نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث الباب میں موعظۃ کا ذکر ہے لہٰذا ترجمۃ الباب میں علم کے ساتھ اس موعظۃ کو ذکر کیا۔ پھر اس سے علم کا حکم بھی ثابت کیا۔

موعظۃ خاص ہے اور علم عام ہے علم میں موعظہ بھی شامل ہے اور دیگر اشیاء بھی۔

یسروا ولا تعسروا .... طرز استدلال تیسیر کا حکم اپنے عموم کے اعتبار سے علم کو شامل ہے اور علم میں تیسیر یہ ہے کہ ابتداء تعلیم میں آسانی کی جائے اور عادی بنانے کے لئے زیادہ پڑھانے سے گریز کیا جائے۔ حدیث کا یہ جز ترجمۃ الباب کے مناسب ہے۔

بشروا ولا تنفروا .... بعض محدثین نے اس جز کو بھی ترجمۃ الباب سے مناسب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام اجزاء ترجمہ کے مناسب ہوں بلکہ ایک جزء کی مناسب کافی ہے۔

اشکال: حدیث میں تشبیہ کا مقابل تنفیر ذکر کیا ہے حالانکہ تبشیر کا مقابل انذار ہے اور

تیسیر کا مقابل تو تعسیر ہے؟

علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں معلم کے لئے یہ نصیحت مقصود ہے کہ صرف وتخویف اور انذار پر اکتفا نہ کرے بلکہ تبشیر بھی کرے گویا مقصد یہ ہے کہ ابتداء میں تبشیر کیا کرو کیونکہ اس سے دل زیادہ متوجہ ہوتے ہیں البتہ جہاں انذار وتخویف کی ضرورت ہو تو وہاں تخویف بھی کیا کرے۔

باب من جعل لاهل العلم ایاما معلومة

حدثنا عثمان بن ابی شیبة.......... عن ابی وائل کان عبداللّٰه یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل لوددت انك ذکرتنا کل یوم...... الی اکره ان املکم. الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلة من مسائل العلم کہ تعلیم وتعلم کے لئے تخصیص ایام شرعاً جائز ہے بدعت کے قبیل سے نہیں ہے، یہ باب گزشتہ کے لئے تکملہ اور تتمہ ہے۔ نگہداشت وتیسیر کی ایک صورت یہ ہے کہ تعلیم کے ایام متعین کئے جائیں۔ اور یہ فعل ابن مسعودؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث سے استدلال کیا کہ کان یتخولنا......الحدیث

ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ تعین اوقات یا تعین ایام مقصود بالذات نہیں ہوتے اور نہ ان کو کوئی ثواب سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ بدعت نہیں کیونکہ بدعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق من احدث نی امرنا هذا لیس منه فهورد۔ الحدیث

وہ قول محدث اور فعل محدث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہو۔ ثواب اور دین سمجھتے ہوئے احداث کیا جائے اور ظاہر ہے کہ تعین اوقات کو کوئی ثواب اور دین نہیں سمجھتا لہٰذا یہ بدعت نہیں ہے۔

فقال رجل: رجل سے مرادیزید بن معاویه الحنفی ہیں۔

باب من یرد اللّٰه به خیرا یفقهه فی الدین

حدثنا سعید بن عفیر ...... عن معاویة رضی اللّٰه عنه یقول سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول من یرد اللّٰه به خیرا یفقهه فی الدین وانما أنا قاسم واللّٰه یعطی ولن تزال هذه الامة علی امر اللّٰه لا یضرهم من خالفهم حتی یاتی امر اللّٰه۔

جیسا کہ گذر گیا ہے کہ ابتدائی مرتبہ عالم کا ہے پھر فقیہ کا اور پھر سب سے اعلیٰ مرتبہ حکیم کا ہے یہاں اس کا ذکر ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس سے پہلے جتنے ابواب گذر گئے ان میں علم اور عالم کی فضیلت کا بیان تھا اور اب فقیہ کی فضیلت کا بیان ہے کہ فقط عالم بننے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اگلا مرحلہ فقیہ کا بھی حاصل کرے۔

فقیہ کا معنی ان نصوص میں جو فقہ اور فقیہ کا ذکر ہے اس سے فقہ اصطلاحی یعنی عالم بالفروع مراد نہیں ہے بلکہ مطلقاً فہم فی الدین کا معنی ہے۔

فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ دنیا میں فقط انبیاء اور مبشرین بالجنۃ کی عاقبت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے یا شر کا۔ یہ صرف فقہاء کی خصوصیت ہے کہ جس کو فقہ فی الدین دی گئی اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا۔

انما انا قاسم واللّٰه یعطی ...... کہ تمام نعمتوں کا حقیقی معطی تو اللہ ہے میں تو صرف لوگوں تک ان کا معین اور مقرر حصہ پہنچا دیتا ہوں۔

لن تزال هذا الامة قائمة علی امر اللّٰه وفی بعض الروایات طائفة من هذه الامة

اس طائفہ سے کون مراد ہیں؟ اس کے بارے میں چند اقوال ہیں:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے اہل العلم بالاثار یعنی محدثین مراد ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق اگر محدثین نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے امام احمد کے قول کی تشریح میں کہا ہے کہ محدثین سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کافی عرصہ تک تردد رہا کہ امام احمدؒ نے یہ قول کیسے کیا حالانکہ حدیث میں مجاہدین کی تصریح ہے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کا حل ڈال دیا کہ مجاہدین اور اہل سنت ایک ہی مصداق کی دو تعبیریں ہیں کیونکہ چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاد فقط اہل سنت والجماعت ہی نے کیا ہے۔

امام نوویؒ سے حافظؒ نے نقل کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ طائفہ ایک ہی جماعت سے ہو بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے افراد متعدد جماعتوں سے تعلق رکھتے ہوں بعض صوفیا سے، بعض مجاہدین، بعض محدثین، فقہاء سے ہو سکتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس طائفہ کے افراد یکجا جمع ہوں۔

حتیٰ یاتی امر اللہ .... اس سے وہ ہوا مراد ہے جو قیامت سے ذرا پہلے چلے گی اس سے اہل ایمان کی روح قبض ہو جائے گی۔

باب الفهم فی العلم

حدثنا علی بن عبداللہ...... عن مجاهد عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال كنا عندالنبی صلی اللہ علیه وسلم فاتی بجمار فقال ان من الشجر شجرة.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر۱: علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد معلم کے آداب میں سے ایک ادب کا بیان ہے وہ اس طرح کہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ فہم فی العلم میں مختلف ہوتے ہیں جیسے حدیث الباب سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فہم اعلیٰ تھا فوراً نخلہ کی طرف ذہن گیا لیکن دیگر صحابہ کا ذہن نہیں گیا تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ لوگ فہم فی العلم میں مختلف ہوتے ہیں بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ اور بعض متوسط فہم کے مالک ہوتے ہیں تو معلم کو تینوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

نمبر۲: مقصد یہ ہے الفہم فی العلم مطلوب کیونکہ گذر چکا ہے کہ کونوا ربانیین کا معنی

ہے۔ کونوا فقہا علماء حکماء تو مقصد یہ ہے کہ تینوں مراتب کا حصول ضروری ہے یعنی فقط علم پر اکتفا نہ کرو بلکہ اگلا مرتبہ فقیہ کا حاصل کرو پھر اگلا مرتبہ حکیم کا حاصل کرو اگر تم کوشش کر کے فقیہ اور حکیم نہ بھی بن سکے تو کم از کم فہم فی العلم تو حاصل ہو جائے گا اور یہی مطلوب چیز ہے۔

نمبر۳: حافظؒ اور شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے باب الفہم فی العلم ای باب فضل الفہم فی العلم یعنی فضیلت فہم کا بیان ہے۔

اشکال:

اشکال ہوتا ہے کہ اس باب میں فہم کی فضیلت کا بیان کیسے ثابت ہوتا ہے حالانکہ حدیث الباب میں فہم العلم کی فضیلت کا کوئی ذکر نہیں ہے؟

جواب:

امام بخاریؒ کا طریقہ ہے کہ حدیث متعدد بار نقل کرتے ہیں کبھی مفصل اور کبھی مختصر اور اسی طرح کبھی ترجمۃ الباب قائم کر کے مختصر حدیث لاتے ہیں لیکن مد نظر مفصل حدیث ہوتی ہے یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ اسی کو کتاب العلم میں مفصلاً ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ مجلس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے نخلہ کا خیال آیا تھا فاستحییت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم اس وقت بتا دیتے تو میرے لئے حمر النعم سے زیادہ پسند ہوتا کیونکہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے فہم فی العلم کی دعا فرما لیتے تو اس سے فضیلت فہم فی العلم ثابت ہوتی ہے۔

فاردت ان اقول ھی النخلة............ یہ مقام ہے فہم فی العلم کا۔

صحبت ابن عمر الی المدینة فلم اسمعه بحدیث الخ دراصل صحابہ کرام توقف اور احتیاط کا پہلو اختیار کرتے تھے کیونکہ حدیث میں وعید ہے: من حدث عنی حدیثا وھو یری انه کاذبا فلیتبوأ مقعده من النار ، لہٰذا صرف شدید ضرورت کے بناء پر حدیث بیان کرتے ورنہ عموماً توقی اختیار کرتے اور یہی طریقہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

باب الاغتباط فی العلم والحکمة

قال عمر رضی اللّٰہ عنه تفقهوا قبل ان تسودوا وقال ابو عبداللّٰہ وبعد ان تسودوا...... حدثنا الحمیدی عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه لاحسد الا فی اثنتین۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: علم کی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، فضیلت یہ ہے کہ یہ قابل غبطہ چیز ہے اور اہمیت یہ ہے کہ سیادت سے پہلے بھی علم حاصل کرے اور سیادت کے بعد بھی حاصل کرے۔

نمبر ۲: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا قاعدہ ہے کہ کبھی گزشتہ باب کی اجمال کو واضح کرنے کے لئے دوسرا باب قائم کرتے ہیں جیسے یہاں کہ ماقبل میں فہم فی العلم کی فضیلت بیان ہوئی تو اب یہ فہم کیسے حاصل ہوگا تو یہاں بتادیا کہ تفقهوا قبل ان تسودوا وبعد ان تسودوا یعنی من المهد الی اللحد۔ اس طرح فہم حاصل ہوگا۔ فہم فی العلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔ العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك۔

الاغتباط فی العلم والحکمة............

ترجمۃ الباب سے حدیث کی وضاحت مقصود ہے دو باتوں میں۔

نمبر ۱: حدیث میں ہے "لاحسد الا فی اثنتین" اور حسد نظر شریعت میں مذموم ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں غبطہ کا لفظ لائے ہیں کہ حسد سے مراد غبطہ ہے اور غبطہ شرعاً جائز اور مطلوب ہے لقوله تعالیٰ وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون۔

حسد اور غبطہ میں فرق:

حسد یہ ہے کہ دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا کرے چاہے اس کو وہ نعمت ملے یا نہ ملے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حسد کرنے والا دوسرے کی نعمت دیکھ کر جلتا ہے جس کی وجہ سے زوال نعمت کی تمنا کرتا ہے اور یہ مذموم ہے۔ غبطہ یہ ہے کہ کسی کی صفت حسنہ دیکھ کر آدمی یہ تمنا کرنے کہ اللہ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمائے، بغیر تمنا زوال نعمت من الغیر، کہ یا اللہ اس کے پاس بھی یہ نعمت ہے لیکن مجھے بھی عطا فرمادیجئے یہ جائز اور مطلوب ہے۔

نمبر۲: دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ حدیث میں ہے رجل اتاہ اللہ الحکمۃ الخ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں "فی العلم والحکمۃ" لائے ہیں تا کہ کتاب العلم سے مناسبت پیدا ہو جائے اور ویسے بھی حکمت کے درجہ تک پہنچنے تک راستہ علم سے گزرتا ہے کیونکہ علم مقدم ہوتا ہے پھر حکمت حاصل ہوتی ہے۔

قال عمر رضی اللہ عنہ تفقھوا قبل ان تسودوا قال ابو عبداللہ وبعد ان تسودوا

مقصد فقط یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سیادت کے بعد علم حاصل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ سیادت کے بعد حصول علم سے موانع پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً یا تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ سیادت کے بعد آدمی کو شرم آتی ہے کہ اس حال میں کیسے علم حاصل کروں گا اور یا یہ وجہ ہوتی ہے کہ سیادت کے بعد خدمت خلق کے تقاضے ہوتے ہیں اور تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا۔

شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ک قول کا مطلب یہ ہے کہ سیادت سے پہلے علم حاصل کرو ورنہ بعد میں جب اہل علم کی طرف لوگوں کی رجوع دیکھو گے تو حسد پیدا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ لوگوں کے سامنے تمہاری خامیاں ظاہر ہو جائیں اور سیادت سے ہی ہاتھ دھونے پڑیں۔

سیادت کا معنی:

(۱) حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے قبل ان تزوّجوا نقل کیا ہے۔ حافظؒ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ترویج سیادت کا جزء تو ہو سکتا ہے مکمل سیادت نہیں۔ (۲) سواد سے مراد صاحب لحیہ ہونا ہے یعنی صاحب لحیہ ہونے سے پہلے حاصل کرو کیونکہ بعد میں ذہن مشوش ہوتا ہے اور تحصیل علم پوری طرح نہیں ہوتا۔

لاحسد الا فی اثنتین...... (۱) یا تو حسد سے غبطہ مراد ہے اس صورت میں ترجمہ شارحہ ہوگا یا حسد کا اپنا معنی مراد لیں مطلب یہ ہے کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں جائز ہوتا۔

"فسلطه علی هلکته فی الحق" فی الحق کی قید سے اسراف سے احتراز ہوا ہے۔

حدثنا اسماعیل بن ابی خالد علی غیر ماحدثنا الزهری

مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث زہری نے ہمیں سنائی ہے اور اسماعیل نے بھی سنائی ہے۔ لہٰذا اضطراب کا اشکال نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

باب ماذکر فی ذهاب موسیٰ فی البحر الی الخضر

وقوله تعالیٰ: هل اتبعك علی ان تعلمن، حدثنا محمد .... عن الزهری عن ابن عباس رضی الله عنهما انه تماریٰ هو والحربن قیس بن الحصن الفزاری فی صاحب موسیٰ علیه السلام.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ علم قابل غبطہ چیز ہے تو مقصد یہ ہے کہ اس کے حصول کے لئے مشقت برداشت کرنا چاہئے یہ مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔

نمبر ۲: شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ گزشتہ باب میں تفقهوا قبل ان تسودوا و بعد ان تسودوا ہے۔ تو اس باب میں اس اجمال کی تفصیل ہے یا اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے نبوت اور سیادت کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تحصیل علم کے لئے سفر کیا جیسا کہ فرمایا: هل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا تو یہ واقعہ ماقبل دعویٰ کے لئے ناقابل تردید دلیل ہے۔

نمبر ۳: بعض علماء اس باب کا مقصد یہ ہے کہ تحصیل علم کے لئے سفر جائز ہے۔

اشکال: اس قول پر اشکال ہوتا ہے کہ بعد میں اس مقصد کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "باب الخروج فی طلب العلم" لا رہے ہیں۔ لہٰذا یہ قول درست نہیں ہے۔

نمبر ۴: اس اشکال سے بچنے کیلئے بعض نے کہا ہے کہ سفر دو قسم پر ہے بری اور بحری تو یہاں پر سفر بحری کے جواز کا ثبوت ہے اور آگے باب میں سفر بری کا ثبوت ہے۔

اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ قول تب درست ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفرالی خضر فی البحر تھا حالانکہ یہ سفر حضرت خضر علیہ السلام تک بری تھا البتہ ملاقات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے بحری سفر کیا ہے۔لہٰذا ترجمۃ الباب میں "ذھاب موسی فی البحر الی خضر" کے الفاظ غلط ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس اشکال سے بچنے کے لئے ہم دوجگہ میں اگر مضاف محذوف مان لیں گے تو اشکال سے بچا جاسکتا ہے۔

نمبرا: فی البحر میں ''البحر'' سے پہلے ''ساحل'' مضاف محذوف مان لیں تو عبارت یوں بنے گی۔ ''ماذکر فی ذھاب موسیٰ فی ساحل البحر'' تو اشکال نہیں ہوگا۔

نمبر۲: الی خضر میں خضر سے پہلے ''مقصد'' کو مضاف محذوف مان لیں تو عبارت ہوگی ''فی ذھاب موسیٰ فی البحر الی مقصد خضر" اس صورت میں بھی اشکال نہیں ہوگا۔

نمبر۳: حافظؒ نے ابن منیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس مقام پر الی خضر میں الی بمعنی ''مع'' ہے جیسے قرآن مجید میں ہے ''ولا تأکلوا اموالھم الی اموالکم ای مع اموالکم" تو عبارت ہوگی۔ذھاب موسیٰ فی البحر مع خضر۔اس صورت میں بھی معنی واضح ہے۔کیونکہ خضر سے ملاقات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحری سفر کیا تھا۔

نمبر۴: حافظؒ نے ابن رشید کے حوالے یہ یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور ممکن ہے کہ یہ سفر الی خضر سمندر میں ہوا ہو۔حافظؒ نے اس کے لئے دو مؤیدات ذکر کئے ہیں۔

نمبرا: حدیث ہے کہ ملاقات ہوئی ہے فی جزیرہ من الجزائر اور ظاہر ہے جزیرہ تک پہنچنے کے لئے بحر میں سفر کرنا پڑتا ہے۔

نمبر۲: حدیث ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روانہ ہوئے ''فکان یتبع اثر الحوت فی البحر" اور حوت جب بحر میں گھس گئی تو سوراخ سا بن گیا اور اس سوراخ کی مدد سے خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

انه تماری هو والحربن قیس فی صاحب موسی الخ

ایک اختلاف تو یہ ہے صاحب موسیٰ کے بارے میں اور آگے ایک اختلاف سعید بن جبیر اور نوف البکالی کے درمیان خود موسیٰ کے بارے میں ہے کہ کون سے موسیٰ مراد ہیں بنی اسرائیل کے نبی یا موسیٰ بن میشی ۔ حضرت سعیدؒ کا قول تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی مراد ہیں جبکہ نوف البکالی کا قول تھا کہ موسیٰ بن میشی مراد ہیں۔ اس موقع پر ابن عباسؓ نے ابی بن کعب کی یہ روایت سنائی۔

واقعہ کی تفصیل:

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لوگوں کو وعظ کر رہے تھے فجاء رجل فسالہ، هل تعلم احدا احلم منك فقال لا اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی اپنے زمانے میں سب سے اعلم ہوتا ہے لیکن یہ ایک طرح سے اپنے علم کا دعویٰ تھا اور اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی تو فرمایا: بل عبدنا خضر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملنے کے لئے اس کا راستہ پوچھا لیکن یہ چونکہ شفقت کا مقام نہ تھا عتاب کا مقام تھا لہٰذا راستہ کی تعین نہیں کی مگر علامت بتادی کہ مچھلی ساتھ لے لو۔ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہی مطلوبہ مقام ہے۔ مختصراً یہ کہ جب خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام سفید چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا اور کہا کہ زمین پر سلام کرنے والا کون ہے؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں...... دونوں کشتی میں سوار ہوئے ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر چونچ سے پانی پینے لگی تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا تمہارا اور ساری مخلوق کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں ہے جتنا کہ سمندر سے چڑیا نے چونچ میں پانی اٹھایا ہے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ادب اور تعلیم مقصود تھی کہ آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا اللہ اعلم۔

بعض لوگ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ولی افضل ہے نبی سے۔ لیکن یہ فضول باتیں ہیں، البتہ یہ بات ہے کہ یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھا، ورنہ خضر علیہ السلام کے

پاس تکوینیات کا علم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریعات کا علم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تو تکوینی علوم کی ضرورت تھی اور نہ تکوینی علوم تشریعی علوم سے افضل ہیں۔

کچھ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں:

ان کا نام بلیا بن ملکان ہے اور یہ افریدون کے زمانے کے ہیں بعض کے ہاں قبل ذوالقرنین ہے اور بعض کے ہاں ذوالقرنین کے دور کے ہیں۔ بعض کے ہاں نبی ہیں اور بعض کے ہاں ولی ہیں، اصح قول نبوت والا ہے۔

صوفیاء کے قول کے مطابق زندہ ہیں اور محدثین کے مطابق وفات پا چکے ہیں۔

وجہ تسمیہ:

حضرت خضر اس لئے کہلاتے ہیں کہ یہ جہاں بھی پاؤں رکھتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی۔

انہ تماری ھو والحر .... معلوم ہوا کہ علمی مسائل میں اختلاف شائستگی کے ساتھ جائز ہے۔

فدعاہ ابن عباس رضی اللہ عنہ معلوم ہوا کہ اختلاف کے وقت اپنے سے اعلم کے پاس جانا چاہئے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب

حدثنا ابو معمر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمہ الکتاب

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: ماقبل میں گذر گیا کہ حصول علم کے لئے مشقت اور جدوجہد کرنا چاہئے حتیٰ کہ سمندر کے پر مشقت سفر سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ صرف مشقت برداشت کرنا اور جدوجہد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توفیق من جانب اللہ بھی ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ محنت مشقت کے ساتھ ساتھ خود دعا کرنا اور بزرگوں سے دعا کرانا مفید اور نافع علم کے حصول کے وسائل ہیں، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محنت کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی جس سے خوش ہو کر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کی دعا فرمائی اور نتیجتاً ابن عباس قرآن کے سب سے بڑے عالم اور ترجمان القرآن بن گئے۔

۲: بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ حصول علم کے لئے محنت کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ استاد اور شیخ کے ارضاء کے لئے اس کی خدمت کرو تا کہ وہ خوش ہو کر تمہارے لئے دعا کریں تو اس کی وجہ سے علم نافع حاصل ہوگا۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ بعض نے نقل کیا ہے کہ چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے تھیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کی معمولات معلوم کرنے کے لئے حضور رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا...... رات کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو کر بیت الخلاء تشریف لے گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جان کر خدمت کے لئے وضو کے لئے پانی پیش کرنا چاہا، اس کی تین صورتیں تھیں (۱) بیت الخلاء میں جا کر پانی پیش کرنا لیکن یہ تستر کے خلاف تھا۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کا انتظار کیا جائے اور پانی طلب کرنے پر پیش کیا جائے اس میں ایک تو تأخیر تھی اور ممکن تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی طلب نہ فرماتے۔ (۳) پانی لے جا کر بیت الخلاء کے پاس رکھا جائے یہ صورت بہتر تھی لہٰذا یہ اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے وضو کیا پوچھا کہ پانی کس نے رکھا ہے بتایا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے سے لگایا اور دعا کہ **اللّٰھم علمہ الکتاب**۔

نمبر۳: طالب علم محنت کرے اور ساتھ ساتھ اساتذہ کا ادب بھی کرے بلکہ تمام وہ وسائل جن سے حصول علم میں معاونت ہوتی ہے ان کا ادب ضروری ہے اسی واقعہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی پیچھے کھڑے ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ پھر پیچھے ہو گئے۔ یہ معاملہ تین بار ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے ہونے کی وجہ پوچھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ میں کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی کھڑا ہو جاؤں۔ اس حسن ادب سے خوش ہو کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔لہٰذا وسائل علم مثلاً کتاب، درس گاہ، کاپی، تپائی، قلم وغیرہ کا ادب علم نافع کے اسباب ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ میں کتاب کے سامنے استاد کی طرح ادب سے بیٹھتا ہوں اور میں نے کتاب کو مطالعہ میں کبھی اپنا تابع نہیں کیا بلکہ میں کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ یعنی حاشیہ پڑھنے کے لئے کبھی کتاب کو نہیں موڑا بلکہ خود اس طرف سے جا کر بیٹھتا ہوں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے کیسا علم عطا کیا۔

فائدہ: طالب علم کے پاس شیخ کے سینے سے علم حاصل کرنے کے لئے حسن ادب سے زیادہ اچھا طریقہ نہیں ہے۔

فضمنی .... ضم کا مقصد: وہی نسبت اتحادی پیدا کرنا تھا۔

علمه الکتاب...... ضمیر کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، اس لفظ کو امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں لائے ہیں۔اشارة الی ان هذا لا یختص بابن عباس رضی اللّٰه عنه

باب متی یصح سماع الصغیر

حدیث اول: حدثنا اسماعیل...... عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال اقبلت راکبا علی حمار اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام۔ (الحدیث)

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن یوسف...... عن محمود بن الربیع، قال عقلت من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مجة مجها فی وجهی وانا ابن خمس من دلو۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلة من مسائل العلم ہے لیکن اس مسئلہ سے پہلے تمہید سن لیں کہ محدثین کی اصطلاح میں استاد سے حدیث سننے کو تحمل حدیث کہتے ہیں۔ اور حدیث سننے کے بعد دوسرے کو سنانا یہ اداء حدیث کہلاتا ہے۔ تو اب مسئلہ یہ ہے کہ تحمل حدیث کتنی عمر میں کر سکتا ہے۔ تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں بخاریؒ کے استاذ یحیٰی بن معینؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ یحیٰی بن معینؒ کے ہاں تحمل حدیث کے لئے

پندرہ سال عمر شرط ہے دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں بدر میں آپ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا گیا جبکہ احد کی لڑائی میں پندرہ سال کی عمر میں قبول کیا گیا۔ امام احمدؒ نے اس بات کو رد کیا ہے کہ یہ واقعہ جہاد سے متعلق ہے اس کا تحمل حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے بعض علماء کے ہاں پانچ سال شرط ہے اور بعض نے نو اور دس سال کا قول کیا ہے۔ پانچ سال کا قول کرنے والوں نے محمود بن الربیع کی حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔

امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور جمہور کے ہاں تحمل حدیث کے لئے شرعاً کوئی عمر مقرر نہیں ہے، البتہ تمیز شرط ہے کہ بچہ تمیز کر سکے اور بات سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس تمیز میں لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ بعض چھوٹی عمر میں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض بڑھاپے اور سفید داڑھی کے باوجود نہیں سمجھتے۔ لہٰذا عمر کی کوئی تعین نہیں۔

یحییٰ بن معینؒ کا قول:

حافظؒ نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں:

(۱) ۱۴ سال سے پہلے استاد کے پاس حاضر ہونا جائز نہیں یعنی اس سے پہلے علم حدیث شروع نہ کرے۔

(۲) ۱۴ سال کی عمر سے پہلے سنی ہوئی بات کو بعد میں نقل کرنا جائز نہیں ہے۔

اقبلت راکبا علی حمار اتان.......... یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

یہاں پر اتان کو لائے ہیں حمار کی تانیث ظاہر کرنے کے لئے کیونکہ حمار اسم جنس ہے مذکر اور مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ترکیب میں اتان۔ حمار کے لئے یا تو صفت ہے اور یا حمار سے بدل واقع ہوا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حمارۃ لانے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا لیکن حافظ ابن حجرؒ زرکشیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "حمارۃ" کا اطلاق گدھی اور خچر پر ہوتا ہے، لہٰذا حمارۃ کے معنی میں اشکال تھا کہ اس سے خچر مراد ہے یا گدھی؟

الیٰ غیر جدار ای سترۃ غیر الجدار...... معنی یہ ہے کہ سترہ تھا لیکن دیوار کے علاوہ کوئی اور سترہ تھا لہٰذا سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ تو اگر ابن عباس لوگوں کے سامنے

سے گزر رہے تھے تو کوئی حرج نہیں اور گدھی نمازیوں کے سامنے سے گزر رہی تھی جس سے معلوم ہوا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

فقه کَرُمَ سے **فقه** اصطلاحی کے لئے آتا ہے اور سمع سے مطلقاً تفقہ کے لئے آتا ہے۔

اشکال یہاں مشہور اشکال ہے کہ حدیث میں تمثیل بیان کی گئی ہے لیکن ممثل یعنی زمین کی تو تین قسمیں بیان کی ہیں اور مثال یعنی انسان کی دو قسمیں بیان کی ہیں لہٰذا دونوں میں مطابقت نہیں؟

جواب نمبر۱: جس طرح مثال میں دو قسم کا بیان ہے اسی طرح حقیقتاً ممثل بہ کی بھی دو ہی قسمیں بیان ہیں اگرچہ ظاہراً تین اقسام معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً دو قسم ہیں نافع اور غیر نافع اسی طرح انسان کی بھی دو قسم بیان کیں نافع اور غیر نافع۔ لہٰذا اس طرح مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔

نمبر۲: یہ کہ جیسے ممثل بہ زمین کی تین قسمیں بیان ہیں اسی طرح انسان کی بھی تین قسمیں بیان ہیں وہ اس طرح کہ قسم اول میں دو قسم داخل ہیں تو تین اقسام یوں ہوں گی۔ (۱) علم حاصل کیا، خود عمل کیا اور دوسروں کو بھی نفع دیا۔ (۲) علم حاصل کیا خود خاطر خواہ عمل نہ کیا لیکن دوسروں کو نفع دیا۔ (۳) وہ آدمی جس نے نہ علم حاصل کیا اور نہ ہی دوسروں کو نفع دیا۔ لہٰذا مطابقت پیدا ہوگی اب قسم دوم یعنی جو خود منتفع نہ ہوا اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خود صرف فرائض پر تو عمل کرے لیکن مستحبات پر عمل نہ کرے۔ (۲) یہ کہ روایت تو جمع کرے لیکن استنباط مسائل کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

قال ابو عبداللہ.......... بعض روایات میں تو خوب سیراب ہونے کو اشارہ ہے۔

باب رفع العلم وظهور الجهل

وقال ربيعة لاينبغي لاحد عنده شي من العلم ان يضيع نفسه.

حدثنا عمران بن مغيرة.......... عن انس رضى الله عنه ان من اشراط الشاعة ان يرفع العلم ويثبت الجهل ويشرب الخمر و يظهر الزنا.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

وہی مضمون سابق کا تسلسل ہے عنوان بدل کر وہی مضمون تاکید کے طور پر بیان فرمارہے ہیں کہ اگر تدریس اور تعلیم کو چھوڑا گیا تو رفع العلم ہوگا اور نتیجتاً جہل غالب ہوگا اور یہ اشراط الساعۃ سے ہے اور اس کا سبب علماء بنیں گے لہٰذا علم حاصل کرنے کے بعد تدریس نہیں چھوڑنا چاہئے۔

اشراط الساعۃ کی تفصیل:

علامات قیامت کے متعلق شاہ رکن الدین محدث دہلوی کی کتاب میں لکھا ہے کہ علامات قیامت دو قسم کے ہیں (۱) صغریٰ (۲) کبریٰ۔

علامت صغریٰ: علامات صغریٰ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت علامات صغریٰ میں شامل ہے علامات کبریٰ میں سے (۱) حضرت مہدی اس وقت کے مجدد ہوں گے۔ (۲) نزول حضرۃ عیسیٰ علیہ السلام۔ (۳) خروج یاجوج ماجوج وقتالھم مع عیسیٰ (۴) ظہور دجال وقتالہ مع عیسیٰ علیہ السلام (۵) طلوع الشمس من مغربھا۔ وغیرہ ان علامات کا ظہور بالکل قرب قیامت میں ہوگا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ علامات ایسی تسلسل کے ساتھ ہوں گے جیسے تسبیح کے دانے تسبیح ٹوٹتے وقت مسلسل گرتے ہیں۔

ترتیب علامات کیا ہوگی؟

احادیث میں تمام علامات کی ترتیب تو صراحۃً ذکر نہیں ہے البتہ بعض کے بارے میں احادیث وارد ہیں کہ سب سے پہلے مہدی کا ظہور ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو عین اسی وقت امام مہدی امام کے لئے آگے بڑھنا چاہیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے آگے ہونے کی درخواست کریں گے۔ وہ کہیں گے یہ آپ لوگوں کی خصوصیت ہے پھر دجال کا ظہور ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلیں گے۔ دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو یذوب کما یذوب الملح پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جن سے مقابلے کی تاب کسی میں نہیں ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع لشکر کے

پہاڑ پر چلے جائیں گے یاجوج ماجوج زمین میں خوب فساد برپا کریں گے پھر یہ کہہ کر کہ اب آسمان والوں سے نمٹتے ہیں تو آسمان کی طرف تیر پھینکنے شروع کریں گے۔ اللہ جل شانہ ان پر موت طاری کریں گے پوری زمین لاشوں سے بھر جائے گی پھر کچھ پرندے ان کی لاشیں اٹھا کر سمندر میں پھینکیں گے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں گے زمین پر تمام برکات واپس آجائیں گے پھر دآبۃ الارض کا ظہور ہوگا پھر ایک نرم ہوا آئی گی جس سے اہل ایمان کی روحیں قبض ہوجائیں گی پھر اشرار الخلق پر قیامت قائم ہوگی۔

حدیث میں جو علامات مذکور ہیں یہ علامت صغریٰ ہیں:

لخمسین امرأة القیم الواحد ای القائم بامورھا.........

یہ مطلب نہیں کہ سب بیویاں ہوں گی اور یہ کثرت زنا کا نتیجہ ہوگا کیونکہ کثرت زنا سے دو عذاب مسلط ہوتے ہیں (۱) کثرت نساء (۲) قحط کا مسلط ہونا۔ یا یہ ساری بیویاں ہوں گی اور جہل کی علامت ہے کہ ایک آدمی ۵۰، ۵۰ عورتوں سے شادی کرے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں لکھا ہے کہ آج کل بھی ترکمانستان میں جہالت کی وجہ سے لوگ پچاس پچاس شادیاں کرتے ہیں لخمسین امرأة سے عدد معین مراد نہیں یہ کثرت کے لئے ہے۔

شئی من العلم.......... سے مراد فہم ہے کہ کچھ ذرا فہم ہو تو علم ضرور حاصل کرے۔

لاحدثنکم حدیثا لایحدثکم احد بعدی...... ...... یا تو مخاطب اہل بصرہ ہیں تو مراد یہ ہے کہ بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سب سے آخری صحابی تھے یا مخاطب عام لوگ تھے تو مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث میرے سوا کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے۔ کہ وہ تمام لوگوں کو سنائے۔

باب فضل العلم

حدثنا سعید بن عفیر.......... عن ابن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما انا نائم اوتیت بقدح لبن فشربت ......

اشکال:

ترجمۃ الباب پر اشکال ہوتا ہے کہ کتاب العلم کی ابتداء میں بھی باب فضل العلم قائم کیا ہے تو بظاہر تکرار پر نظر آتا ہے؟

جواب نمبرا: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی باب میں علماء کی فضیلت کا بیان تھا اور یہاں علم کی فضیلت کا تو تکرار نہیں ہے۔

نمبر۲: حافظؒ سے منقول ہے کہ ابتدائی باب میں فضل سے مراد فضیلت تھی اور یہاں فضل سے مراد زیادت فی العلم ہے یعنی ضرورت سے زائد علم کے بارے میں باب ہے۔ لہٰذا کوئی تکرار نہیں ہے۔

زائد علم کا مطلب:

نمبرا: شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ مثلاً آدمی مسلمان ہے اور فقیر ہے تو اس کے لئے اپنی ذات کے لئے طہارت، صلوٰۃ، صوم وغیرہ کے مسائل جاننا تو ضروری ہیں لیکن یہ چونکہ فقیر ہے لہٰذا حج اور زکوٰۃ کے مسائل کے لئے اس کی اپنی ضرورت نہیں۔ یہ اس کے لئے زائد علم ہے تو آیا اس آدمی کے لئے زائد علم حاصل کرنا جائز ہے؟ اور لایعنی میں تو داخل نہیں ہے؟ تو امام بخاری نے باب قائم کر کے بتایا کہ زائد علم حاصل کرنا مستحسن اور بہتر ہے بقدر ضرورت علم تو اپنے عمل میں لائے اور زائد علم دوسروں کو سکھلائے۔

نمبر۲: علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ زائد علم کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی کے پاس کتب ہیں کچھ ضرورت کے ہیں اور کچھ ضرورت سے زائد ہیں تو یہ کسی اور کو دے دے۔ یا یہ کہ طالب علم کسی استاد سے علم حاصل کر رہا ہے تو بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کے بعد استاد کو چھوڑ دے تاکہ دوسرے طالب علم حاصل کرسکیں لیکن بے تکلف بات شیخ الہند صاحب کی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

وہی شیخ الہندؒ کی بات ہے کہ قدر ضرورت سے زائد علم کا حاصل کرنا مستحسن اور بہتر ہے۔

اوتبت بقدح لبن فشربت ...... لاری الریّ الخ

ری: سیرابی، تروتازگی

پہلی بات:

تو یہ ہے کہ لبن کی تعبیر علم سے کی ہے تو ان دونوں میں مناسبت کیا ہے؟

جواب:

مناسبت یہ ہے کہ دودھ جسم ظاہری کے لئے غذا ہے اور علم روح کی غذا ہے۔

دوسری بات:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت سے زائد علم دوسروں کو منتقل کرنا چاہئے۔

تیسری بات:

حدیث سے بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر تو فضیلت مسلم ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فضیلت خلاف واقعہ ہے؟

جواب: اس حدیث میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ذکر ہے لیکن دیگر احادیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت زیادت علم کا ذکر ہے مثلاً (۱) حدیث میں ہے کہ اللہ نے جو علم میری سینے میں اتارا صببته فی صدر ابی بکر (۲) جب اذاجاء نصر اللہ الآیۃ اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ایک بندہ کو اختیار دیا، دنیا کی زندگی اور اللہ کی ہاں نعمتوں کے درمیان تو بندہ نے اللہ کے ہاں نعمتوں کو اختیار کیا۔ اس موقع پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: فدیناك بآبائنا وامهاتنا۔ صحابہؓ کو تعجب ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بات واضح ہوگئی کہ یہ نکتہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے اور حدیث میں الفاظ ہیں۔ وکان ابوبکر رضی اللہ عنه اعلمنا۔

باب الفتیا وهو واقف علی ظهر الدابة او غیرها

حدثنا اسماعیل...... عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقف فی حجة الوداع بمنی للناس یسألونه، فجاء رجل

وقال لم اشعر وحلقت قبل ان اذبح، قال: اذبح ولا حرج.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: شاہ ولی اللہؒ اور شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات اصول میں سے ہے کہ مفتی سکون کی حالت میں فتویٰ دے چلنے پھرنے کی حالت میں فتویٰ نہ دے کیونکہ عموماً ایسی حالت میں غلطی ہو جاتی ہے لہٰذا سکون کی حالت میں فتویٰ دے۔

امام بخاری نے یہ باب قائم کر کے بتادیا کہ سواری کی حالت میں اگر کوئی سوال کیا جائے تو اس کا جواب دینا جائز ہے اور یہ صورت چلنے پھرنے میں داخل نہیں ہے۔

نمبر ۲: امام فخر الدین رازیؒ کے نزدیک حدیث میں چونکہ آیا ہے لاتجعلوا ظھور دوابکم منابر کیونکہ جانوروں کی تخلیق خاص مقصد کے تحت کی گئی ہے بعض دودھ کے لئے بعض ہل چلانے اور بعض بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو اس صورت میں اشکال ہو سکتا تھا کہ تقریر اور فتویٰ دینا علی ظہر الدابہ جائز نہ ہوگا تو امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے اشکال کو دفع کیا کہ حدیث میں جہاں منع ہے تو وہ بلا ضرورت اور اظہار شان کی صورت پر حمل ہے اور بوقت ضرورت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اشکال:

ترجمۃ الباب میں وھو واقف علی الدابہ کے الفاظ ہیں جبکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر نہیں ہے لہٰذا دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب:

حافظؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حسب عادت کتاب الحج کی حدیث کو مدنظر رکھ کر باب قائم کیا ہے وہاں الفاظ ہیں کان واقفاً علی الدابہ اس صورت کو ترجمہ شارحہ کہتے ہیں۔

فقال فحلقت قبل ان اذبح فقال اذبح ولا حرج......

حاجی کی تین قسمیں ہیں: (۱) مفرد جو تجاوز عن المیقات کے وقت صرف حج کی نیت کرے۔ یہ مکہ جا کر طواف قدوم کر کے احرام پر مستمر رہے گا اور دس ذی الحجہ کو منیٰ آ کر رمی

کرے پھر حلق کرے اس پر دم نہیں اس پر صرف رمی اور حلق کی ترتیب ہے اس کے بعد حل ناقص حاصل ہوگا اور طواف زیارت کے بعد حل کامل ہوگا۔

(۲) متمتع: جو عند تجاوز عن المیقات صرف عمرہ کا احرام باندھے پھر عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھے۔

(۳) قارن: جو عند تجاوز عن المیقات دونوں کی نیت کرے۔ یہ دونوں منیٰ میں آ کر بالترتیب رمی، ذبح اور حلق کریں گے۔ عندالاحناف والمالکیہ۔ یہ ترتیب واجب ہے اور عندالشافعیؒ واحمدؒ مستحب ہے تو احناف کے نزدیک اس ترتیب کی غلطی سے دم واجب ہوگا اور امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے ہاں دم واجب نہ ہوگا، حدث الباب ان کی مستدل ہے۔ احناف اس کا جواب دیتے ہیں:

جواب: اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں (۱) ولا حرج سے مراد ولا اثم ہے کہ گناہ نہیں ہے لیکن اس سے دم کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۲) یہ چونکہ عام طور سے پہلا حج تھا لوگ احکام سے واقف نہیں تھے لہٰذا من جانب اللہ لوگوں کی رعایت کی گئی بعد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ تھا: من قدم شیأ واخر فعلیه دم۔

باب من اجاب الفتيا باشارة اليد والرأس

حدیث اول: حدثنا موسى بن اسماعيل...... عن ابن عباس رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم سئل فى حجته.

حدیث ثانی: حدثنا المكى بن ابراهيم...... عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم يقبض العلم ويظهر الجهل ويكثر الهرج...... فقال هكذا بيده فحرفها كانه يريد القتل.

حدیث ثالث: حدثنا محمد اسماعيل......... عن اسماء قالت اتيت عائشه رضى الله عنها وهى تصلى فقلت ماشان الناس فاشارت الى السماء.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر۱: حضرت شاہ ولی اللہؒ کا قول ہے کہ مقصد فقط یہ ہے کہ موقع تعلیم پر اشارہ استعمال کرنا جائز ہے۔

نمبر۲: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موقع تعلیم پر بار بار الفاظ دہراتے صحابہ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت دیکھ کر فرماتے لیتہ سکت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اذا تکلم تکلم بکلام فصح اور اس طرح نقل ہے رفتار تکلم کے بارے میں کہ نعدہ بعدہ تو ایک طرف یہ انداز تعلیم ہے اور دوسری طرف تعلیم بالاشارہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ اشارہ تصریح کی طرح نہیں ہے تفہیم میں کیونکہ بعض اشارات مفہم نہیں ہوتے تو اس طرح سے وہم ہوتا تھا کہ فتویٰ جو کہ تعلیم کا ایک نوع ہے اس میں اشارہ کا استعمال جائز نہ ہوگا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے بتادیا کہ لکل مقال مقام ولکل مقام مقال، ''ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد'' کہ مقام تصریح پر تصریح مستحسن ہے اور مقام اشارہ پر اشارہ مستحسن ہے۔

من بالشارۃ الید و الرأس ....

اشکال:

یہ کتاب العلم ہے اور یہ باب تو فتویٰ کے متعلق ہے؟

جواب:

فتویٰ بھی ایک نوع تعلیم ہے کیونکہ مستفتی کو مسئلہ بتادینا ایک نوع علم تعلیم ہے حدیث اول اور ثانی اشارہ بالید کے متعلق ہیں اور حدیث ثالث اشارہ بالرأس کے متعلق ہے۔

حدیث ثالث: یہ صلوٰۃ الکسوف ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا۔

وھی تعصی فقلت ما شان الناس فاشارت الی السمآء الخ.

اشکال:

نماز میں اشارہ بالرأس اشارہ مفہمہ ہے اور یہ تو مفسد الصلوٰۃ ہے۔

جواب:

(۱) یہ واقعہ قبل حکم الفساد کا ہے۔ (۲) وھی تصلی سے مراد ترید ان تصلی ہے۔

اشکال:

یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہیں ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انی لاری من خلفی تو اس ارشاد کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل دیکھا اور نکیر نہیں کی تو یہ تقریر ہے۔

لم اکن رأیته.........

اشکال: جنت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دکھائی گئی تو کیسے یہ غایت درست ہو سکتی ہے کہ حتی الجنة والنار؟

جواب: یہاں رؤیت سے مراد رؤیت عالم سفلی میں مراد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رؤیت ہوئی تھی وہ عالم بالا میں تھی۔

حتی الجنة والنار کا اعراب: (۱) منصوب جب حتی غایہ کے لئے ہو۔ (۲) مجرور ہے جب کہ حتی جارہ ہو۔ (۳) مرفوع ہے جب کہ حتی ابتدائی ہو۔

تفتنون فی قبور کم مثل فتنة الدجال ....

تشبیہ اس لئے دی ہے کہ دجال کا فتنہ بھی سخت ہوگا اور احیاء عن القبور کا دعویٰ کرے گا اور قبر سے شیطان بصورت مردہ کے زندہ نکلے گا، تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے کہ شاید یہ حقیقی خدا ہے ایسے ہی نکیر منکر کا فتنہ بھی اتنا ہی سخت ہوگا۔

علمك بهذا الرجل .... ھذا سے اشارہ یا تو معہود فی الذہن کو ہوگا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر سامنے لائی جائے گی۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور اس مردہ کے درمیان سے حجاب ہٹایا جائے گا۔

باب تحريض النبى وفد عبدالقيس على ان يحفظوا الايمان والعلم ويخبروا من ورآءهم

وقال مالك بن الحويرث قال لنا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ارجعوا الی اهلیکم فعلموهم۔

حدثنا محمد بن بشار عن ابی جمرة رضی اللّٰه عنه: قال كنت اترجم بین ابن عباس رضی اللّٰه عنه وبین الناس.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب العلم کہ فقط پڑھانے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ حفظ کرنے کی ترغیب اور دوسروں تک منتقل کرنے کی ترغیب بھی کرتا رہے تاکہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہ سکے، اس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ "ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یرجعون" اس معنی کے ثبوت کیلئے دو واقعے دلیلاً نقل کئے ہیں:

(۱) مالک بن حویرث کا واقعہ تعلیقاً نقل کیا ہے کہ مالک بن حویرث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۱۹ دن رہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اشتیاق الی الاھل کو محسوس کیا تو ان کو گھر جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے اہل خانہ کو یہ باتیں سکھلا دو۔

(۲) دوسرا واقعہ وفد عبد القیس کا ہے اس میں ہے احفظوه واخبروه من وراء کم...... اس کی تفصیل کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

باب الرحلة فی المسئلة النازلة

حدثنا محمد بن مقاتل ابو الحسن......... عن عقبة الحارث انه تزوّج فأتته امرأة فقالت انّی ارضعت عقبة والتی تزوّج بها...... الخ

اشکال:

پہلے بھی امام بخاریؒ طلب علم کیلئے سفر کا باب قائم کر چکے ہیں اور اب یہاں پر دوبارہ یہی مسئلہ بیان ہو رہا ہے تو بظاہر تکرار نظر آتا ہے۔

جواب:

(۱) گزشتہ باب میں سفر بحری کا بیان تھا اور یہاں سفر برّی کا بیان ہے۔

(۲) گزشتہ ترجمہ عام تھا اور یہ ترجمہ خاص ہے۔ یعنی باب سابق میں مطلقاً علم کیلئے

سفر کا بیان تھا اور یہاں مسئلہ النازلہ کیلئے سفر کا بیان ہے، تو تکرار نہیں ہے۔ یہاں پر یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آئے اور آدمی کو خود بھی معلوم نہ ہو اور قریب میں بھی کسی کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں دو احتمال ہیں (۱) آدمی اپنے خیال سے فیصلہ کرے (۲) آدمی سفر کر کے کسی عالم سے مسئلہ معلوم کر لے۔ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایسی صورت میں سفر کر کے مسئلہ معلوم کرنا چاہئے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہی ہے کہ اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو اپنے گمان پر فیصلہ نہ کرے بلکہ کسی عالم کے پاس سفر کر کے اس سے مسئلہ معلوم کرے۔

واقعہ کی تفصیل:

عقبہ نے غنیۃ نامی عورت سے شادی کی، ایک عورت آ کر کہنے لگی ارضعت عقبة والتی تزوج بھا یعنی یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ عقبہ کا خیال تھا کہ یہ جھوٹ ہے لیکن دل میں خلش سی پیدا ہوئی تو شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مسئلہ معلوم کر لیا۔

کیف و قد قیل............ ای کیف تبا شرھا

مسئلہ رضاعت ایک عورت کی اطلاع سے ثبوت رضاع کا حکم:

نمبر۱: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رضاعت مآلاً معاملہ مالی ہے لہٰذا اس میں نصاب شہادت ضروری ہے ایک عورت کی اطلاع سے رضاعت ثابت نہیں ہو گی۔ معاملہ مالی اس طرح ہے کہ جب عورت رضاعت کا دعویٰ کرے تو گویا اجرت رضاعت کا دعویٰ کر لیا، کیونکہ ثبوت رضاعت سے اس کے لئے اجرت ثابت ہو گی۔

نمبر۲: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی اطلاع کافی نہیں بلکہ دو عورتیں ضروری ہیں۔

نمبر۳: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چار سے کم عورتوں کی اطلاع سے رضاعت ثابت نہیں ہو گی۔

نمبر۲: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی اطلاع سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے۔

جمہور کا جواب: کیف وقد قیل کا حکم قضاء نہیں ہے بلکہ ایک مشورہ ہے کہ شرعاً تو یہ نکاح جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تمہاری رضاعت کی بات مشہور ہو چکی ہے لہٰذا احتیاطاً تم اس نکاح کو ختم کر دو۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے فیض الباری میں منقول ہے کہ ایک عورت کی اطلاع کی دو صورتیں ہیں (۱) قبل النکاح، اس صورت میں یہ اطلاع تسلیم کی جائے گی۔

(۲) بعد النکاح، اس صورت میں تسلیم نہیں ہوگی۔ شیخ خیر الدین رملیؒ سے درمختار میں نقل ہے کہ ایک حکم قضاءً ہے اور ایک دیانۃً قضاء تو نصاب شہادت پر ہوگی جبکہ دیانۃً مفتی ایک عورت کی اطلاع پر فتویٰ دے سکتا ہے تو یہ حکم دیانۃً تھا قضاءً نہیں تھا۔

قضاء اور دیانت میں فرق:

فیض الباری منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی حلال اور حرام کا فرق ہوتا ہے کہ قضاءً کوئی کام حلال ہوتا ہے اور دیانۃً وہ حرام ہوتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

باب التناوب فی العلم

حدثنا ابو الیمان .... عن عمر رضی اللہ عنہ قال: کنت وجارلی .... وکنا نتناوب فی النزول ....

ترجمۃ الباب کا مقصد:

علماء نے دو تعبیر کئے ہیں لیکن مقصد دونوں کا ایک ہے۔

نمبر۱: طالب علم کو صرف تحصیل علم میں منہمک نہیں رہنا چاہئے بلکہ اخراجات کی فکر بھی ضروری ہے۔

نمبر۲: اگر کوئی آدمی دنیا کے معاملات میں مصروف ہے اور تحصیل علم کا وقت نہیں ملتا تو کسی اور کاروباری آدمی کو ساتھ ملالے اور دونوں تحصیل علم کے لئے باری مقرر کرلیں۔

دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ ہمہ وقت علم میں مصروف رہنے سے اہل وعیال کا حق ضائع ہوتا ہے لہذا باری مقرر کرکے دونوں کام سرانجام دے۔

حدیث الباب:

حدیث مختصر ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شادی انصاری عورت سے کی تھی جس کی بناء پر عوالی المدینہ میں رہنا پڑتا تھا۔ انہی ایام میں غسان کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساتھی شام کو اضطرابی حالت میں آیا تو کہتے ہیں کہ مجھے حملے کا خیال آیا لیکن اس نے کہا حدث امر عظیم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجات کو طلاق دیدی ہے۔ اس سے پہلے ازواج مطہرہ کا حضور کے ساتھ کچھ معاملہ ہوا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا تھا...... صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ لوگ مسجد میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چبوترے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، نہ ملی دوبارہ اجازت طلب کی نہ ملی پھر کہا میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سفارش لے کر نہیں آیا ہوں بلکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہ کا سر اڑا دوں۔ پھر اجازت مل گئی۔ پوچھنے پر معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجات کو طلاق نہیں دی فقلت اللہ اکبر۔

باب الغضب فی التعلم والموعظة اذا رأى مايكره

حدیث اول: حدثنا محمد بن کثیر...... عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ انی لا اکاد اذ رك الصلوٰة مما یطول بنا فلان...... فما رأیت النبی فی الموعظة غضبا من یومئذ.

حدیث ثانی: حدثنا عبداللہ بن محمد............ عن زید بن خالد الجهنی، سئل عن اللقطة.

حدیث ثالث: حدثنا محمد بن العلاء...... عن ابی موسیٰ سئل النبی عن اشیاء کرهها فلما اکثر علیه غضب..............

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب طالب علم تمہارے پاس آئیں فقولو لھم مرحبًا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف اور رحیم تھے اور ایضاً ارشاد ہے انما بعثتم میسرین الخ تو ان احادیث کا تقاضہ ہے کہ تعلیم اور وعظ کے موقع پر غصہ کا اظہار نہ کیا جائے۔ تو اسی اشکال کو دفع کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کیا کہ بوقت ضرورت اور بتقضاء حالت غصہ کا اظہار جائز ہے گویا یہ بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ جب حکمت کا تقاضہ ہو تو غصہ جائز بلکہ کبھی کبھی تو مستحسن اور ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

فی التعلیم والموعظۃ.........

اصل مقصد جواز الغضب فی التعلیم کا ثبوت تھا لیکن چونکہ مندرجہ بالا تمام حدیثوں میں مجلس وعظ کے واقعات ہیں اور غضب فی التعلیم کے بارے میں احادیث صراحۃ نہیں تھے لہٰذا ترجمۃ الباب میں ''والموعظۃ'' کا لفظ بڑھا دیا اور ان احادیث سے غضب فی وقت التعلم کا جواز ثابت کیا ہے اس طرح سے کہ (۱) وعظ بھی تعلیم کی ایک نوع ہے جب وعظ میں اظہار غصہ جائز ہے تو تعلیم میں بھی جائز ہوگا۔ (۲) جیسے تعلیم میں متعلم کے ساتھ نرمی و شفقت کا معاملہ ضروری ہے ایسے ہی وعظ میں بھی ضروری ہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعظ میں اظہار غصہ ثابت ہے تو تعلیم میں بھی جائز ہوگا۔

لا اکاد ادرك الصلوٰۃ مما یطول بنا فلان.........

اشکال: یہ شکایت بظاہر درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ تطویل الصلوٰۃ تو ادراک الصلوٰۃ کا سبب ہے نہ کہ عدم ادراک کا کیونکہ نماز طویل ہوگی تو دیر سے آنے والا بھی ادراک کرے گا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے کہا کہ اس تطویل الصلوٰۃ کی وجہ سے میں نماز نہ پانے والا ہوں۔

جواب نمبر۱: اس اشکال کے جواب میں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض

سے نقل کیا کہ اصل عبارت یہ ہے۔ لا اکاد اترك الصلوٰة الخ کہ اس تطویل کی وجہ سے میرا ارادہ نماز ترک کرنے کا ہے لیکن حافظؒ نے خود کہا ہے کہ اس قول کی تاکید احادیث سے نہیں ہوتی۔

نمبر۲: اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز میں شریک نہ ہوں کیونکہ معاذ نماز میں تطویل کرتے ہیں (جو نا قابل برداشت نہیں)

تفصیل واقعہ:

عمرو بن کعبؓ زمیندار آدمی تھے رات کو تھکے ماندے آئے اور معاذ بن جبلؓ نے نماز میں سورہ بقرہ شروع کی۔ عمرو سے برداشت نہ ہوسکی نماز توڑ کر انفرادی نماز پڑھ لی۔ معاذ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا شاید وہ منافق ہوگیا ہے۔ عمرو کو یہ بات بہت ناگوار گزری لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے حضور سخت غصہ ہوئے اور فرمایا۔ 'ما بال الناس ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں تخفیف صلوۃ کا حکم فرمایا۔ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کے لئے اس سے استدلال کیا ہے۔

لقطہ اٹھانے کا حکم

حدیث ثانی: سئیل عن اللقطة ......

لقطہ کا اٹھانا جائز ہے بشرطیکہ حسن نیت سے اٹھائے اور نہ اٹھانے کی صورت میں ضائع ہونے کا خطرہ ہو لیکن اگر نیت ذرا سی بھی خراب ہوگئی تو لقطہ ہرگز اٹھانا جائز نہیں۔

عرفها سنة ...... جمہور علماء مع امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ ہر چیز کی تعریف ایک سال تک نہیں ہے بلکہ اشیاء کے مختلف ہونے سے تعریف بھی مختلف ہوگی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ذی قیمت شئی کی ایک سال تک تعریف کرے، جب مالک آئے اور ملتقط کو اس کا ظن غالب ہو کہ یہی مالک ہے تو دے دے ورنہ گواہوں کا مطالبہ کرے بعض حضرات نے تین سال تک تعریف کا حکم دیا ہے لیکن یہ احادیث سے ثابت نہیں۔

مایفعل باللقطة...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اٹھانے والا غنی ہے تو من جانب المالک صدقہ کردے لیکن یاد رہے کہ اگر بعد میں مالک آیا اور صدقہ کو

قبول نہ کیا تو پھر اٹھانے پر شرعاً قیمت واجب ہے اور اگر اٹھانے والا غریب ہے تو خود استعمال کرنا اس کے لئے جائز ہے لیکن مالک کے مطالبے پر اس کے اوپر قیمت واجب ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لقطہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔

قال: فضالة الابل، فغضب ...... اس بناء پر ائمہ ثلثہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کو بطور لقطہ لینا جائز نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف مواقع کے سبب حکم مختلف ہوگا۔ اگر ایسی جگہ ہے کہ چور، ڈاکو یا درندوں کے پھاڑنے کا خطرہ ہو تو اونٹ کو بطور لقطہ لینا جائز ہے اور اگر ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا ناجائز ہے کیونکہ لقطہ اٹھانے کی علت یہ ہے کہ مالک کا مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔ ائمہ ثلثہ نے گھوڑا، بیل، گائے وغیرہ کو اونٹ کے حکم میں شامل کیا ہے جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو بکری کو بھی اسی حکم کے تحت داخل کیا ہے۔

حدیث ثالث: اذا اکثر علیه فغضب ...... نامناسب سوالات کی جب کثرت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور فرمایا "سلونی ماشئتم" دو آدمیوں کی نسب پر لوگوں کو شبہ تھا اور لوگ ان کو تنگ کرتے تھے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے باپ کا نام لیا جس سے ان کی نسب واضح ہوگئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ بھانپ لیا، فوراً دوزانوں بیٹھ کر فرمایا رضينا بالله ربا وبحمد نبياً تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔

باب من برک علی رکبتیه عندالامام والمحدث

حدثنا ابو الیمان ...... اخبرنی انس رضی الله عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم اخرج مقام عبدالله بن حذافة فقال ابوك حذافة.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اگر برك على ركبتيه سے مراد جلوس علی ہیئت التشہد ہے تو پھر مقصد بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ متعلم، استاد اور محدث کے سامنے ایسے صورت میں بیٹھے جو ادب پر دلالت کرتی ہوتا کہ استاد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکے اور بات کو سمجھ سکے۔ کیونکہ عدم توجہ کی صورت میں نہ سمجھ سکے گا۔

نمبر۲: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لامع الدراری میں اور اسی طرح شیخ صاحب نے الابواب والتراجم میں نقل کیا ہے کہ برك على ركبتيه سے مراد تشہد کی صورت نہیں بلکہ یہ صورت مراد ہے کہ آدمی تشہد پر بیٹھا ہو اور اپنا پچھلا حصہ تھوڑا سا اٹھائے تو مقصد ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ صورت اگر چہ خلاف ادب ہے لیکن بوقت ضرورت جائز ہے جیسے حدیث سے ثابت ہے دونوں صورت میں مقصد ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہے۔

استنباط مسئلہ: علامہ عینیؒ نے اس مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر استاد ناراض ہو جائے تو اس کے ترضیہ کے لئے کوئی مناسب صورت اختیار کر کے اسے راضی کرنا چاہئے۔

باب من اعاد الحديث ثلثا ليفهم

فقال النبی الا وقول الزور فمازال يكررها، وقال ابن عمر رضی الله عنهما قال النبی صلى الله عليه وسلم هل بلغت ثلثا

حديث اول: حدثنا عبده...... عن انس رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه و سلم انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلثا حتى تفهم عنه واذا اتى على قوم فسلم عليهم ثلثاً.

حديث ثانی: حدثنا مسدد.......... عن ابن عمر رضی الله عنهما وقال تخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم...... وقد ارهقنا الصلوٰة...... ويل للاعقاب من النار مرتين او ثلثاً.

ترجمۃ الباب میں الا وقول الزور ہے یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ الا انبئكم باكبر الكبائر...... الا شراك بالله، وعقوق الوالدين، الا وقول الزور۔ اور هل بلغت یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر۱: حافظؒ نے ابن منیرؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر طالب علم محدث سے اعادۃ الحدیث کا مطالبہ کرے تو محدث کے لئے اعادہ جائز ہے۔ گویا یہ بیان مسئلہ العلم ہے۔

نمبر۲: ابن التینؒ کا قول ہے کہ اعادۃ الحدیث کی حد اور انتہا بتانا مقصود ہے کہ تین مرتبہ اعادہ کرے اس سے زائد نہ دہرائے۔

نمبر۳: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند سے منقول ہے کہ طلبہ عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ فہم والے، متوسط فہم والے اور ادنیٰ فہم والے۔ تو مقصد یہ ہے کہ جو اہم اور باریک بات ہو تو اس کو دہرانا چاہئے تا کہ سب سمجھ جائیں ہر بات کو دہرانا ضروری نہیں بلکہ منحصر ہے۔ یہی مطلب ہے "اذا تکلم بکلمۃ اعادھا کا کہ ہر بات کو نہ دہراتے بلکہ اہم اور توجہ طلب بات کو دہراتے جیسے الا وقول الزور کو بار بار دہرایا کیونکہ معاشرے میں جھوٹی شہادت کو اہمیت نہیں دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت جتلانے کے لئے اس کو بار بار دہرایا۔

واذا تکلم بکلمۃ............ کلمۃ سے مراد نحوی کلمہ نہیں بلکہ پورا جملہ مراد ہے جیسے حدیث ہے اصدق کلمۃ قالھا الشاعر لبید۔ پھر اس کا شعر کہا۔ الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل الخ

واذا اتی علی قوم مسلم علیھم ثلثا..........

(۱) اس سے مراد اسلام استیذان ہے اور حکم یہ ہے کہ کسی کے گھر جا کر تین مرتبہ کہے السلام علیکم اادخل کہے اگر تین مرتبہ پر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔

(۲) سلام اول استیذان کے لئے تھا دوسرا سلام تخلیہ کے لئے تھا اور تیسرا سلام الوداع تھا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں جاتے تو سامنے کی طرف بائیں اور دائیں طرف منہ پھیر کر سلام کرتے تھے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں جاتے تو ابتداء مجلس میں سلام کرتے پھر وسط مجلس اور پھر انتہا مجلس میں سلام کرتے تھے۔

فی سفر سافرنا......... یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور ہر دفعہ آپ انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ فرماتے تھے کہ ھل بلغت

نمسح علی ارجلنا......... المراد منه الغسل الخفیف۔

باب تعلیم الرجل امته واهله

حدثنا محمد بن هو ابن سلام...... حدثنی ابو بردہ عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلثةٌ رجل من اهل الكتاب امن بنبیّه...... والعبد المملوك اذا ادیّٰ حق الله...... ورجل كانت عنده امة...... ثم قال عامر اعطیناكها بغیر شیئی قد كان یركب فیها دونها المدینة......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس کا مقصد الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ کا مطلب واضح کرنا ہے کہ آدمی گھر کا راعی ہے تو اس پر گھر کے افراد کی تعلیم کا بندوبست لازمی ہے جیسے امیر پر رعایا کی تعلیم کا بندوبست لازمی ہے تو گویا مقصد تعمیم تعلیم ہے کہ تعلیم فقط رجال اور احرار کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عورتوں اور اماء کے لئے بھی تعلیم کی ضرورت ہے۔

تعلیم الرجل امته واهله.........

امۃ کو اھلہ پر مقدم کیوں کیا؟

جواب:

(۱) کیونکہ حدیث میں امۃ کا تذکرہ ہے اور اھلہ کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) اھل کی تعلیم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قیاساً ثابت کر رہے ہیں کیونکہ جب تعلیم الامۃ باعث اجر ہے تو تعلیم الاھل بطریق الاولیٰ باعث اجر ہے کیونکہ اھل کا حق باندی سے زیادہ ہے۔

ثلثة لهم اجران.........

اشکال:

مذکورہ آدمیوں میں سے ہر ایک کے کم از کم دو کام ہیں تو دو کاموں پر اجران کا ملنا کون سی خصوصیت اور امتیاز ہے ہر آدمی کے لئے یہی حکم ہے؟

جواب (۱) بظاہر تو یہ دو کام لگتے ہیں لیکن حقیقۃً ایک ہی کام ہے کیونکہ سابقہ نبی پر ایمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ایک ہی تو ہے اور ایسے ہی حق اللہ اور حق المولیٰ ادا کرنا ایک ہی ادا حقوق ہے۔ اور تادیب اور تعلیم الامۃ ایک ہی ہے کیونکہ ایک ہی شخص کے متعلق ہے۔

جواب (۲) کام تو دو ہیں لیکن ہر کام پر اجران ملتے ہیں۔

جواب (۳) اجر کا ذکر اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے ہے کہ کوئی کہے گا سابقہ نبی پر ایمان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے منسوخ ہو گیا لہٰذا اجر نہیں ملے گا اور حق المولیٰ کا ادا کرنا تو فریضہ ہے اس پر اجر نہیں ملے گا اور باندی کی تعلیم و تادیب شاید خواہش نفس کے تحت ہو لہٰذا اس پر اجر نہیں ملے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشتباہ کو ختم کیا کہ ان کو اجر ملے گا۔

رجل من اهل الكتاب............

(۱) اہل کتاب سے مراد فقط نصاریٰ ہیں کیونکہ یہود کا دین بعثت عیسیٰ سے منسوخ ہو گیا تھا لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہو گا۔

اشکال: اس وقت تو مدینہ میں یہود و نصاریٰ نہیں تھے اور یہ آیت يؤتكم اجركم عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عبداللہ یہودی عالم تھے۔ لہٰذا محدثین فرماتے ہیں کہ اس اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں البتہ وہ یہود مراد ہیں جن تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو اور نصاریٰ سے تمام نصاریٰ مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب عظة الامام النساء وتعليمهن

حدثنا سليمان بن حرب...... قال ابن عباس رضى الله عنه اشهد على النبى صلى الله عليه وسلم او قال عطاء اشهد على ابن عباس رضى الله عنه ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج...... وظن انہ لم یسمع النساء فوعظھن وامرھن بالصدقۃ فجعلت المرأۃ تلقی القرط والخاتم الخ

وقال اسماعیل عن ایوب عن عطاء قال ابن عباس رضی اللہ عنہ اشھد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس سے پہلے تعیم علم کا مسئلہ گزر گیا اور یہ کہ تعلیم الامۃ والاھل شوہر کی ذمہ داری ہے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ صرف شوہر کی ذمہ داری نہیں بلکہ امیر اور کا کام بھی ذمہ دار ہے کہ رعایا میں عورتوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کرے۔

عظۃ الامام النسآء وتعلیمھن..........

ترجمہ کے دو جز ہیں (۱) وعظ (۲) تعلیم النسآء تو حدیث الباب میں فوعظھن سے پہلا جزء اور امرھن بالصدقہ سے دوسرا جز ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امر بالصدقہ تعلیم کے قبیل سے ہے۔ یا یہ وعظ کا جزء تو صراحۃً ثابت ہے اور تعلیم کو ضمناً ثابت کیا ہے کیونکہ وعظ میں ضمناً تعلیم ہوتی ہے۔

فجعلت المرأۃ تلقی القرط........

مسئلہ تصرف النسآء فی ملکھن:

(۱) حدیث الباب سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اپنی ملکیت میں شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف کر سکتی ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت کو شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے۔

(۲) اور اگر ملکیت شوہر کی ہو تو بالاتفاق شوہر کی اجازت ضروری ہے صراحۃً یا عرفاً البتہ عورت اپنا حق بلا اجازت لے سکتی ہے۔ اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کی اپنی ملکیت ہو تب بھی بلا اجازت استعمال نہیں کر سکتی۔ باب کی حدیث جمہور کا مستدل ہے۔ باقی امیر اور امام پر یہ لازم ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا بندوبست کرے۔

اشهد علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و قال اسماعیل عن ایوب الخ۔
یہ مزید تاکید کیلئے ہے کہ مجھے وہ ایسا یاد ہے کہ میں اس پر شرعی گواہی دینے کو تیار ہوں ۔اس دوسری سند سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اشھد یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

باب الحرص علی الحدیث

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللّٰہ...... عن ابی ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ قیل یا رسول اللّٰہ من اسعدالناس بشفاعتک یوم القیامۃ؟ قال لقد ظننت یا ابا ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ ان لا یسألنی احد اول منک لما رأیت من حرصک علی الحدیث.

لایسألنی عن ھذالحدیث احد اول منک......

ترکیب:

(۱) اول کو مرفوع پڑھیں تو یہ احد کی صفت ہوگی یا اس سے بدل واقع ہوگا۔

(۲) اول کو منصوب پڑھیں تو یسال کا مفعول ثانی ہوگا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں مطلق علم کی ترغیب تھی اور اس باب میں خصوصاً علم الحدیث کے حصول پر ترغیب کا بیان ہے۔

قیل یارسول اللّٰہ............ سائل کون تھا؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایات کی روشنی میں لکھا ہے کہ سائل خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حوصلہ افزائی پر مبنی تھا۔

من اسعدالناس ......: اسعد اسم تفضیل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سب کا فائدہ تو ہوگا لیکن سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوگا؟

جواب نمبر۱: حافظؒ اور عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسعد بمعنی سعید کے ہے اسم تفضیل کا اپنا معنی مراد نہیں ہے۔

نمبر۲ سندھی فرماتے ہیں کہ اسعد اپنی معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ سب کو

شفاعت کا فائدہ ہوگا لیکن لوگ سعادت میں مختلف ہوں گے۔ مثلاً ابوطالب کو بھی فائدہ ہوگا کہ آگ کے کنارے تک لایا جائے گا اور ایک جنتی کو بھی ہوگا کہ اس کے درجات بلند ہوں گے۔ اسعد الناس من قال لا اله الا اللّٰہ خالصاً من قلبه یعنی وہ کلمہ گو جس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو اس کو سب سے زیادہ فائدہ ہوگا کہ وہ جہنم سے جنت میں آ جائے گا حالانکہ اس کے پاس نجات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

باب کیف یقبض العلم

وکتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکربن حزم انظر ماکان من حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فانی خفت دروس العلم وذهاب العلمآء ولاتقبل الا حدیث النبی و لیفشوا للعلم ولیحلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتی لا یکون یسرا۔

حدثنا اسماعیل بن ابی اویس...... عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ان اقلت لا یقبض العلم انتزاعاً ینتنزعه من العباد ولکن یقبض بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ بتانا مقصود ہے کہ حفاظت علم اور بقاء علم ضروری ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت علم کے دو طریقے ہیں۔ (۱) قید کتابت (۲) درس و تدریس۔

کتب عمر الی ابی بکر ابن حزم..........

مدون اول کون ہے؟

(۱) بعض نے لکھا ہے کہ امام زہریؒ متوفی ۱۲۵ھ مدون اول ہیں (۲) محققین کی رائے یہ ہے کہ ابوبکر بن حزم متوفی ۱۲۰ھ مدون اول ہے۔

کیف یقبض العلم:

حضرت شیخ الحدیثؒ کا فرمان ہے کہ امام بخاریؒ جہاں باب کو کیف سے مصدر کرتے

ہیں تو اشارہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہے وہاں امام بخاریؒ اپنے قول مختار کو ذکر کرتے ہیں یہاں قبض العلم کے بارے میں بھی اختلاف روایات کا اختلاف تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ قرب قیامت میں رات کو آدمی عالم حافظ ہوگا صبح اٹھے گا تو سب کچھ بھول گیا ہوگا۔ اور رات کو مصحف صحیح ہوگا لیکن صبح کو نقوش مٹ گئے ہوں گے۔ امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو لاکر دوسری روایات کے ضعف کو اشارہ کیا ہے۔

حافظؒ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انتزاع پر قادر ہے لیکن انتزاع کی صورت اللہ اختیار نہیں کریں گے۔ بعض حضرات دونوں طرح کی روایات میں جمع کی صورت اختیار کرتے ہیں کہ پہلے تو قبض العلماء کی صورت ہوگی اور عین قرب قیامت میں انتزاع العلم ہوگا۔

لایقبل الاحدیث النبی صلی اللہ علیه وسلم.......... یعنی فقط مرفوع حدیث لکھو آثار صحابہ وغیرہ مت لکھو۔

باب هل يجعل للنسآء يوما على حدة فى العلم

حدثناادم.......... عن ابی سعید الخدری قال: قال النساء للنبی صلی اللہ علیه وسلم علینا علیك الرجال...... ما منکن امرأة تقدم ثلثة من ولدها الا کان لها حجاباً من النار فقالت امرأة واثنین قال واثنین

حدثنی محمد بن بشار .... عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ثلث لم یبلغوا الحنث.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلة من مسائل العلم کہ تعلیم النساء کے لئے تخصیص یوم جائز ہے جیسے حدیث سے ثابت ہے بعض روایات میں مکان کی تخصیص کا ذکر ہے کہ موعد کن بیت فلانة۔

مامنکن امراة...... الا کان لها حجاباً من النار .... اس کے تحت محدثین نے چند باتیں لکھی ہیں۔

(۱) حجاب من النار کی منقبت صرف ماں کے خاص نہیں بلکہ باپ کو بھی یہ منقبت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ منقبت صدمہ کی وجہ سے ہے اور اولاد کی وفات پر جس طرح ماں کو صدمہ ہوتا ہے اسی طرح باپ کو بھی صدمہ ہوتا ہے۔

(۲) حجاب من النار کی منقبت تب حاصل ہوگی کہ وفات اولاد پر صبر کیا جائے لیکن اگر بے صبری اور جزع فزع کیا تو پھر یہ منقبت حاصل نہیں ہوگی۔

(۳) حجاب من النار کے لئے تین کا عدد ضروری نہیں بلکہ اس حدیث میں دو کے لئے بھی یہی حکم ہے اور کتاب الجنائز کی روایت میں ایک بچے کے لئے یہی منقبت ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جس عورت کا کوئی بچہ نہیں ہوتو میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے لئے فرط ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر امت کو سب سے بڑا صدمہ ہوا ہے۔

(۴) یہ منقبت تب حاصل ہوگی جبکہ بچہ بلوغ سے قبل انتقال کر جائے کیونکہ نابالغ مسلمان بچے جنتی ہوتے ہیں اور یہ اللہ سے مناقشہ کریں گے کہ ہم بغیر ماں باپ کے جنت میں نہیں جائیں گے جبکہ بالغ بچوں کا تو خود حساب ہوگا۔ وہ کسی کے لئے سوچ نہیں سکے گا۔ یوم یفر المرو من اخیر الایۃ البتہ بالغ کے انتقال پر اگر صبر کیا تو اس کا اجر ملے گا۔

ثلثة لم یبلغوا الحنث .... حنث کے معنی ہے گناہ اور نامناسب کام، لیکن چونکہ گناہ بالغ کے لئے ہوتا ہے نابالغ پر گناہ کا وبال نہیں لہٰذا بلوغ پر حنث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

عن عبدالرحمن بن اصبهانی ....

حافظ ابن حجرؒ نے اس تعلیق کے دو فائدے لکھے ہیں (۱) پہلی سند میں ابن الاصفہانی کا نام مذکور نہیں ہے اور اس تعلیق میں نام عبدالرحمٰن مذکور ہے۔

(۲) گزشتہ حدیث میں ثلثہ کا لفظ مطلق آیا تھا۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ یہ منقبت نابالغ اولاد کی وفات پر حاصل ہوگی۔

باب من سمع شيئاً فلم يفهمه فراجعه حتى يعرفه

حدثنا سعید بن ابی مریم قال............ حدثنی ابن ابی ملکیة ان عائشة رضی اللّٰہ عنھا زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کانت لا تسمع شیئاً لا تعرفه الا راجعت فیه حتی تعرفه وان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من حوسب عذب، فقالت عائشة: فقلنا اولیس اللّٰہ یقول فسوف یحاسب حسابا یسیرا قالت فقال انما ذاك العرض۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) بیان ادب من آداب المتعلم کہ اگر طالب علم معلم سے کوئی بات سنے اور سمجھ میں نہ آئے تو استاد سے مراجعت کرے حتیٰ کہ بات سمجھ لے۔

(۲) یا مقصد بیان مسئلۃ من مسائل العلم ہے کہ استاد سے تفہیم کے لئے سوال کرنا جائز اور طالب علم کا حق ہے البتہ تعنت اور ضد کی بناء پر سوالات کرنا ممنوع ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے سوالات لا تسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم کے تحت داخل نہیں ہے۔

قال من حوسب عذب .... حضور کا یہ فرمان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیت فسوف یحاسب حسابا یسیرا سے متعارض سمجھا تو نبی علیہ السلام سے سوال کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ انما العرض۔

انما ذاك العرض .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فسوف یحاسب میں حساب عرض مراد ہے گویا حساب دو قسم پر ہے (۱) حساب یسیر یہ عرض ہے (۲) حساب عسیر جسے مناقشہ کہتے ہیں۔

مناقشہ: الاستقصاء فی الحساب حتی لا یترك منه شیئی یعنی آدمی پر گناہ پیش کئے جائیں گے اور پوچھا جائے گا لم فعلت اور عرض یہ کہ ان یعرف ذنوبها فیعفیٰ عنها یعنی گناہ اس پر پیش کئے جائیں گے لیکن یہ سوال نہیں ہوگا کہ لم فعلت بلکہ معاف کر دیا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا قول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں حساب کو دو قسم کی

طرف تقسیم کیا۔ (۱) حساب یسیر (۲) حساب عسیر۔

علامہ سندھی کا قول: حساب کی قسمیں بیان نہیں کی بلکہ عرض کو حساب سے خارج کیا کہ اصل حساب مناقشہ ہی ہے اور عرض حساب میں داخل نہیں لیکن ہمارے اکابر نے شاہ ولی اللہؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

من حوسب عذب اور اہل سنت کا مسلک:

اہلسنت کے ہاں عاصی اور مرتکب کبیرہ تحت المشیت میں داخل ہے لہٰذا ضروری نہیں کہ جس سے مناقشہ کیا گیا وہ معذب ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے کہ عاصی کو اللہ جل جلالہ اپنے فضل سے معاف فرمائیں۔

اشکال: عاصی جب تحت المشیۃ داخل ہے تو من حوسب عذب میں عذب کا کیا مطلب ہے؟

علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مناقشہ خود عذاب ہے (کیونکہ اس کو گھبراہٹ اور خوف ہوگا یہ عذاب سے کم نہیں)

حافظ ابن حجر کا قول: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اشکال ایسا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو جنت میں داخل فرمائیں گے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اشکال ہوا کہ وان منکم الا واردھا تو اس کے خلاف ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ننجی الذین اتقوا اور اسی طرح جب آیت اتری الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم تو صحابہ کو اشکال ہوا کہ اینالم یظلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشرك لظلم عظیم ٥ واللہ اعلم۔

باب يبلغ العلم الشاهد الغائب

حدیث اول: حدثنا عبداللّٰه بن يوسف...... عن ابی شريح انه قال لعمرو بن سعيد...... ايذن لی ايها الامير احدثك...... ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس...... فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسفك بهادما...... قال انا اعلم منك لاتعيذ عاصياً ولا فارا بدم.

حدیث ثانی: حدثنا عبداللّٰہ بن عبدالوھاب...... عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ عنہ ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم...... قال: فان دمائکم واموالکم...... حرام...... وکان محمد یقول صدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان ذلک الحدیث بلغت مرتین .

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد تعیم علم ہے کہ علم کی بات سیکھ کر دوسروں تک پہنچائی جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اس تبلیغ علم کے لئے مکمل عالم ہونا ضروری نہیں اور نہ کسی کا پوچھنا ضروری ہے۔

واقعہ کی تفصیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (گورنر شام) نے بیعت کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر قصاص لو پھر ہم بیعت کریں گے۔ اس بات سے معاملہ بگڑ گیا۔ مختصراً یہ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو متبعین علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ادھر شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقابلے کے لئے لشکر بھیجا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تو حسن رضی اللہ عنہ کے دل میں صلح کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کر کے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری عمر میں خلیفہ مقرر کرنا چاہا چنانچہ لوگوں کے مشورے سے اپنا بیٹا یزید خلیفہ مقرر کیا۔ بعض لوگوں نے تو بیعت کی لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا کیونکہ یزید کی ذاتی زندگی میں نقائص تھے۔ مدینہ میں بھی لوگوں نے بیعت سے انکار کیا۔

(۱) محمد بن ابی بکر: ان میں ایک حضرت ابو بکر کے بیٹے تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہوا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ انتشار کے اندیشہ سے بیعت کر لی۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حرم میں پناہ لینے کے

لئے مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو اہل کوفہ کے خطوط پر کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں پر دردناک واقعہ پیش آیا اور ادھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور لوگوں نے حمایت کی تو یزید نے گورنر مدینہ، عمرو بن سعید کو خط لکھا کہ مکہ پر لشکر کشی کر کے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کردو۔ عین اسی وقت جبکہ عمرو بن سعید لشکر تیار کر رہا تھا قاضی ابوشریح رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ائذن لی ایھا الامیر احدثك الخ تو گورنر نے کہا انا اعلم منك لا تعیذ عاصیا و لا فارا بدم و لا فارا بخربة.

مسئلہ نمبر ا: حدود حرم کے اندر درخت کاٹنا۔

ایسا درخت جو کسی نے خود لگایا ہو تو اس کا کاٹنا اس کے لئے جائز ہے لیکن ایسا درخت جو خود بخود اگ آئے تو اس کا کاٹنا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲: حرم میں پناہ لینا۔

(۱) اگر حرم سے باہر کسی کا مالی حق کھائے اور حرم میں جا کر پناہ لے تو حرم اس کو پناہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو پکڑ کر حق واپس کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ فارا بخربۃ میں داخل ہے۔ (۲) کسی کو زخمی کرے اور جا کر حرم میں پناہ لے تو حرم اس کو بھی پناہ نہیں دیتا یہ بھی اموال کے حکم میں داخل ہے اس کو پکڑ کر قصاص لیا جائے۔ (۳) فارا بدم یعنی کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے تو شوافع کے ہاں حرم کو پناہ نہیں دے گا بلکہ اس کو پکڑ کر قصاص کا حکم لگائیں گے اور خارج حرم لے جا کر قصاص کریں گے۔ اور احناف کے ہاں اس کو نکلنے پر مجبور کیا جائے جب حرم سے نکل جائے تو پکڑ کر قصاص لیا جائے جب تک حرم میں ہے نہیں پکڑا جائے گا۔ یہ حدیث جہاں پر تفصیل آئی ہے تو احناف کی مستدل ہے۔

ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس.

اشکال:

یہاں پر تو صرف اللہ کی جانب تحریم کی نسبت کی ہے جبکہ دوسری حدیث میں اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ الخ وہاں تحریم کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی کی ہے؟

جواب:

حرمت مکہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے تھی لیکن طوفانِ نوح علیہ السلام سے وہ حدود حرم کی علامات زائل ہوئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی تجدید کی اور یہی حدیث سے مراد ہے۔

انا اعلم منك...... عمرو بن سعید اکثر کے ہاں تابعی ہیں اور انا اعلم منک کہنا اس کا غلط ہے۔

لاتعیذ عاصیاً ولا فلراً بدم الخ...... ...... یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ ابن زبیرؓ نہ عاصی تھے نہ فار ابدم اور شوافع حضرات کہتے ہیں کہ یہ کلمۃ حق ارید بہا الباطل کے قبیل سے ہے۔

ولا فلراً بخربۃ (۱) خربۃ بفتح الخاء چوری (۲) خربۃ بضم الخاء بمعنی فساد (۳) خزیۃ بکسر الخاء وسکون الزاء وبالیاء بمعنی رسوائی کا کام۔

تمام شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا یہ کلمہ حق ہے لیکن ارید بہا الباطل۔ صحابی کا قول احناف کا دلیل بنتا ہے۔

باب اثم من كذب على النبى صلى الله عليه وسلم

حدیث اول: حدثنا علی .... قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی...... الخ

حدیث ثانی: حدثنا ابو سعید عن جابر بن عبداللہ .... من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار.

حدثنا موسیٰ...... عن ابی ہریرة رضی اللہ عنه تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی ومن رانی فی المنام فقد رانی۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں حصول علم مراجعت فی العلم، تعیم علم وغیرہ کے امور سے متعلق احادیث لائے تھے تو اس باب سے مقصد یہ ہے کہ تعیم علم اگرچہ محمود ہے لیکن اس میں احتیاط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی بات نہ کہی جائے ورنہ

بجائے محمود ہونے کے جہنم کا مستحق ہو جائے گا۔

باب اثم من کذب الخ

اشکال:

ترجمہ میں اثم کا ذکر ہے لیکن باب کی احادیث میں اثم کا بیان نہیں ہے صرف سزا کا ذکر ہے لہٰذا بظاہر ترجمۃ الباب اور احادیث الباب میں مناسبت نہیں؟

جواب:

اثم اور گناہ ان وعیدات سے ماخوذ اور مفہوم ہوتا ہے جو احادیث میں مذکور ہیں کیونکہ بغیر گناہ کے کوئی جہنم میں نہیں جاتا اور جب حدیث میں کذب علی النبی کی سزا جہنم ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ باب کی احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب ترتیب قائم کی ہے کہ پہلے مطلقاً کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ممنوع قرار دیا ہے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی توقی اور احتیاط کو بیان کیا ہے۔ پھر بیان کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کثرت حدیث کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ کثرت حدیث بسا اوقات مفضی الی الکذب ہوتی ہے۔ پھر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے کہ جس طرح یقظہ کی صورت میں کذب علی النبی ممنوع ہے ایسے ہی نیام کی صورت میں بھی ممنوع ہے۔

کذب کی تعریف:

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اہل سنت کے ہاں برخلاف واقعہ بات کو کذب کہتے ہیں۔ تعمد ہونا شرط نہیں البتہ مواخذہ صرف تعمد میں ہوگا۔

کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم:

(۱) اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً حرام ہے چاہے دین کے ضرر کے لئے ہو یا اپنے خیال میں دین کے نفع کے لئے ہو۔

(۲) کرامیہ، روافض وغیرہ وہ جھوٹ جو نقصان کے لئے ہو تو وہ حرام ہے لیکن جو نفع اور ترغیب کے لئے جھوٹ بولا جائے وہ جائز ہے۔

دلیل نمبر۱: حدیث میں ہے ''من کذب علیؐ'' علیٰ اضرار کے لئے ہے جو ثابت ہوا کہ اضرار کے لئے تو کذب حرام ہے لیکن ترغیب الناس کے لئے جائز ہے۔

دلیل نمبر۲: مسند بزار کی روایت ہے ''من کذب علی لیضل به الناس'' کہ اضلال الناس کے لئے تو وضع الحدیث حرام ہے لیکن ترغیب اور نفع کے لئے جائز ہے۔

اہل سنت والجماعۃ کے ہاں کذب علی النبی مطلقاً حرام ہے اور بہر صورت اس کے نقصانات ہیں، سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ مشتبہ ہو جائے گا کہ کون سی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعۃً نقل ہے اور کون سی موضوع ہے۔

کرامیہ کو جواب:

(۱) حدیث میں جو علی کا لفظ مذکور ہے اس سے اشارہ ہے کہ کذب علی النبی بہر صورت باعث نقصان اور باعث ضرر ہے۔

(۲) لیضل به الناس (۱) ایسے جملے میں مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور بقول حافظ ابن حجرؒ یہ سنداً مرسل ہے، لہٰذا مرفوع کے مقابلے میں مرسل سے استدلال درست نہیں ہے۔ (۲) لیضل میں لام علت کے لئے بلکہ ضرورت کے لئے ہے یعنی کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انجام ضلالت اور گمراہی ہے۔

تنبیہ: سور القرآن کی فضائل کے بارے میں اکثر احادیث موضوع ہیں (ان کی کوئی اصل نہیں)

وضع الحدیث کی ایک وجہ: ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں ایک واضع الحدیث کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر فقہ حنفی کی طرف متوجہ ہو گئے تو میں نے احادیث وضع کرلیں تاکہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

کاذب کا حکم: امام ابو محمد الجھینی، ابن منیرؒ ان کے ہاں کاذب علی النبی کافر ہے۔

دلیل نمبر۱: فلیتبوأ مقعده من النار، وغیرہ کیونکہ اس سے مراد تخلید ہے اور تخلید فی النار کفار کے لئے ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔

دلیل نمبر۲: عام مسلمانوں پر جھوٹ باندھنا بھی کبیرہ ہے اگر کذب علی النبی کو بھی صرف کبیرہ ہی کہیں گے تو دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا اور ظاہر ہے دونوں میں کتنا فرق ہے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دین کا نقصان ہے، بخلاف عام مسلمان کے۔

امام الحرمینؒ نے اپنے والد ابو محمد الحھینی کا قول رد کیا ہے۔

نمبر۱: اس وجہ سے کہ آدمی کذب علی اللہ سے تو کافر نہیں ہوجاتا تو کذب علی النبی کی وجہ سے کیسے کافر ہوگیا۔

نمبر۲: کذب علی النبی حرام ہے اور ارتکاب حرام سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک کہ مستحل نہ ہو البتہ اگر کذب کو حلال جانے تو تحلیل الحرام کی وجہ سے کافر ہوجائے گا۔

فرق کا جواب: کذب علی النبی اور عام کذب میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ سزا اور عذاب کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ جسے ایک سارق الدرہم ہے اور ایک سارق الالف الدراہم ہے حکم کے اعتبار سے دونوں کو سرقہ کہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ عذاب میں فرق ہوگا۔

اہل سنت کا مذہب:

امام الحرمینؒ فرماتے ہیں کہ یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آدمی کذب علی النبی کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔

حدیث زبیر رضی اللہ علیہ عنہ: انی لم افارقه، الخ کہ مجھے حضور کے ساتھ کثرت رفاقت کا شرف حاصل ہے ان کے افعال اور اقوال میں نے دیکھے ہیں لیکن کثرت تحدیث کی وجہ سے احتیاط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کذب علی فلیلج النار تو کثرت میں احتیاط کا پہلو چھوٹ جاتا ہے تو کبھی جھوٹی بات منسوب ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اس میں تعمد نہیں ہوتا لیکن اس کا نقصان بہر صورت ہوتا ہے۔

اشکال: بعض مکثرین صحابہ مثلاً ابو ہریرہؓ انہوں نے کیوں کثرت تحدیث کو اختیار کیا؟

جواب نمبر۱: ممکن ہے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس ذخیرہ بہت زیادہ ہو اور انہوں نے اپنے ذخیرے کے بہ نسبت بہت کم تحدیث کی ہو اگرچہ ہمیں وہ احادیث کثیر معلوم ہوتی

ہیں۔

جواب نمبر۲: مکثرین صحابہ کی زندگی طویل تھی اور لوگوں کو حالات کے پیش نظر اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہوتی تھی اگر یہ حدیث نہ سناتے تو کتمان علم کی وعید کے تحت داخل ہوتے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔لولا آیتان فی الکتاب لما حدثتکم

جواب نمبر۳: ان صحابہؓ کی کثرت میں بھی احتیاط ملحوظ تھی، فقط وہ احادیث سناتے جو صحیح یاد تھیں۔

من کذب علی مالم اقل......

بعض لوگوں نے اس سے روایت بالمعنی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوتا، لہٰذا اس وعید کے تحت داخل ہے۔

الا کتاب اللہ............ یہ استثناء منقطع ہے۔

اوفہم اعطیہ رجل مسلم............ اس سے باتفاق المحدثین قوت استنباط واجتہاد مراد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو اللہ نے قوت استنباط واجتہاد سے نوازا ہے۔

مافی ھذہ الصحیفہ قال العقل

یعنی اس میں دیت کے احکام، والاسیر اور جو مسلمان کفار کی قید میں ہیں ان کی رہائی کے لئے جہاد کرنے اور انفاق کی ترغیب ہے یا اعتاق کرنے کی ترغیب ہے۔

ولا یقتل مسلم بکافر .... اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

شوافع وحنابلہ وغیرہ کے ہاں یہ حکم عام ہے۔یعنی مسلمان اگر کافر حربی، ذمی یا معاہد کو قتل کرے تو اس کے مقابلے میں مسلمان قصاصاً قتل نہیں ہوگا۔

احناف کہتے ہیں کہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے اور کافر ذمی یا معاہد کے مقابلے میں مسلمان قصاصاً قتل ہوگا۔

دلیل نمبر۱: حدیث انما بذلوا (خراج) لتکون دمائھم کدمائنا واموالھم کاموالنا لہٰذا کافر ذمی اور معاہد کے مسلمان قصاصاً قتل ہوگا۔

دلیل نمبر۲: اگر مسلمان حربی کا مال سرقہ کرے تو قطع ید نہیں جبکہ ذمی اور معاہد کے مال میں بالاتفاق قطع الید ہوگا جب مال میں ذمی اور معاہد مسلمان کی طرح ہیں تو دم کے معاملے تو بطریق اولیٰ مسلمان کی طرح ہوں گے۔

ولا یختل شوکھا ولا یعضد شجرتھا...... جو درخت خود بخود اگ آئے اس کا کاٹنا جائز نہیں؟ خود لگایا ہوا درخت کاٹ سکتا ہے۔

ولا تلتقط ساقطھا.......... لقطہ حرم کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم کا زندگی بھر اعلان کرتا رہے گا نہ خود استعمال کرسکتا ہے اور نہ صدقہ کرسکتا ہے۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم اور عام لقطہ کا حکم میں برابر ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم کا اٹھانا بالکل جائز ہی نہیں کیونکہ مالک خود آ کر لے لے گا، اگر تم اٹھاؤ گے تو حجاج جب چلے جائیں گے تو کہاں کہاں اعلان کرتے پھرو گے۔

فھو بخیر النظرین...... ...... احناف کے ہاں قتل عمد کا موجب قصاص ہے اور دیت اس صورت میں ہوگی جب قاتل اور اولیاء مقتول دونوں دیت پر راضی ہوں۔

دیگر فقہاء کے نزدیک قاتل کی رضا کے بغیر دیت کا حکم نہیں ہوگا۔

باب العلم والعظة بالليل

حدثنا صدقة...... عن ام سلمه رضی اللہ عنھم قالت استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ...... ماذا انزل اللیلۃ من الفتن...... فرب کاسیۃ فی الدنیا عاریہ فی الآخرۃ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں گذر چکا ہے کان یتخولنا بالموعظۃ مخافۃ السآمۃ" تو اس سے وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ رات کو علم اور وعظ درست نہیں ہوگا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب سے وہم کو دور کیا کہ بوقت ضرورت رات کو

وعظ وتعلیم جائز ہے۔

(۲) شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النہار معاشا اور بظاہر رات کو تعلیم اور وعظ کرنا جعلنا الیل لباسا کے خلاف ہے۔ تو اس کی وجہ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید رات کو یہ وعظ جائز نہ ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب سے بتا دیا کہ موقع محل کے مطابق اور بوقت ضرورت رات کو تعلیم جائز ہے اور منشاء قرآن کے خلاف نہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کے مطابق نھی عن النوم قبل العشاء والسمر بعده تو اس سمر کی دو صورت ہیں۔ (۱) قبل النوم سمر، یہ مسئلہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔

(۲) سمر بعد النوم اس باب میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ عشاء کے بعد سمر بعد النوم دین کی غرض سے جائز ہے۔

فقال سبحان الله ماذا انزل الليلة من الفتن...... الخ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے نے اطلاع دی کہ آج رات اللہ نے فتنے نازل کئے جن کا ظہور بعد میں ہوگا۔

فتن سے مراد:

وہ فتنے جن کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا مثلاً

(۱) شہادت عثمانؓ (۲) جنگ جمل (۳) جنگ صفین وغیرہ۔

خزائن سے مراد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خصوصاً دورِ فاروقی میں فارس اور روم کا علاقہ فتح ہوا اور بہت سارا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

ایقظوا صواحب الحجر...... ......اس سے مراد ازواجِ مطہرہ ہیں چونکہ یہ دعا کا وقت تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جگانے کا حکم دیا۔

فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة...... مطلب یہ ہے:

(۱) کہ وہ عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوئے ہوں گے لیکن اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (۲) دنیا میں اعمال کرتی رہیں گی لیکن آخرت مین ان کے اجر سے محروم ہوں گی۔ (۳) دنیا میں اللہ نے نعمتوں سے نوازا ہوگا لیکن ناشکری کے باعث آخرت میں نعمتوں سے محروم ہوں گی۔

باب السمر بالعلم

حدیث اول: حدثنا سعید بن عفیر ...... ان عبداللّٰه بن عمر قال صلی لنا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قال قال ارئیتکم لیلتکم هذه فان رأس مائة سنة منها لایبقیٰ من هو علی ظهرالارض احد.

حدیث ثانی: حدثنا ادم ...... عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما ...... صلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم العشآء ...... ثم نام ثم قام ثم قال نام الغلیّم ...... ثم نام حتی سمعت غطیطه ثم خرج الی الصلوٰة الحدیث.

سمر لغت میں ضوء القمر یعنی چاند کی چاندنی کو کہتے ہیں۔عرب کی عادت تھی کہ چاندنی راتوں میں گھروں سے باہر جاکر قصہ خوانیوں میں مصروف ہوتے۔تو سمر کا اطلاق ان قصے کہانیوں پر ہونے لگا۔پھر توسعاً ہر بات جو بعد العشاء ہو اس کو سمر کہا جانے لگا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلۃ من مسائل العلم کہ حدیث میں سمر بعد العشاء سے نہی موجود ہے اس سے بظاہر سمر بالعلم کا منع ہونا بھی معلوم ہوتا تھا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے یہ بتادیا کہ نہی کا محل دوسرا ہے یعنی فضول باتیں، لہٰذا ضرورتاً علمی بات کرنا جائز ہے کیونکہ عموماً علمی مجلس طویل نہیں ہوتیں آدمی کا دل نہیں لگتا جبکہ فضول مجلس کو شیطان مزین کرتا ہے لہٰذا وہ طویل بھی ہوتی ہے اور قضاء الفجر کا سبب بھی بنتی ہے۔

حدیث اول: فان علی رأس عامه سنة منها لایبقیٰ علی ظهرالارض احد

مسئلہ حیات خضر:

اس حدیث کے تحت محدثین نے حیات خضر کا مسئلہ ذکر کیا ہے۔محدثین امام بخاریؒ

رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ خضر وفات پا چکے ہیں۔

دلیل نمبر ا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک زندہ بھی رہے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سو سال کے اندر وفات پا گئے ہوں گے۔

دلیل نمبر ۲: وما جعلنا لبشرٍ من قبلك الخلد آیت سے ثابت ہے کہ کسی کے لئے ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں کی گئی اور حیات خضر اس کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۳: واذا اخذ الله میثاق النبیین الایة اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو کسی غزوہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہوتی حالانکہ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہو۔

علامہ انور کشمیریؒ نے صوفیاء کے قول کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔ اور محدثین کے دلائل کا جواب دیا ہے۔

جواب نمبر ا ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے وقت حضرت خضر علیہ اسلام علی ظہر الارض نہ ہوں بلکہ سمندر میں ہوں۔

جواب نمبر ۲: خلد کا معنی ہے ہمیشہ کی زندگی اور صوفیاء تو ہمیشہ کی حیات کے قائل نہیں بلکہ قرب قیامت میں وفات ہونے کے قائل ہیں۔

جواب نمبر ۳: اللہ تعالیٰ نے میثاق انبیاء سے لیا ہے اور خضر علیہ اسلام کی نبوت مختلف فیہا ہے بالفرض اگر نبوت تسلیم کی جائے تو ممکن ہے خضر علیہ اسلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ نہیں فرمایا ہو یا خضر علیہ اسلام نے عیاناً نصرت نہ فرمائی ہو بلکہ چھپ کر فرمائی ہو۔ بہر حال صوفیا کے پاس بھی کچھ روایات ہیں اور کچھ بزرگوں کے کشف بھی ہیں لیکن کشف صرف اپنے حق میں حجت ہے کسی اور کے حق میں نہیں اور اسی طرح عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جو ملاقات ثابت ہے تو اس کے جواب میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ردعلی المنطقیین میں لکھا ہے کہ اگر جن کسی کے پاس آ کر خضر ہونے کا دعویٰ کرے تو جھٹلانے کی کیا دلیل ہے۔ لہٰذا اس طرح کے دلائل سے استدلال درست نہیں بہر حال یہ مسئلہ ایمانیات کا نہیں ہے ممکن ہے کہ ابھی تک زندہ ہوں۔

حدیث ثانی میں ترجمۃ الباب کا ثبوت:

(۱) ثم قال نام الغلیم ...... سے ترجمۃ الباب سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس پر اشکال ہے کہ اس میں تو علم کی کوئی بات نہیں۔

(۲) فجعلنی عن یمینہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ سمر بالعلم کا اطلاق قول وفعل دونوں پر ہوتا ہے۔

(۳) باب کی حدیث سے التزاماً ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب رشتہ دار ملتے ہیں تو ضرور حال احوال پوچھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوچھے ہوں گے۔

(۴) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تاویلات باردہ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی حدیث لاتے ہیں تو ان کی نظر تمام طرق پر ہوتی ہے چنانچہ یہی حدیث جب کتاب تفسیر میں آئی ہے تو وہاں پر ہے فتحدث مع اهله ساعة اس سے صراحۃ ترجمۃ الباب کا ثبوت ہوتا ہے۔ الابواب والتراجم میں حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب حفظ العلم

حدیث اول: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللّٰه...... عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال ان الناس یقولون اکثر ابوهریرة ولو لا ایتان فی کتاب اللّٰه ماحدثت حدیثا...... وان اباهریرة کان یلزم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بشبع بطنه.

حدیث ثانی: حدثنا ابو مصعب احمد بن ابی بکر...... عن ابی هریره رضی اللّٰه عنه قال قلت یا رسول اللّٰه........... قلت قال ابسط ردآءك فبسطته فغرف بیدیه.

حدیث ثالث: حدثنا اسماعیل...... عن ابی هریره رضی اللّٰه عنه قال حفظت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وعآئین فاما احد هما فبسطتّه واما الاٰخر فلو بسطته قطع هذالبلعوم.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ علم کو حفظ کرنا ضروری ہے اور احادیث سے حفظ کی دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) علمی مشغلہ میں مداومت رکھے۔ (۲) حفظ میں صرف اپنی محنت اور حافظہ پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے لئے اسباب بھی اختیار کرے جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی، ایسے ہی اساتذہ اور بزرگوں سے دعاء کرائی جائے۔ اور اسی طرح ترک معاصی اور انہماک فی الطاعات اختیار کرے جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ منقول ہے کہ میں نے وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے سوء الحفظ کی شکایت کی تو انہوں نے ترک معاصی کا حکم دیا۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی بترک المعاصی

فان العلم نور من الہ ونور اللہ لا یعطی لعاصی

اور اسی طرح یہ مقصد بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنا ہر طرح کا علم ہر کسی کے سامنے پیش نہ کرے بلکہ بعض باتیں بعض لوگوں کے سامنے بیان کرنا مناسب ہوتی ہیں اور بعض کے سامنے مناسب نہیں ہوتی بلکہ موقع محل کی مناسبت سے علم کا اظہار کرے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کلم الناس علی قدر عقولھم. اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ کیونکہ اگر بات عقل میں نہیں آئے گی تو وہ انکار کرے گا اور یہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے۔

حدیث اول: لوگ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ پر کثرت حدیث کی وجہ سے اعتراض کرتے کہ باوجود قلت صحبت دوسرے انصار اور مہاجرین سے زیادہ روایات بیان کرتے ہیں کیونکہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے تو ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر قرآن میں کتمان علم کی وعید نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا لیکن کتمان علم پر وعید کی وجہ سے بیان حدیث پر مجبور ہوں۔ اور رہی بات کثرت روایات کی تو چونکہ مہاجرین بھائی تجارت میں مشغول ہوتے اور انصار کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے لہٰذا ان کو کثرت سماع کا موقع نہ مل سکا جبکہ میری نہ دکان تھی نہ کھیت و باغ اور نہ اہل و عیال کی فکر تھی زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کی فکر ہوتی تو جب پیٹ بھر کر کھانا ملتا تو ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں، حاضر رہتا اور حدیث ثالث میں ہے کہ میرے پاس تو اس سے بھی زیادہ علم محفوظ ہے لیکن اگر باقی علم بیان کروں تو لوگ میرا گلہ کاٹ دیں گے۔

حفظت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائين ...... واما الآخر فلو بسطته قطع هذا البلعوم۔

وعائین سے کیا مراد ہے؟

(۱) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک برتن سے مراد علم الظاہر اور احکام شرعیہ ہیں جن کا بیان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور دوسرے سے مراد علم الباطن والاسرار ہے جس کو عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا مناسب نہیں تھا۔

(۲) محدثین فرماتے ہیں کہ ایک سے مراد علم الظاہر اور علم الاحکام ہے اور دوم سے مراد فتن اور ائمہ جور کے بارے میں پیشینگوئیاں تھیں اگر ان کو ابو ہریرہ فرماتے تو امراء الجور اور ان کے خاندان آپ رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچاتے۔ البتہ بعض دفعہ کنایۃً ان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان اس سے مراد بنوامیہ کے جوان امراء تھے جنہوں نے بعض نامناسب کام کئے۔

يشبع بطنه ....

اس کے دو مطلب ہیں: (۱) کہ مجھے اور کوئی فکر نہیں صرف یہ پیٹ بھر کر مل جاتا تو میں ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ (۲) کان یلازم رسول اللہ = = = يشبع بطنه یعنی اتنی صحبت اختیار کی اور علم حاصل کیا کہ جی بھر گیا۔

فغرف بيده........ یہ محسوسات کے ضبط کرنے اور لینے دینے کا طریقہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ غیر محسوسات میں اختیار کیا۔

سندآخر...... (۱) حدیث اول میں بیدہ تھا یہاں بیدیہ ہے۔ (۲) وہاں فیہ نہ تھا یہاں فغرف بیدہ فیہ ہے۔

باب الانصات للعلماء

حدثنا حجاج ...... عن جرير رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم

قال له فی حجة الوداع استنصت الناس فقال لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ مجلس علم میں خاموش رہے اگر خاموش نہ ہوتا ہوتو دوسرے اسے خاموش کرائیں۔

(۲) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب تم کسی مجلس میں جاؤ اور وہ کسی بات میں مشغول ہوں تو اسی مشغولیت کی حالت میں ان سے علم کی بات بیان نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ وہ خاموش ہو جائیں اور بات سننے کے لئے تیار ہوں تو ان سے علم کی بات شروع کرو۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو خاموش نہیں کرنا چاہئے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے بتایا کہ بوقت ضرورت خاموش کرانا جائز ہے۔

لا ترجعوا بعدی کفاراً............

(۱) ارتداد سے روک رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ مرتد ہو گے اور نتیجتاً قتل وقتال کریں۔

(۲) دونوں چیزوں سے منع کر رہے ہیں لیکن اصل منع قتل وقتال سے ہے اور ارتداد کا ذکر تشبیہاً ہے کہ یہ کفارہ کا کام ہے۔

باب ما یستحب للعالم اذاسئل ای الناس اعلم فیکل العلم الی اللہ تعالیٰ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ کسی صورت میں اپنے لئے علم کا دعویٰ نہ کرے بلکہ اگر کوئی کہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو اللہ اعلم کہے اپنی خدمات پیش نہ کرے کہ لوگ تو بندۂ حقیر کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں کیونکہ علم صفات الٰہی میں سے ایک وصف ہے اور صفات الٰہی میں بڑائی اور کبریا ہے تو اس سے آدمی میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اسی بڑائی کی وجہ سے

اپنے لئے علم کا دعویٰ کرتا ہے لہٰذا عالم کے لئے تواضع ضروری ہے کیونکہ بڑائی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے یہی وجہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ تو انہوں نے ''أنا'' کہا اگرچہ یہ حقیقت تھی لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور عتاب نازل ہوئی۔

حضرت خضر علیہ السلام ...... قول اصح کے مطابق نبی ہیں لیکن تشریعی نبی نہیں تھے ان کی امت نہیں تھی۔

فائدہ: باب ذھاب موسیٰ علیہ السلام کی حدیث اور اس حدیث میں کوئی خاص فرق نہیں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور یہ کہ وہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حر بن قیس الغراری کا اختلاف تھا۔ خضر علیہ السلام کے بارے میں اور یہاں پر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نوف البکالی کا اختلاف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ نوف البکالی کا خیال تھا کہ اس سے مراد موسیٰ بن میشیٰ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

کذب عدو اللہ...... ...... اگر اتنا سخت لہجہ استعمال نہ کرتے تو لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بجائے نوف کی بات پر اعتماد کرتے کیونکہ نوف واعظ تھے اور لوگوں میں وعظ زیادہ مشہور ہوتا ہے بخلاف عام علماء کے۔

باب من یسأل وھو قائم عالما جالسا

حدثنا عثمان رضی اللہ عنہ ...... عن ابی موسیٰ قال جآء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالا تقال فی سبیل اللہ فان احدنا یقاتل غضبا و یقاتل حمیۃ ...... فقال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ا: حافظ ابن حجرؒ ابن منیر سے نقل کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من احب ان یتمثل لہ الرجال فلیتبوأ مقعدہ من النار کہ عالم اگر چاہے کہ لوگ میری عزت کے لئے کھڑے ہوں تو یہ مذموم ہے، اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ اگر عالم بیٹھا ہو تو

سائل کھڑے ہوکراس سے سوال نہ پوچھے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اشارہ کیا ہے کہ بیٹھے ہوئے عالم سے کھڑے کھڑے سوال کیا جانا اس وعید کے تحت داخل نہیں۔

نمبر۲: حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ خطابیؒ ابن بطالؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ گزشتہ ابواب میں گزر گیا کہ معلم کے سامنے مؤدب ہوکر بیٹھنا چاہئے، جیسے باب من برک الخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے تو اس حدیث الباب پر اشکال ہوسکتا تھا کہ یہ صورت ادب معلم کے خلاف ہے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب سے بتادیا کہ بوقت ضرورت یہ صورت جائز ہے اور خلاف ادب نہیں ہے۔

فان احدنا یقاتل غضباً او حمیةً ...... من قاتل لتکون کلمة اللّٰہ ھی العلیا.

یہ جملہ جوامع الکلم سے ہے۔ گویا اس میں اشارہ ہوا کہ غضب اور رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) غضب وحمیت نفس و خاندان و آبرو کے لئے۔ (۲) غضب وحمیت اللہ اور دین کے لئے۔ تو وہ قتال جو غضب للہ اور حمیت للہ کے لئے ہو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ بصورت دیگر جہاد نہیں۔

لتکون کلمة اللّٰہ ھی العلیا...... اس حدیث میں جہاد کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ اس سے دین کی سربلندی ہوتی ہے اور ہمیشہ یہی نتیجہ نکلتا ہے بشرطیکہ جہاد خلوص نیت سے ہو کیونکہ ارشاد ہے: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم الایة۔

جواب میں لام تاکید اور نون تاکید قائم مقام قسم کے ہیں تو جب ہم دیکھیں کہ جہاد کا مذکورہ نتیجہ نہیں نکلتا تو سمجھنا چاہئے کہ مجاہدین کی نیتوں میں فتور ہے۔

الا انہ کان قائماً...... یہاں سے ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے اور یہ ترجمۃ الباب کا مقام ہے۔

فھو فی سبیل اللّٰہ........ یہ لڑائی اللہ کے راستے میں ہے یا وہ مجاہد اللہ کے راستے میں ہے۔

باب السؤال والفتيا عند رمی الجمار

حدثنا ابو نعیم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم عند الجمرة وهو يسال فقال رجل يارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نحرت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

کہ اگر عالم یا مفتی طاعت میں مشغول ہے تو اس صورت میں مستفتی کے لئے سوال کرنا اور مفتی کے لئے سوال کی طرف توجہ دینا اور جواب دینا جائز ہے اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ طاعت دو قسم پر ہیں۔

(۱) وہ طاعات کہ اگر ان کے دوران مفتی سوال غور سے سنے اور جواب دے تو عبادت فاسد ہوتی ہے مثلاً نماز تو اس صورت میں مستفتی کا سوال کرنا اور مفتی کا جواب دینا دونوں ناجائز ہے۔

(۲) وہ طاعات کہ اگر ان کے دوران مفتی سوال کا جواب دے تو عبادت فاسد نہیں ہوتی مثلاً ذکر، طواف، رمی الجمار وغیرہ تو اس صورت میں مستفتی کا سوال کرنا اور مفتی کا جواب دینا دونوں جائز ہیں، گویا یہ بیان مسئلۃ من مسائل العلم ہے۔

اشکال: حافظؒ نے ایک اعتراض کیا ہے کہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے کیونکہ ترجمۃ الباب میں عند رمی الجمار کا ذکر ہے اور حدیث میں رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الجمرہ ہے تو ممکن ہے کہ یہ سوال رمی الجمار سے پہلے ہو یا بعد میں ہو لہٰذا تصریح نہیں کہ سوال عند رمی الجمار ہوا ہے۔

جواب: (۱) حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی جواب دیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی الفاظ کے عموم سے ترجمۃ الباب ثابت کرتے ہیں تو یہاں رأیت عند الجمرہ ہے جو قبل الرمی، بعد الرمی، عین وقت الرمی اور دعا بعد الرمی کو شامل ہے تو اس عموم کی وجہ سے یہ عین رمی الجمار کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے۔

(۲) بعض عند الجمرہ سے چونکہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دعا بعد الرمی کی صورت ہو تو

اس سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاعت میں مشغول تھے تو اس عمومی معنیٰ سے ثابت ہوا کہ وقت طاعت میں سوال کرنا جائز ہے اور رمی الجمار بھی طاعت ہے۔

اسماعیلی کا اشکال: امام بخاریؒ اگر اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر باب قائم کرتے ہیں تو اسی حدیث کے اوپر تین باب قائم کرنے چاہئیں۔ (۱) جو رمی الجمار پر دال ہو یعنی باب السوال عند رمی الجمار (۲) جو مکان پر دال ہو یعنی السوال عند الجمرۃ (۳) جو زمان پر دال ہو یعنی السوال یوم النحر۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ پہلا ترجمۃ الباب گزر چکا ہے اب زمانہ سے مقید اعمال میں علم کے مسائل بیان کر رہے ہیں۔

ارم ولا حرج...... مسئلہ ترتیب ارکان حج

احناف کے ہاں ترتیب واجب ہے کہ دس تاریخ کو پہلے رمی کرے اگر متمتع ہے تو پھر نحر کرے اور پھر حلق کرے اواس سے حل ناقص حاصل ہوگا، پھر طواف زیارت سے حل کامل حاصل ہوگا البتہ طواف زیارت اور ارکان ثلاثہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں۔

ائمہ ثلثہؒ کے ہاں ارکان میں ترتیب واجب نہیں ہے اور ان کا مستدل حدیث الباب ہے کہ ارم ولا حرج۔

جواب: (۱) احناف اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہ چونکہ پہلا حج تھا لہٰذا اللہ کی طرف سے اس میں رعایت تھی۔

(۲) ولا حرج میں اخروی گناہ کی نفی ہے اور اس میں دم کی نفی کا ذکر نہیں ہے۔

دلیل احناف برائے وجوب ترتیب: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ "من قدم شیئاً اواخر من نسکہ فعلیہ دم.

باب قول الله وما اوتيتم من العلم الا قليلا

حدثنا قيس بن حفص .... عن عبدالله رضى الله عنه ...... فمر بنفر من اليهود فقال بعضهم سلوه عن الروح ...... فقال يا اباالقاسم ......ماالروح؟ فسكت فقلت انه يوحىٰ ...... فقمت فلما انجلىٰ عنه، فقال يسئلونك عن الروح

قل الروح من امر وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ مسئلہ گزر گیا کہ ضرورت کا مسئلہ مفتی سے ایسی صورت میں بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ مفتی طاعت میں مشغول ہو تو اس بارے میں بتا دیا کہ ہر ضرورت کی بات عالم سے پوچھنی چاہئے کیونکہ ہمارے پاس اگر علم ہے بھی تو بہت تھوڑا ہے لقولہ تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

خرب: ضد عامر۔ غیر آباد زمین کو کہتے ہیں۔

تفصیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر چند یہودیوں پر ہوا بعض نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھ لو۔ بعض نے کہا کہ مت پوچھو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جو توراۃ میں ہے تو ہمیں لامحالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کرنی پڑے گی اور انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ بہر حال انہوں نے پوچھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خاموش ہوئے اسی وقت وحی اتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلاوت فرمائی: یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو توراۃ میں تھا۔

فقمت .... (۱) پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان کھڑا ہوا تا کہ یہود نقصان نہ پہنچا سکیں۔

یسئلونک عن الروح ....

روح سے مراد کیا ہے:

(۱) قرآن میں جبرئیل علیہ السلام پر اطلاق ہوا ہے۔ نزل بہ الروح الآیۃ۔ (۲) قرآن پر اطلاق ہوا ہے۔ اوحینا الیک روحا من امرنا۔ (۳) ایک عظیم فرشتے پر اطلاق ہوا ہے۔ یوم یقوم الروح الایۃ۔ (۴) روح انسانی پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ یہاں پر یہی مراد ہے جس کے ساتھ بدن کا قوام ہے۔

روح کی حقیقت: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ استاثر اللہ بہ۔ اللہ کے علاوہ کسی کو

حقیقت معلوم نہیں۔

قل الروح من امر ربی: عالم دو قسم پر ہے۔(۱) عالم خلق۔(۲) عالم امر۔

(۱) امور تکوینی عالم امر ہے اور امور تشریعی عالم خلق ہے۔(۲) عرش سے اوپر عالم امر اور عرش کے نیچے عالم خلق ہے۔(۳) مادہ سے پیدا ہونے والا عالم خلق ہے اور کلمہ کن سے پیدا ہونے والا عالم امر ہے۔

باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر فهم بعض الناس فیقعوا فی اشد منه

حدثنا عبدالله بن موسی .... کانت عائشة رضی الله تعالٰی عنهم تسر الیك کثیرا فما حدثتك فی الکعبه قلت قالت لی قال النبی صلی الله علیه وسلم یا عائشه لو لا ان قومك حدیث عهدهم.

ترجمة الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں گزر گیا کہ عالم اپنے قول وعمل سے علم کی تبلیغ اور تشہیر کرے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مطلوب اور محمود کام ہے لیکن اس میں ہوشیاری سے کام لینا چاہئے کیونکہ بعض امور عالم کو مختار اور پسندیدہ ہوتے ہیں لیکن لوگ غلط فہمی اور ناسمجھی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو عالم کو ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے گویا بیان ادب من اداب المعلم ہے۔

تفصیل:

سب سے پہلے یہ بات کہ کعبہ کی تعمیر کتنی مرتبہ ہوئی، تو عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ سب سے اول کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی۔ ثانیاً ابراہیم علیہ السلام نے، ثالثاً قریش نے، رابعاً عبداللہ ابن زبیر نے، خامساً حجاج بن یوسف نے، فرشتوں کی تعمیر مسقف نہیں تھی صرف دیواریں تھی، پھر ابراہیم نے مسقف تعمیر کیا، دروازہ زمین سے ملصق تھا اور دروازے دو بنائے تھے ایک دخول کے لئے اور بالکل سامنے ایک خروج کے لئے۔ قریش نے اپنے دور میں سوچا کہ ہم جس کا داخل ہونا پسند کریں وہ کعبہ میں داخل ہو اور جس کو ناپسند کریں وہ

داخل نہ ہو تو اس پر عمل کرنے کے لئے انہوں نے دو کام کئے۔ (۱) دو کے بجائے ایک دروازہ رکھا۔ (۲) دروازے کو زمین سے خوب اوپر کیا۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ یا عائشہ لولا ان قومك حديث عهدهم بكفر لنقضت الكعبة وجعلت له بابين کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ کو طرزِ ابراہیمی پر تعمیر کروں لیکن میں اگر ایسا کروں تو لوگ چونکہ حدیث العهد بالکفر ہیں تو سمجھیں گے کہ اب تک تو کعبہ کی تعمیر کا فخر سب قریش کو تھا لیکن اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فخر اکیلے اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے اس غلط فہمی کی وجہ سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں ورنہ کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ظن کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے ایک امتیازی شان کے خواہاں ہیں اور یہ ظن سوء ایمان کے لئے مضر ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کے امکان کی وجہ سے اپنا پسندیدہ عمل (تعمیر کعبہ بطرزِ سابق) چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی لیکن انہوں نے جب اسود سے پوچھا کہ كانت عائشه تسرّ اليك فما حدثتك فی الكعبه تو اسود نے کہا کہ مجھے تعمیر کعبہ کے بارے میں حدیث سنائی تھی لیکن کچھ الفاظ بھول گیا ہوں۔ غرض اسود نے حدیث سنادی تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا دور جب آیا تو انہوں نے سوچا کہ اب تو لوگوں کا ایمان راسخ ہو چکا ہے لہٰذا اب غلط فہمی اور فتنہ کا خدشہ نہ ہوگا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق کعبہ تعمیر کیا لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اندازہ غلط نکلا کیونکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حجاج نے اس تعمیر کو توڑا کہ اس میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد ایسی شہرت اور ناموری تھی لہٰذا حجاج نے دوبارہ کعبہ قریش کے طرز پر تعمیر کیا۔ بعد میں ہارون الرشید نے اس حدیث کے تحت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تعمیر کعبہ کا فتویٰ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق بنادوں؟ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کعبہ کو حکمرانوں کے لئے کھلونا بنانا نہیں چاہتا کیونکہ ہر حکمران پہلے والی کی تعمیر کو توڑ کر جدید تعمیر کریں گے اور اس انہدام اور تعمیر سے کعبہ کی عظمت اور ہیبت لوگوں کے دل سے نکل جائے گی۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کی اجازت

نہیں دی چنانچہ موجودہ تعمیر قریش کی طرز پر ہے۔

باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية ان لا يفهموا وقال علی رضی الله عنه۔ حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله و رسوله

حدثنا اسحق بن ابراهيم ...... قال حدثنا انس بن مالك رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم و معاذ رديفه على الرحل...... قال، من احد يشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله على النار۔ قال يارسول الله صلى الله عليه وسلم افلا اخبر به الناس فيستبشرون قال اذا يتكلوا واخبربها معاذ عند موته تأثماً

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گزشتہ باب اور اس باب کا مضمون اور مقصد ایک ہے البتہ تکرار کے اشکال سے بچنے کے لئے اتنا فرق کریں گے کہ

(۱) گزشتہ باب افعال سے متعلق تھا اور یہ باب اقوال سے متعلق ہے کہ ایسی بات نہ کرنی چاہئے کہ لوگوں کے ذہن میں نہ آئے کیونکہ جب بات عقل میں نہیں آتی تو تبادر الی الانکار ہوتا ہے اب اگر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہو گی تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہو گا اور یہ کفر ہے اور سبب کفر یہ بات کرنے والا ہو گا۔

(۲) یا یہ فرق کریں گے کہ گزشتہ باب عام تھا اقوال اور افعال دونوں کو شامل تھا اور یہ باب خاص ہے اور اقوال کے ساتھ ہے تو تخصیص بعد التعمیم ہے لہٰذا تکرار کا اشکال بھی نہیں ہو گا۔

حدثوا الناس...... حضرت علیؓ کا اثر نقل ہے کہ غرائب اور غیر معروف باتیں لوگوں کے سامنے بیان مت کرو۔ ورنہ نتیجۃً انکار اور کفر ہو گا اور سبب کفر تم ہو گے یہی روش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور مابعد کے علماء اور ائمہ نے اختیار کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق لوگوں کو

خوشخبری سنانے نکلے کہ من قال لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے منع فرمایا کہ بعض لوگ قاصر ذہن والے اعمال کو چھوڑ کر اسی کلمہ پر اکتفا کرلیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی حکم دیا چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موافقات عمر میں ذکر کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عوام کے سامنے ایسی باتیں بیان نہ کرو جن سے حکومت کے خلاف بغاوت کی اجازت کا خدشہ ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صفات باری تعالیٰ کی احادیث بیان کرنے سے منع فرماتے تھے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی طرح ہاتھ، پاؤں ثابت کریں گے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ غریب الحدیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔

قال علی رضی اللّٰہ عنہ حدثوا الناس ...... حدثنا بہ عبیداللّٰہ بن موسی

اشکال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر پہلے نقل کیا اور سند بعد میں ذکر کی۔ وجہ کیا ہے؟

جواب:

(۱) یہ طریقہ حدیث اور اثر میں فرق ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے لیکن یہ طریقہ صرف اسی مقام پر اختیار کیا ہے۔ (۲) اصل مقصود متن تھا تو مقدم ذکر کیا لیکن سند کے بغیر متن مضبوط نہیں ہوتا لہٰذا اس کو بھی ذکر کیا۔ (۳) ممکن ہے سند بعد میں ملی ہو۔ (۴) سند کی ضعف کو اشارہ کیا ہے کیونکہ سند میں معروف ابن خربوذ پر کلام ہے۔

من قال لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ..........

اشکال:

ایک طرف یہ حدیث ہے اور دوسری طرف اہل سنت کا اجماع ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عصاۃ المؤمنین کو عذاب ہوگا تو تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب:

(۱) مطلب یہ ہے کہ شہادتین کا اقرار کیا اور اس کا تقاضہ بھی پورا کیا یعنی گناہ نہ کئے۔

(۲) اس صورت پر محمول ہے کہ قریب الموت اسلام لایا اور گناہ کا موقع نہ ملا تو سابقہ گناہ الاسلام یھدم ما کان قبلہ سے ختم ہو جائیں گے۔ (۳) تحریم النار سے مراد تحریم الخلود ہے تحریم الدخول نہیں ہے۔ (۴) یہ قول خرج مخرج الغالب کے قبیل سے ہے کہ شہادتین کے اقرار سے مسلمان ہوا اور مسلمان سے غالب توقع ہے کہ گناہ نہیں کرے گا۔ (۵) لفظ عام ہے لیکن مراد بعض اعضاء ہیں جیسے احادیث سے بھی ثابت ہے کہ دمواضع السجود کو آگ پر حرام کیا گیا ہے۔

صدقاً من قلبہ.........

(۱) احتراز من النفاق۔

(۲) طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہادتین کے تقاضا پر عمل کیا۔

فاخبربها عندموته تاثماً...... تا کہ کتمان علم کی وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں۔

ذکر لی ان النبی قال...... اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) میمون بن عمرو۔ (۲) عبدالرحمٰن بن سمرہ۔

باب الحیاء فی العلم

وقال مجاهد لایتعلم العلم مستحیی ولا مستکبر وقالت عائشه رضی الله عنها نعم النساء نساء الانصارلم یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الحدیث

حدیث اول: حدثنا محمد بن سلام...... عن ام سلمه قالت جاء ت ام سلیم رضی الله عنها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یارسول الله ان الله لایستحیی من الحق فهل علی المرأة فی غسل ان احتملت الی آخره۔

حدیث ثانی: حدثنا اسماعیل ...... عن عبدالله بن عمر رضی الله عنه قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان من شجرة لایسقط ورقها۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابن منیر کا قول ہے کہ ادب من اداب المتعلم بیان کرنا ہے کہ متعلم کو طلب علم میں حیاء کرنا مناسب نہیں ورنہ علم سے محروم رہ جائے گا۔

(۲) شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی یقینی اور قطعی بات نہیں فرمائی ہے بلکہ متعلم کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیاء محمود صفت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الحیاء خیر کلہ، الحیاء لایأتی الا بخیر۔ اور صفت محمودہ کے اختیار کرنے سے اس کا نتیجہ بھی محمود اور اچھا نکلے گا۔ بعض دفعہ اس صفت کا درست استعمال نہیں ہوتا تو نتیجہ غلط نکلتا ہے اور آدمی سمجھتا ہے کہ یہ غلط نتیجہ اس صفت کی وجہ سے نکلا ہے جیسے حیاء ہے بعض دفعہ آدمی طلب علم میں حیاء کی وجہ سے سوال نہیں کرسکتا۔ حالانکہ یہ حیاء نہیں بلکہ فطری بزدلی ہے تو جب محروم رہ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ حیاء کی وجہ سے ہوا ہے حالانکہ یہ فطری بزدلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور حدیث الباب میں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بوجہ حیاء کے سوال ترک نہیں کیا بلکہ ایسی تمہید باندھی جو حیاء کے منافی نہیں تھی۔

قال مجاهد...... لا يتعلم العلم مستحی و لا مستكبر ...... تکبر تو صفت مذموم ہے اس کا نتیجہ بھی مذموم نکلتا ہے اور اس کا حامل محروم ہوگا۔ لیکن مستحیی کے بارے میں ہم کہیں گے کہ بعض دفعہ فطری بزدلی کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ حیاء کی وجہ سے محروم رہ گیا حالانکہ یہ حیاء نہیں بزدلی تھی۔

قالت عائشة نعم النساء نساء الانصار...... ...... یہ اثر اور حدیث ام سلمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مقصد کے مطابق ہیں کہ حیاء سے خیر ہی آتا ہے جیسے مذکور ہے کہ حیاء بھی باقی رہی اور علم بھی حاصل ہوا۔

فهل على المرأة غسل الخ...... یہ بات متفق علیہ ہے کہ عورت پر غسل تب واجب ہے جب منی فرج خارج کی طرف نکل آئے۔

حدیث ثانی: یہ حدیث گذر چکی ہے یہاں صرف اتنی زیادت ہے فحدثت ابی بما وقع فی نفسی الخ فقال لان تکون قلتها احب الی کذا کذا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حیاء پسند نہیں آئی بظاہر یہ حدیث شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مقصد کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ حیاء سوال کے متعلق نہیں تھا بلکہ جواب کے متعلق تھا اور اس حیاء کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم علم سے محروم نہیں ہوئے بلکہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بات بتادی زیادہ سے زیادہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے

افہم ہونے اور فضیلت کا اظہار نہ ہو سکا۔

باب من استحیی فامر غیره بالسؤال

حدثنا مسدد...... عن علی رضی اللہ عنہ قال کنت رجلا مذآء فامرت المقداد ان یسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ فقال فیہ الوضوء۔

بعض روایات میں ہے کہ چونکہ فاطمہ بنت نبی میرے نکاح میں تھی اور خروج مذی ملا عبت الرجل اھلہ سے ہوتا ہے لہٰذا میرا اس طرح کا سوال مناسب نہیں تھا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اگر کسی کو سوال کرنے سے حیاء مانع ہو تو دو صورتیں ہیں: (۱) حیاء کی وجہ سے کبھی نہ پوچھے یہ محرومی کا سبب ہے۔ (۲) دوسرے کو سوال کرنے کا کہے اس طرح اس کو بھی علم حاصل ہوگا تو دوسری صورت اختیار کرنی چاہئے تاکہ حیاء بھی باقی رہے اور علم بھی حاصل ہو۔

مسئلہ خروج مذی:

(۱) یہ سب کے ہاں اسباب حدث سے ہے۔ (۲) موجب غسل نہیں۔ (۳) سبب حدث اصغر ہے۔

اضطراب: حدیث الباب کی روایات میں اضطراب ہے بعض میں نسبت سوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے بعض میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور بعض میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت مجاز ہے بحیثیت امر جیسے بنی الامیر المدینہ۔ (۲) یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت حقیقی بھی ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ جب مقداد نے سوال کیا تو اب حیاء مانع نہ رہی کیونکہ بات چل پڑی لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی سوال کرلیا اور جہاں تک مقداد رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی طرف الگ الگ نسبت کا اضطراب ہے تو ممکن ہے دونوں نے الگ الگ مجلس میں سوال کیا ہو۔

باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد

حدثنہ قتیبۃ بن سعید ...... عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلا

قام فی المسجد فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من این تأمرونا ان نہل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھل اھل المدینہ من ذی الحلیفہ......

ترجمہ: ایک مرتبہ ایک آدمی نے مسجد میں کھڑے ہوکر عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھے۔ اور اہل شام جحفہ سے اور نجد والے قرن سے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

پڑھنے پڑھانے میں کبھی رفع الصوت ہوجاتا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں رفع الصوت سے منع کیا ہے تو وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ مساجد میں درس تدریس ناجائز ہوگا۔ امام بخاریؒ نے باب قائم کرکے اس اشکال کو ختم کیا۔

(۲) ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مساجد ذکر، صلوٰۃ اور تلاوت کے لئے ہیں تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے مقاصد میں ذکر، تلاوۃ، صلوٰۃ کو شمار کیا لیکن درس تدریس کو شمار نہیں کیا۔ تو وہم ہوسکتا تھا کہ شاید مسجد میں درس جائز نہ ہو تو امام بخاری نے بتایا کہ مسجد میں درس جائز ہے۔

میقات: وہ مقام کہ جہاں سے حاجی اور معتمر کا بغیر احرام کے گذرنا جائز نہ ہو۔

یھل اھل المدینۃ من ذی الحلیفہ ...... یہ میقات صرف اہل مدینہ کے لئے نہیں بلکہ اس سمت میں واقع تمام علاقوں کے لئے ہے۔ اسی طرح یلملم صرف یمن کے لئے نہیں بلکہ اس سمت میں تمام لوگوں کے لئے ہے اور ہمارے لئے یہی یلملم میقات ہے۔

باب من اجاب السائل باکثر مما سألہ

حدثنا ادم ...... عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلاً سألہ مایلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص و لا العمامۃ و لا السراویل و لا البرنس و لا ثوباً مسہ الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیبس الخفین

ولیقطعهما حتی یکونا تحت الکعبین.

ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احرام باندھنے والے کو کیا پہننا چاہئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ صافہ باندھے اور نہ پاجامہ اور نہ کوئی سرپوش اوڑھے اور نہ کوئی زعفران اور ورس (ایک قسم کی خوشبودار گھاس) سے رنگا ہوا نچڑا کپڑا پہنے اور اگر جوتے نہ ہیں تو موزے پہن لے اور انہیں اسی طرح کاٹ دے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظؒ نے ابن منیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ہر مقام پر جواب کا سوال کے مطابق ہونا ضروری نہیں دراصل اس بارے سے اصولیین کے ایک قاعدہ کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جواب تب جواب ہوگا جبکہ سوال کے مطابق ہو یعنی سوال خاص ہو تو جواب بھی خاص ہو۔ اگر سوال اور جواب میں عموم خصوص میں مطابقت نہیں تو وہاں جواب بننے کے صالح نہیں۔

استنباط مسئلہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر سائل مفتی سے کوئی خاص سوال کرے اور مفتی سمجھتا ہے کہ اگر میں خاص جواب دوں تو اس سے غلط فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو اس کیلئے جائز ہے کہ تفصیلی جواب دے اور ناجائز فائدے کا راستہ بند کر دے۔

(۲) علامہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ہے کہ ترک لایعنی دیندار ہونے کی علامت ہے تو وہم ہو سکتا تھا کہ اگر مفتی سوال سے زائد جواب دے تو یہ کیا لایعنی تو نہیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے سے اس اشکال کو ختم کیا کہ یہ صورت لایعنی میں داخل نہیں بلکہ یہ صورت بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ شفقۃ علی السائل سوال سے زائد جواب دے دیتے تھے۔ اس حدیث الباب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلت اضطراری کا حکم بیان کیا۔ فان لم یجد النعلین۔ الخ

حتی یکونا تحت الکعبین...... باب الوضو میں کعب سے مراد ٹخنے ہوتے ہیں

لیکن باب الحج میں اس سے مراد ظَھرِ دِ حُل پر ابھری ہوئی ہڈی ہے۔

فائدہ: ابن رشد کا قول۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاتمہ کتاب اس باب پر کیا ہے اور کچھ پہلے تراث بعض الاختیار کا باب قائم کیا تو اشارہ کیا ہے کہ میں نے کتاب العلم میں طالب علم کی رغبت سے زیادہ احادیث لائی ہیں البتہ جن احادیث سے غلط فہمی یا شبہ پیدا ہو سکتا تھا ان کو ترک کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ولیقطعھما...... حافظؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حسب عادت ایسا لفظ ذکر کیا ہے جس سے خاتمہ کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) جیسے قطع (۲) سوال و جواب کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے تو خاتمہ کتاب کی طرف اس سے بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری خاتمہ انسان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جیسے یہاں سوال و جواب کا ذکر ہے تو انسان کی زندگی ختم ہونے کے بعد منکر نکیر کے سوال جواب کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب الوضو

باب فی الوضو

ماجاء فی قولِ اللّٰہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوۃ الخ

قال ابو عبد اللّٰہ بین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان فرض الوضو مرۃ وتوضأ ایضاً مرتین وثلثاً ولم یزد علی ثلاث وکرہ اھل العلم الاسراف فیہ وان لم یجاوز فعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

انداز ابتداء:

امام بخاریؒ حسب عادت بسم اللہ کو کبھی کتاب سے مقدم لاتے ہیں اور کبھی مؤخر، یہاں پر کتاب سے مؤخر لائے ہیں یہ امام بخاریؒ کا تفنن فی الابتداء ہے۔

ثبوت وضو:

وضو کے ثبوت میں اصل آیت قرآنی یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ ہے امام بخاریؒ نے اس آیت کو لاکر اشارہ کیا کہ وضو کا ثبوت قرآن سے ہے اور یہ اشارہ کیا کہ مابعد کی احادیث اس آیت کی تفسیر اور تشریح ہیں۔

فرضیت وضو:

(۱) بعض حضرات کے ہاں فرضیت وضو مدینہ میں ہوئی کیونکہ اصل الوضو آیت مدنی ہے۔

(۲) لیکن حافظؒ اور دیگر عام شارحین نے اس کو غلط کہا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ غسلِ جنابت اور وضو کی فرضیت مکہ میں ہوئی تھی چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں وضو ثابت ہے۔

(۳) بعض حضرات تطبیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں وضو کرتے تھے استحباباً اور بعد از ہجرت مدینہ میں وضو کرتے تھے وجوباً لیکن صحیح تر قول حافظؒ کا ہے کہ فرضیت وضو فرضیت صلوٰۃ کے ساتھ ہوئی ہے۔

اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم......

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابتداء میں وضو کیلئے قیام الی الصلوٰۃ شرط تھا محدث ہونا شرط نہیں تھا یعنی ہر نماز کیلئے وضو کرنا فرض تھا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کان یتوضأ لکل صلوۃ...... ونحن نصلی الصلوات بوضوء...... بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نماز کیلئے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ یہ وضو وجوباً تھا یا استحباباً، اور فتح مکہ کے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا فعلت امراً لم تکن تفعله قط فقال عمداً فعلته تو معلوم ہوا کہ اگر وجوب تھا تو منسوخ ہوا ہے۔

جمہور کے ہاں اذا قمتم الی الصلوۃ کے بعد وانتم محدثون کی قید ملحوظ ہے اور اس قید کیلئے روایات اور آثار قرینہ ہیں جن میں ثابت ہے کہ وضو کیلئے محدث ہونا شرط ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا قول:

آیت وضو میں تقدیر نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب حکم یہی ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو تو وضو کرے البتہ اتنی بات ہے کہ اگر آدمی محدث ہو تو حکم وجوبی ہوگا اور اگر باوضو ہو تو حکم استحبابی ہوگا اور اس طرح جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا اشکال نہیں ہوگا کیونکہ وجوب اور استحباب امور خارجیہ ہیں۔

فاغسلوا وجوھکم......

غسل الاعضاء مرۃ فرض ہے، مرتین اولیٰ ہے اور ثلاث مرات استحباب کامل ہے اور اس سے زائد کو اسراف کہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ من زاد او نقص فقد اساء وظلم

حدود وجہ:

لمبائی میں پیشانی کے بالوں سے لے کر اسفل الذقن تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔

وایدیکم الی المرافق......

یہ امام زفرؒ کے خلاف مستدل اور حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ غایہ مغیا میں داخل نہیں ہے۔

وامسحوا برء وسکم......

جمہور کے ہاں بالاتفاق مسح الرأس فرض ہے البتہ مقدار میں اختلاف ہے:

امام شافعیؒ کے ہاں ادنی مایطلق علیه اسم المسح اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مقدار ناصیہ اور امام مالکؒ کے ہاں استیعاب رأس فرض ہے۔

فائدہ:

وضو میں ان چار اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آدمی عموماً گناہ کیلئے ان چار اعضاء کو بروئے کار لاتا ہے سب سے پہلے مواجہت ہوتی ہے پھر اس چیز کو حاصل کرنے کیلئے ہاتھ استعمال کرتا ہے پھر اگر حاصل نہ ہوتو دوسرے طریقے سوچتا ہے یعنی سر کو استعمال کرتا ہے پھر چل کر اسے حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور چونکہ وضو کا مقصد طہارتِ باطنی ہے اور اس طہارت کیلئے یہ چار راستے ہیں تو جب ظاہری طہارت حاصل ہو جائے تو باطنی طہارت بھی انشاءاللہ حاصل ہو جائے گی۔

وكره اهل العلم الاسراف فيه......

امام بخاریؒ کے ہاں چونکہ اسراف والی روایت ثابت نہیں ہے لہٰذا انہوں نے اسراف کی کراہت کا قول اہل علم کی طرف منسوب کیا ہے۔

اسراف کی صورتیں:

اسراف کی دوصورتیں ہیں (۱) اسراف فی الماء (۲) محل میں اسراف یہ کہ تین کے بجائے چار مرتبہ دھوئے۔

باب لاتقبل صلٰوۃ بغیر طهور

عن ابی هريرة لاتقبل صلوة من احدث حتّٰى يتوضأ فقال رجل من حضر موت ماالحدث يا اباهريرة! فقال فساء او ضراط. الحديث

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی البتہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں اختلاف ہے بعض حضرات کے ہاں یہ دونوں بغیر وضو کے جائز ہیں کیونکہ یہ ان کے ہاں صلٰوۃ میں داخل نہیں ہیں لیکن جمہور کے ہاں جنازہ اور سجدہ تلاوت بھی بغیر وضو کے جائز

نہیں ہیں۔

فقال فساء او ضراط......

(۱) یہاں پر صرف ان دونوں کو ذکر کیا ہے لیکن یہ تخصیص محل کے اعتبار سے ہے کیونکہ مسجد میں صرف فساء اور ضراط ہی متصور ہیں کوئی مسجد میں پیشاب وغیرہ نہیں کرتا۔

(۲) ان دونوں کو بطور اکثر و اغلب کے ذکر کیا ہے کہ اکثر طور پر ان دونوں سے حدث لاحق ہوتا ہے۔

باب فضل الوضو والغر المحجلون من آثار الوضوء

ترجمۃ الباب کے الفاظ:

یہ دو طرح سے منقول ہیں:

(۱) الغر المحجلین اس صورت میں یہ عطف ہے فضل الوضو پر، عبارت ہوگی

باب فضل الوضو وفضل الغر المحجلین من آثار الوضو

(۲) الغر المحجلون بالرفع جیسے ہمارے نسخے میں ہے حافظؒ نے لکھا ہے کہ یہ اعراب حکائی ہے حدیث میں آیا ہے کہ "انتم الغر المحجلون" تو ترجمۃ الباب میں ان الفاظ کو ایسے ہی نقل کیا ہے۔ الغر المحجلون مبتدا ہے اور من آثار الوضو اس کی خبر ہے۔

الغر المحجلون کا مطلب:

غُرّ گھوڑے کی پیشانی پر سفید داغ کو کہتے ہیں اور تحجیل قوائم الفرس پر سفید داغ کو کہتے ہیں اس مقام پر جمال اور نور مراد ہے۔ یعنی انتم المحجلون کہ تمہاری پیشانیاں اور اعضاء الوضو چمکتے ہونگے۔

تحجیل کا مطلب:

کہ اعضاء کو دھوئے تو حد مقرر پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس سے زیادہ دھوئے یہی عمل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زیادتی کتنی ہو؟

(۱) ہاتھ نصف العضد اور پاؤں نصف الساق تک۔

(۲) ہاتھ الی المناکب والاباط اور پاؤں گھٹنوں تک۔

تحجیل کا حکم:

جمہور کے ہاں تحجیل اور اطالۃ الغرہ یہی ہے کہ اعضاء کو اپنی مقدار سے زیادہ دھوئے جبکہ امام مالکؒ کے ہاں یہ ہے کہ عضو کو خوب دلک کے ساتھ دھوئے۔

باب لایتوضأ من الشک حتّٰی یتیقن

لاینفتل حتّٰی یسمع صوتاً او یجد ریحاً

(۱) سماع الصوت اور ریح کا آنا یہ کنایہ ہے خوب یقین ہو جائے کہ وضوٹوٹ گیا ہے ظاہری معنی پر حمل نہیں ورنہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی بہرہ ہو اور آواز نہ سنے یا قوۃ الشامۃ کا مریض ہو تو کیا اس پر وضو نہیں ہوگا؟ لہٰذا یقین کو سماع الصوت اور وجود الریح سے تعبیر کیا۔

(۲) فقہاء نے یہ قاعدہ کہ "**الیقین لایزول بالشک**" اس حدیث سے مستنبط کیا ہے۔

اختلاف اور جمہور کا مذہب:

حدیث الباب کا حکم خارج الصلوٰۃ اور داخل الصلوٰۃ دونوں کیلئے ہے کہ یقین حاصل ہونے سے پہلے نیا وضو نہ کرے۔

امام مالکؒ سے اس سلسلے میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) جمہور کی طرح کا قول (۲) خارج الصلوٰۃ اور داخل الصلوٰۃ میں فرق ہے داخل الصلوٰۃ کا حکم تو حدیث الباب کا ہے لیکن خارج الصلوٰۃ احتیاطاً وضو کرلے شک کی وجہ سے۔

(۳) مطلقاً دونوں کو شک کی وجہ سے وضو کرنا چاہئے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد امام مالکؒ پر رد اور جمہور کی تائید ہے۔

باب التخفیف فی الوضو وباب الاسباغ فی الوضو

وقد قال ابن عمر رضی اللہ عنہما اسباغ الوضو الانقاء

ترجمۃ البابین کا مقصد:

(۱) حافظؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں ابواب کا مقصد طرفین الوضو کا بیان ہے یعنی وضو کے طرف اعلیٰ اور طرف ادنیٰ کا بیان ہے کہ طرف ادنیٰ غسل الاعضاء مرۃ مرۃ ہے اور طرف اعلیٰ غسل الاعضاء ثلٰثًا ثلٰثًا ہے۔

(۲) بعض کے ہاں مالکیہؒ پر رد ہے کہ ان کے ہاں دلک فی الوضو شرط ہے۔

اسباغ الوضو:

ادنیٰ مرتبہ غسل الاعضاء مرۃ مرۃ ہے اور اعلیٰ مرتبہ غسل الاعضاء ثلٰثًا ثلٰثًا ہے۔ ثلاث مرات میں اضافہ مقصود نہیں ہے یہ جمہور کا مذہب ہے صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ پیروں کو سات دفعہ دھوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگ عموماً ننگے پیر چلتے تھے تو نجاست کا شبہ ختم کرنے کیلئے سات دفعہ دھوتے تھے۔ محل میں اضافہ بغرض اطالۃ الغرہ اور تحجیل کیلئے جائز ہے ورنہ بصورت دیگر اسراف ہے۔

یخففه و یقلله......

تخفیف مقابل ہے تثقیل کا اور تقلیل مقابل ہے تکثیر کا مطلب یہ ہے کہ وضو بھی خفیف کیا اور پانی بھی کم استعمال کیا۔

فقال الصلٰوة......

یہ منصوب ہے بتقدیر "اتصلی الصلٰوة یاتريد الصلٰوة"

باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة

حدثنا محمد بن عبدالرحيم............ عن ابن عباس رضى الله عنهما انه توضأ فغسل وجهه...... ثم اخذ غرفة فغسل بها وجهه...... هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم. الحديث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ چہرے میں دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا چاہئے یہ مضمضہ اور استنشاق کے قبیل سے نہیں ہے۔

(۲) اس ترجمۃ الباب کا مقصد ایک حدیث "كان يغسل وجهه بيمينه" کے

ضعف کی طرف اشارہ ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہاتھوں کا استعمال ثابت ہے۔

من غرفة واحدة......

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چلو سے ہر عضو کو ایک ایک دفعہ دھویا ہے دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح وضو منقول ہے۔ (۱) غسل الاعضاء مرة مرة (۲) بعض الاعضاء مرة وبعض الاخریٰ ثلٰثا (۳) بعض اعضاء مرة اور بعض اعضاء ثلٰثا، ان میں ایک طریقہ مرة مرة کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کو یہاں نقل کیا ہے۔

ثم مسح بها رأسه......

اس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ مسح کیلئے ماء جدید نہیں لیا تھا بلکہ بقیہ بلل سے مسح کیا تھا اور یہ مفہوم احناف کے موافق ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہی حدیث ابوداؤد میں بھی ہے اس میں ماء جدید کا ذکر ہے۔ یہ بھی احناف کے خلاف نہیں کیونکہ احناف کہتے ہیں کہ اگر ہاتھ میں بلل ہو تو اس سے مسح جائز ہے اور اگر بلل نہ ہو تو ماء جدید لینا ضروری ہے۔

باب التسمية على كل حال وعند الوقاع

حدثنا علی بن عبد اللّٰه...... عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه يبلغ به النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال لو ان احدکم اذا اتٰی اهله قال بسم اللّٰه اللّٰهم جنبنا الشیطان......................

ترجمۃ الباب کا مقصد:

دراصل امام بخاریؒ کا مقصد تسمیہ عندالوضو کا ثبوت ہے لیکن تسمیہ عندالوضو کی روایات نہ صرف امام بخاریؒ کی شرط پر پوری نہیں اُترتیں بلکہ ان میں سے اکثر میں ضعف ہے چنانچہ امام احمدؒ فرماتے ہیں ''لا اعلم فی هذا الباب حديثاً له اسناد جيد'' لیکن تعدد طرق کی بناء پر کم از کم استحباب ثابت ہوتا ہے تو امام بخاریؒ نے اس کو ثابت کرنے کیلئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ عند کل حال اور عند الوقاع۔ کے الفاظ سے ترجمۃ الباب قائم کیا۔

عندالوقاع کا اضافہ کیوں کیا؟

(۱) اس لئے کہ حدیث الباب وقاع سے متعلق ہے۔

(۲) یا اس لئے کہ انسان کیلئے اشنع الحالات دو ہیں جماع اور قضاء حاجت، جب ان اوقات میں تسمیہ جائز اور ثابت ہے تو وضو میں بطریق اولیٰ ثابت ہوگی۔ یعنی امام بخاریؒ نے تسمیہ عندالوضو کو قیاساً علی التسمیہ عندالوقاع ثابت کیا ہے۔

تسمیہ عند وضو:

یہ جمہور کے ہاں مستحب ہے۔

فقضى بينهما ولد لم يضره......

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کو اس بچہ پر تسلط حاصل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو ان عبادی لیس لك علیهم من سلطان میں شامل کرلیں گے۔

(۲) شیطان اس کو جسمانی ضرر نہیں پہنچا سکے گا یعنی "یتخبطه الشیطان من المس" الآیة میں سے نہیں ہوگا۔

شیطان اس بچہ کو دینی نقصان نہیں پہنچا سکے گا کیونکہ علی العموم شیطان دینی نقصان ہی پہنچاتا ہے۔

اذا اتى اهله......

ای اذا اراد الاتيان لان التسمية بعد الاتيان لاتجوز۔

باب مايقول اذا دخل الخلاء

حدثنا ادم.......... كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء..........

امام بخاریؒ نے جب تسمیہ فی الوضو کو ثابت کیا تو ان کا ذہن ابواب الخلاء اور آداب الخلاء کی طرف منتقل ہوا۔

دعا کب پڑھے؟

اگر بنا ہوا بیت الخلاء ہو تو داخل ہونے سے پہلے پڑھے اور اگر داخل ہوتے وقت

بھول جائے تو پیر باہر نکال کر دعا پڑھ کر دوبارہ داخل ہو اور اگر بھول کر قضاء حاجت کیلئے بیٹھ گیا ہے تو دل میں پڑھ لے، امام مالکؒ کے ہاں اس صورت میں لساناً پڑھنا بھی جائز ہے اور اگر صحراء میں چلا جائے تو کپڑا اٹھانے سے پہلے دعا پڑھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شیطان کے اثر سے محفوظ تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیماً للامۃ یہ دعا پڑھی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر شیطان سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ شیطان بنی آدم کے مقاعد کے ساتھ کھیلتا ہے۔ یعنی لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اور بعض دفعہ جسمانی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے جیسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دوران پیشاب انتقال فرما گئے تھے اور ساتھ ہی یہ آواز آئی تھی

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ

رمیناہ بسہم فلم نخطی فوادہ

کیونکہ بیت الخلاء اور اندھیری جگہوں پر شیاطین کا اجتماع ہوتا ہے جیسے کہ نظیف مقامات پر فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

تعلیقات کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ اذا اتی سے مراد اذا اراد ہے۔ ادب المفرد میں اذا اراد کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

باب وضع الماء عند الخلاء

حدثنا عبد اللّٰہ بن محمد ....عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل الخلاء ووضعت لہ الوضوء. الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

معاملات وضو میں غیر سے استمداد جائز ہے۔

(۲) یا یہ مقصد ہے کہ آدمی قضائے حاجت کے بعد پہلے استنجاء بالاحجار کرے پھر استنجاء بالماء کرے۔

حدیث کی تفصیل:

یہ حدیث کتاب العلم میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ حضرت عباس نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات جاننے کیلئے بھیجا تھا چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا چاہی۔

علامہ ابن منیرؒ کا قول ہے کہ خدمت کی تین صورتیں بنتی تھیں (۱) پانی اندر لے جائیں، لیکن یہ ادب کے خلاف تھا۔ (۲) جہاں پانی ہو وہیں رکھ دیں تو یہ ترک خدمت تھی۔ (۳) بیت الخلاء کے ساتھ رکھ دیں یہ خدمت تھی اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یہ دعا کی **اللّٰھم فقھه فی الدین**۔

باب لاتستقبل القبلة بغائط او بول
الا عند البناء او جدار او نحوه

عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنه .... اذا اتی احدکم الغائط............

مسئلۃ الباب:

اس باب میں استقبال القبلہ اور استدبار القبلہ عند قضاء الحاجۃ کا بیان ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے ہاں مطلقاً استقبال و استدبار منع ہے فی البناء کان او فی الصحراء

(۲) فی البناء استدبار جائز ہے یہ قول ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ سے منقول ہے۔ بوجہ حدیث ابن عمرؓ۔

(۳) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام اسحٰقؒ کے ہاں بنیان میں استقبال اور استدبار دونوں جائز اور صحراء میں دونوں نا جائز ہیں۔

(۴) اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں مطلقاً جائز ہیں بنیان میں ہو یا صحراء میں۔ یہ چار مشہور اقوال ہیں۔ ویسے مجموعی طور پر کل آٹھ اقوال ہیں۔

حدیث الباب احناف کی دلیل ہے اور چونکہ شوافع کے خلاف ہے لہٰذا امام بخاریؒ اس روایت کو ترجمۃ الباب کے الفاظ الا عند البناء کے ساتھ مقید کر کے اپنے مسلک کیلئے تائید پیش کرنا چاہتے ہیں، اور اس قید کیلئے قرینہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی چھت پر چڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قضاء حاجت کیلئے مستدبر القبلہ اور مستقبل الشام بیٹھے تھے۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت جو بلا قید ہے اصح مافی الباب ہے اور احناف کی دلیل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں تاویل ہوگی۔

(۱) جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو احتیاطاً حرمت کو ترجیح ہوتی ہے اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ممانعت ہے۔

(۲) ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت قولی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت فعلی ہے اور قولی حدیث کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۳) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں جزئی واقعہ کا بیان ہے اور ابو ایوبؓ کی روایت میں قاعدہ کلیہ ہے۔

(۴) ابن عمرؓ کی حدیث خصوصیت پر محمول ہو سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا مرتبہ کعبہ کے مرتبے سے افضل ہے۔

باب من تبرز علی لبنتین

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابوایوب انصاریؓ کی مطلق حدیث کو مقید کرنا مقصد ہے کہ بنیان میں استقبال اور استدبار جائز ہے اور ابوایوبؓ کی روایت مقید ہے اس حدیث الباب کی وجہ سے۔

(۲) مقصد یہ ہے کہ جب پردے کا لحاظ ہو تو اونچی جگہ بیٹھ کر پیشاب کرنا جائز ہے۔

(۳) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کا حکم ایک ہے جیسے کہ حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے۔ تو اس باب میں ان پر رد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کا استقبال کیا ہے۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... مستقبل بیت المقدس ....

یہ حدیث شوافع کی مستدل ہے لیکن احناف اس میں تاویلات کرتے ہیں اور اس کے جوابات گزر چکے انفاً

لعلك من الذين يصلون على اوراكهم......

یعنی تم بھی عورتوں کی طرح نماز پڑھتے ہو اور مسائل سے ناواقف ہو۔

باب خروج النساء الى البراز

حدثنا يحيى بن بكير........ عن عائشة رضى الله عنها ان ازواج النبى صلى الله عليه وسلم كن يخرجن بالليل اذا تبرزن الى المناصع......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ ثبوت مقصود ہے کہ قضاء حاجت کیلئے عورتوں کا باہر جانا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ نہ ہو اور پردے کے مقتضیات کو پورا کیا جائے (ویسے بیت الخلاء کا گھر میں بنانا جائز ہے)

الا قد عرفناك يا سوده......

سودہؓ نے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکلنے کی اجازت دی ہے۔

تعارض بین الروایات:

اس مسئلہ میں روایات میں تعارض ہے، بعض میں ہے کہ اسی موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی تھی اور بعض میں ہے جیسے کہ بخاریؒ کتاب التفسیر میں ہے کہ حجاب کا حکم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر نازل ہوا ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گھر میں داخل ہونے لگے "فارخى الحجاب فقال انزل الله الحجاب" اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ احجب نسائک اور بعض میں ہے کہ حجاب اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے جب واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کوشکایت کی کہ حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ کرفرمایا الا قد عرفناك یاسودہ تو اس موقع پر وحی نازل ہوئی کہ قد اذن لکن ان تخرجن فی حاجتکن اور بعض میں ہے کہ اس موقع پر حجاب کا حکم نازل ہوا اور اسی لئے حکم حجاب کو موافقاتِ عمرؓ میں شمار کیا گیا ہے۔

تطبیق:

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تطبیق یوں دی ہے کہ حجاب کے دو معنی ہیں (۱) ستر الوجوہ (۲) ستر شخصیت۔ ابتداء میں ستر الوجوہ بھی نہیں تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یدخل علیک البار والفاجر۔ لہٰذا ازواج کو پردہ کرنا چاہئے اور موقع اس پر حکم حجاب نازل ہوا اور یہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ ہے اور یہی موافقاتِ عمرؓ میں سے ہے تو اس کے بعد ازواج مطہرات رات کو حاجت کیلئے باپردہ نکلتی تھیں تو حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے بلکہ ستر شخصیت بھی ہونی چاہئے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قد اذن لکن ان تخرجن فی حاجتکن بعض نے کہا ہے کہ آیت حجاب دو مرتبہ اُتری ایک زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت اور ایک اسی واقعہ میں۔

علامہ سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں جہاں دو دو مرتبہ نازل ہونے والی آیات کو ایک فصل میں جمع کیا ہے وہاں اس آیت حجاب کو بھی لکھا ہے۔

الی المناصع..........

بقیع کی طرف ایک میدان تھا جس کا نام مناصع تھا۔

باب التبرز فی البیوت

حدثنا ابراهیم بن منذر.......... عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال ارتقیت علی ظهر بیت حفصة...... فرأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقضی حاجته مستدبر القبلة ومستقبل الشام.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گھر میں بیت الخلاء بنانا جائز ہے جیسے واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے امرنا امر العرب کہ ہم گھروں میں بیت الخلاء کو

ناپسند کرتے تھے لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیدی۔

مستدبر القبلة و مستقبل الشام......

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ استقبال شام سے استدبار قبلہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ بات خط مستقیم کے ذریعے ثابت ہوتی ہے لیکن محدثین چونکہ ہم جغرافیہ سے واقف نہیں اس لئے یہ بات کرتے ہیں کہ استقبال شام سے استدبار قبلہ لازم آتا ہے۔

باب الاستنجاء بالماء

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج لحاجته اجیئی انا وغلام معنا الخ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

استنجاء بالماء کے جواز کا ثبوت ہے اور اس مسئلہ کے جواز کے ثبوت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جیسے حذیفہ بن الیمانؓ کا قول ہے کہ **استجمرت بالماء اذاً لایزال فی یدی نتن** (۲) **ابن عمرؓ کان لایفعله** (۳) **ابن زبیرؓ یمنع عنه** (۴) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ **استنجاء لیس بثابت** (۵) ابن حبیب مالکیؒ فرماتے ہیں کہ **الماء من المطعومات فلا یجوز به الاستنجاء** تو ان اقوال کو رد کرنے کیلئے اور استنجاء بالماء کو ثابت کرنے کیلئے یہ باب باندھا ہے۔

وغلام معنا......

غلام سے مراد کیا ہے؟

(۱) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے۔

(۳) جابر بن عبداللہ یہ قول صحیح تر ہے کیونکہ غلام کا اطلاق تو نوعمر پر ہوتا ہے اور جابر نوعمر تھے اور بعض روایات میں میں غلام منا ای من الانصار آیا ہے اور جابر انصاری تھے اور ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ انصاری نہیں تھے۔

باب من حمل معه الماء لطهوره

قال ابو قتادہ: الیس فیکم صاحب النعلین والطھور والوسادہ۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

معاملات وضو میں سے دوسرے سے مدد لینا جائز ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ابن مسعود، حضرت انس، حضرت ابن عمر، جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔

صاحب النعلین والطھور والوسادہ......

صاحب النعلین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نعلین اتارتے تو ابن مسعودؓ بغل میں لے لیتے۔

والوسادہ......

حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو روایات سے تو ثابت نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں قلب ہوا ہو ای صاحب السواد بمعنی السرّ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وساد اور سواد ہم معنی ہوں قلب کے باب سے ہوں۔

باب حمل العنزۃ مع الماء فی الاستنجاء

عنزہ وہ لاٹھی جس کے کنارے پر دھاری دار لوہا لگا ہوا ہو، یہ باب سابق باب کا ہم مضمون ہے۔ الا یہ کہ اس میں حمل العنزہ کا ذکر ہے۔

حمل عنزہ کی حکمت:

(۱) اس کے ذریعے سے ڈھیلے توڑتے تھے یہی اولیٰ ہے۔

(۲) سانپ وغیرہ سے حفاظت کیلئے لے جاتے تھے۔

(۳) حفاظت عن الاعداء کیلئے لے جاتے تھے۔

(۴) اس پر ٹیک لگاتے تھے۔

(۵) اس کو گاڑ کر اس پر پردہ لٹکاتے تھے۔

(۶) استنجاء کے بعد وضو کرتے اور نماز کیلئے اس عصاء کو سترہ بناتے تھے۔

باب النھی عن الاستنجاء بالیمین

مسئلہ باب:

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو جمہور کے ہاں ممانعت کا حکم ہے البتہ امام احمد اور اہل ظواہر کے ہاں یہ حکم تحریم کیلئے ہے کہ اگر دائیں ہاتھ سے استنجاء کیا تو نہیں ہوگا، جبکہ جمہور کے ہاں استنجاء ہو جائے گا البتہ خلاف ادب ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ بعض شوافع کے ہاں بھی تحریم کا حکم ہے لیکن دائیں ہاتھ سے ہو جاتا ہے البتہ جواز کسی کے ہاں بھی نہیں۔

باب لایمس ذکرہ بیمینہ اذا بال

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب کا مقصد گزشتہ حدیث کی تشریح ہے کہ مس عام ہے استنجاء میں ہو یا غیر استنجاء میں تو تشریح یہ ہے کہ ممانعت صرف استنجاء کی حالت میں ہے۔

باب الاستنجاء بالحجارة

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب سے استنجاء بالاحجار کا ثبوت مقصود ہے اور بعض لوگ چونکہ استنجاء بالاحجار کے منکر تھے کیونکہ پتھر سے ازالہ نجاست بالکلیہ نہیں ہوتا تو اس باب سے ان لوگوں پر رد مقصود ہے۔

باب لایستنجی بروث

حدثنا ابو نعیم قال حدثنا زھیر .... عن ابن اسحاق قال لیس ابو عبیدہ ذکرہ ولکن عبد الرحمٰن عن ابیہ انہ سمع عبداللّٰہ. الخ

اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہی حدیث زہیر عن ابی اسحاق عن ابی عبیدہ عن ابیہ کی سند سے منقول ہے جس پر اشکال تھا کہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں ہے تو اس کا جواب دینے کیلئے ابو اسحٰق نے کہا کہ صرف ابو عبیدہ سے منقول نہیں ہے بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود عن ابیہ عن ابن مسعود کی سند سے بھی منقول ہے۔

مسئلہ الباب:

احناف کے ہاں نظافت واجب ہے عدد اور وتر واجب نہیں ہے حدیث الباب احناف کا مستدل ہے۔ حافظؒ نے مسند احمدؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں پر روایت میں تیسرا پتھر لانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن علامہ بدرالدین عینیؒ نے اس استدلال کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ یہ کسی طرح ثابت نہیں کہ حضرت ابن مسعود تیسرا پتھر لائے بھی تھے کیونکہ وہاں آسانی سے پتھر نہیں ملتے تھے ورنہ ابن مسعود روث کیوں لاتے۔

باب الوضو مرة مرة

باب الوضو مرتين مرتين

باب الوضو ثلاثاً ثلاثاً

حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله الاويسى .... انه رأى عثمان بن عفان رضى الله عنه دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلث مرات .... ثمّ مسح برأسه ثمّ غسل رجليه ..... ثمّ صلى ركعتين لايحدث فيهما نفسه غفرله ما تقدم من ذنبه.

ترجمۃ الابواب کا مقصد:

ان تین ابواب کا مقصد مراتب وضو کا بیان ہے کہ وضو کا اعلیٰ مرتبہ ثلاثا ثلاثا ہے پھر مرتین مرتین اور پھر مرۃ مرۃ، یعنی مرۃ مرۃ فرض ہے، مرتین مرتین اولیٰ ہے اور ثلاثا ثلاثا کامل درجہ ہے۔

ثم مسح برأسه .....

تمام اعضاء کے ساتھ ثلاثا کی قید ہے لیکن مسح الرأس میں ثلثا کی قید نہیں ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مسح کیا تھا اس سے احناف کی تائید ہوتی ہے۔

ثم صلى ركعتين لايحدث فيهما نفسه غفر له ماتقدم من ذنبه .....

اشکال:

دل میں خیالات اور وساس کا آنا تو غیر اختیاری چیز ہے پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

مطلب یہ ہے کہ خیالات کا آنا تو غیر اختیاری ہے اس کا مکلف نہیں ہے لیکن ایسے اسباب اختیار نہ کرے کہ جن سے وساوس پیدا ہوتے ہیں اور امور دنیا پر نماز میں غور وفکر نہ کرے۔

غفرله ماتقدم من ذنبه......

اس سے صغائر مراد ہیں کیونکہ عبادت سے حقوق العباد اور کبائر معاف نہیں ہوتے حقوق العباد کیلئے عباد کی معافی اور کبائر کیلئے توبہ ضروری ہے۔

باب الاستنثار فی الوضوء

استنثار کا معنی ہے کہ ناک میں ڈالا ہوا پانی نکالنا۔

سبب تقدیم:

استنثار کو مضمضہ پر مقدم کیا حالانکہ مضمضہ وضو میں پہلے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ استنثار امام اسحق کے ہاں واجب ہے اور یہی امام بخاریؒ کے ہاں مختار ہے جمہور کے ہاں استنثار فی الوضو سنت ہے البتہ احناف کے ہاں غسل میں فرض ہے۔

باب الاستجمار وتراً

احناف کے ہاں تنقیہ واجب ہے اور وتر اور عدد مستحب ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں وتر واجب ہے۔ **لقوله علیه السلام" من استجمر فلیوتر"** احناف کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے جس میں ہے **"من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لافلا حرج"**

باب غسل الرجلین ولا یمسح علی قدمین

عن ابن عمرؓ تخلف النبی صلی اللہ علیه وسلم عنا......... **وقد ارهقنا** الصلوٰة فجعلنا نمسح علی ارجلنا...... ویل للاعقاب من النار الخ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

رد ہے روافض وغیرہ پر جن کے ہاں پیر کا وظیفہ مسح ہے۔

جمہور کا مسلک:

پیر کے دو حالات ہیں: (۱) خفین پہنے ہوئے (۲) بغیر خفین کے۔ اگر خفین پہنے ہوئے ہوں تو اس کو حکم اہل سنت کے ہاں جواز مسح کا ہے مقیم اور مسافر کیلئے اپنی اپنی مدت کے اندر۔

بغیر خفین کے ہوں تو جمہور کے ہاں پیر کا وظیفہ غسل کا ہے الا الروافض اور روافض اپنے لئے جر کی قرأت سے استدلال کرتے ہیں **وامسحوا برؤسکم وارجلِکم**۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا استدلال اس طرح ہے کہ اگر جر کی قرأت بھی موجود ہے لیکن ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع اور مفسر ہیں تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت متواترہ میں غسل الرجلین ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ غسل ہی پیر کا وظیفہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدم غسل پر ویل للاعقاب من النار کی وعید بیان فرماتے ہیں جو غسل پر دلیل ہے۔

فجعلنا نمسح علی ارجلنا......

اگر مسح سے اپنا معنی مراد لیا جائے تو بھی مسح الرجلین پر رد ہے اورر اگر مسح سے غسل خفیف مراد ہو تو پھر بھی رد ہے کہ پیر کا وظیفہ غسل کامل ہے۔

باب المضمضة فی الوضوء

استنشاق اور استنثار کو مضمضہ سے مقدم کیا حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے استاد اسحٰق بن راہویہؒ وجوب استنثار کے قائل ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اپنے استاد کے تابع ہیں۔

مضمضة: **ھی ادخال الماء فی الفم وتحریکه فیه**. لیکن تعجب ہے کہ شارع ادخال الماء کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن تحریک کا تذکرہ نہیں کرتے۔

مضمضة کا حکم:

وضو میں مضمضہ جمہور کے ہاں سنت ہے البتہ غسل میں احناف کے ہاں فرض ہے **لقولہٖ تعالیٰ: وان کنتم جنباً فاطّھروا** کیونکہ غسل میں مبالغہ فی الطہارۃ کا حکم ہے اور

مبالغہ پر اسی صورت میں عمل ہوسکتا ہے کہ غسل میں اس کو فرض قرار دیا جائے کیونکہ مرا.ت میں اضافہ کسی سے منقول نہیں۔

باب غسل الاعقاب

و کان ابن سیرین یغسل موضع الخاتم اذا توضأ......

حدثنا آدم...... فقال اسبغوا الوضو فإن ابا القاسم قال ویل للاعقاب الخ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس سے مقصد استیعاب الاعضاء کا حکم ہے اور حکم بھی یہی ہے کہ اگر اعضاء مغسولہ میں سے ایک بال کے برابر بھی جگہ خشک رہ جائے تو جمہور کے ہاں وضو نہیں ہوگا۔

و کان ابن سیرینؒ...... اس سے مقصد بھی یہی ہے کہ اعضاء کو خوب دھویا جائے۔

من المطهرة...... وہ برتن یا ٹنکی جس سے وضو کیا جائے۔

اسبغوا...... استیعاب کو کہتے ہیں یعنی پورے اعضاء کو دھونا۔

باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین

ترجمۃ الباب کا مقصد:

غسل الرجلین کا مسئلہ دوسرے عنوان سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر خفین پہنے ہوئے ہوں تو مسح جائز ہے لیکن نعلین میں غسل ہی ہوگا اور خفین کے اندر امام طحاویؒ کے قول کے مطابق اگر چوتھائی پھٹ جائے تو نعلین کے حکم میں ہے۔

حدثنا عبد اللہ بن یوسف...... عن عبید بن جریج انه قال لابن عمر رأیتك تصنع اربعاً لم ار احدا من اصحابك تصنعها......

بیت اللہ کے چار رکن ہیں: (۱) حجر اسود (۲) رکن یمانی (۳) رکن شامی (۴) رکن عراقی۔ رکن یمانی اور حجر اسود کو یمانین کہتے ہیں تو سائل نے اعتراض کیا کہ اے ابن عمر! آپ تو صرف یمانین کو مس کرتے ہیں جبکہ دیگر صحابہ کرام تمام ارکان کا استلام کرتے ہیں تو ابن عمر نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یمانین کا استلام کرتے دیکھا ہے۔

دراصل پہلے یہ اختلاف تھا کہ ارکان اربعہ کا استلام کیا جائے یا رکنین یمانین کا تو ابن

عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو صرف یمانین کے استلام کے قائل تھے کیونکہ درحقیقت یہی دونوں رکن واقعۃً ارکان ہیں اور باقی حقیقۃً رکن نہیں ہیں بلکہ وہ تو حطیم کے اندر ہیں اور بظاہر یہی ارکان لگتے ہیں۔

یہ مسئلہ سلف میں اختلافی تھا، اب جمہور کا اتفاق ہے کہ صرف یمانین کا استلام کیا جائے۔

تلبس نعال السبتیة......

یہ دوسرا اعتراض ہے کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں۔ سبتی وہ جوتا جو رنگا نہ گیا ہو جس سے بال اُترے ہوئے ہوں۔

فقال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلبس نعال السبتیة ویتوضأ فیھا۔

رأیتك تصبغ بالصفرة......

مراد اس سے زرد رنگ کا خضاب ہے۔

اشکال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بال تو سفید نہیں ہوئے تھے تو پھر خضاب کی کیا ضرورت تھی؟

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں کو رنگ دیا تھا اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اذا کنت بمکة اھل الناس ولم تھل حتّٰی کان یوم الترویة......

مفرد کا احرام میقات سے ہوتا ہے اور یہ حج کے اختتام تک احرام میں رہتا ہے اور قارن کا بھی یہی حکم ہے کہ آخر تک احرام رہتا ہے۔ جبکہ متمتع میقات سے احرام باندھے در عمرہ کے بعد حلال ہو جائے اور پھر حج کا احرام ۸ ذی الحجہ کو باندھے۔ تو سائل نے سوال کیا کہ باقی صحابہؓ تو یکم ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں جبکہ آپ ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ "انی لم ار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بهل حتّٰی تنبعث به راحلته اور یہ سفرالٰی منیٰ آٹھ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

اشکال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم توحجۃ الوداع میں قارن تھے (عندالاحناف) تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب کیسے درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھا تھا؟

جواب:

صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ متمتع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد ان کا احرام کھلوایا اور پھر ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھنے کا حکم دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مجازی ہے باعتبار آمر ہونے کے۔

باب التیمن فی الوضو والغسل

حدثنا مسدد.........عن ام عطیة قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لهن فی غسل ابنته بدأن بمیا منها و مواضع الوضو منها......

اشکال:

تیمن فی الوضو تو کتاب الوضو کے مناسب ہے لیکن الغسل کا اضافہ درست نہیں۔

جواب:

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ جب کسی مسئلہ باب باندھتے ہیں اور وہ مسئلہ صراحتاً احادیث سے ثابت نہ ہو تو ترجمۃ الباب میں ایک اور جزء بڑھا دیتے ہیں جو احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور پھر جزءاول کو التزاماً ثابت کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی وضو میں تیمن احادیث سے ثابت نہیں ہے لیکن جب تیمن فی الغسل ثابت تھا تو امام بخاریؒ نے یہاں پر یہ روش اپنائی ہے۔

مسئلہ الباب کا حکم:

باب کا مسئلہ تیمن فی الوضو والغسل کا استحباب متفق علیہ ہے۔

باب التماس والوضو اذا حانت الصلوٰة

وقالت عائشة : حضرت الصلوٰة فالتمس الماء فلم یو جد فنزل التیمم......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) مقصد یہ ہے کہ نماز کیلئے وضو کا پانی تلاش کرنا چاہئے۔

(۲) ابن المنیرؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ وضو کا پانی تلاش کرنا تب واجب ہے جب نماز کا وقت داخل ہو جائے قبل از وقت تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ یہ رد ہے امام شافعیؒ پر کے ان کے ہاں وضو ایک مستقل عبادت ہے اور اس کیلئے پانی تلاش کرنا ایک مستقل واجب عمل ہے اب وضو تو وقت کے اندر واجب ہے لیکن پانی تلاش کرنا وقت کے ساتھ خاص نہیں پہلے بھی واجب ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

یہ سفر کا واقعہ ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا (ہار دو دفعہ گم ہوا، ایک دفعہ واقعہ افک میں اور ایک یہ واقعہ ہے) لوگ ہار کی تلاش میں گئے نماز میں دیر ہوگئی اور پانی نہیں مل رہا تھا، لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے حضرت عائشہؓ کی شکایت کی، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو تیمم کا حکم نازل ہوا۔

عن انس ، حان صلوۃ العصر فالتمس الناس الوَضوء فلم یجدوا فأتی بوَضوء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ وامر الناس ان یتوضاؤا منہ..........

اشکال اس حدیث کی مناسبت کتاب الوضو سے نہیں بلکہ یہ معجزات کے مناسب ہے۔

جواب از شیخ الہندؒ: اس حدیث کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ وقت نماز میں پانی تلاش کرنا چاہئے اور اس کا ایک تو معتاد طریقہ ہے اور ایک غیر معتاد طریقہ تو پانی کی تلاش دونوں طریقوں سے کرنی چاہئے غیر معتادِ طریقہ یہ ہے کہ کسی بزرگ یا نیک آدمی سے دعا کرائیں۔

باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان وسؤر الکلاب

ترجمۃ الباب کا مقصد:

ترجمۃ الباب کے تین اجزاء ہیں (۱) حکم الماء الذی یغسل بہ شعرالانسان (۲) سور الکلاب (۳) مرالکلاب فی المسجد اور چلنے سے ان کتوں کے بال اور لعاب زمین پر گرتے ہیں تو کیا یہ زمین پاک ہوگی یا ناپاک؟

جزء اول: اس جز کا سمجھنا بالوں کا حکم سمجھنے پر موقوف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں انسان بلکہ تمام جانوروں کے بال پاک ہیں متصلا کان اومنفصلا امام بخاریؒ کے نقل کردہ حضرت عطاءؒ کے اثر سے جمہور کی تائید ہوتی ہے اور حدیث الباب بھی جمہور کے موافق ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول جمہور کی طرح کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ متصل ہونے کی صورت میں شعرالانسان پاک ہیں جبکہ منفصل ہونے کی صورت میں ناپاک ہیں، پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوگا جزاول سے گویا امام شافعیؒ پر رد مقصود ہے۔

جب انسان کے بال پاک ہیں تو وہ پانی جس سے شعرالانسان دھوئے جائیں وہ پانی پاک ہوگا۔

جزء ثانی سورالکلاب:

علامہ عینی رحمہ اللہ کے ہاں اس سے امام بخاریؒ کا مقصد جمہور کی تائید اور امام مالکؒ پر رد ہے کہ سورالکلب نجس ہے جبکہ امام مالکؒ کے ہاں سوراکلب پاک ہے۔ حافظؒ اور دیگر کے ہاں مقصد جمہور پر رد اور امام مالکؒ کی تائید ہے چنانچہ زہریؒ کا اثر نقل کیا ہے کہ سؤرالکلب اگرچہ پاک پانی ہے لیکن فی نفسه منه شیٔ لهذا یتوضوء ویتمیم اور سفیان کا قول نقل کیا ہے کہ هذا الفقه بعینه کیونکہ قرآن میں ہے فان لم تجدوا ماء اور سؤرالکلب پانی ہے لیکن دل میں چونکہ شک سا ہوتا ہے لہٰذا یتوضأمنه ویتیمم جمہور کی دلیل اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیهرقه ولیغسله سبع مرات یہاں اهراق مافی الاناء کا حکم ہے جو نجاست مافی الاناء کی دلیل ہے اور غسل سبع مرات کا حکم ہے جو نجاست برتن کی دلیل ہے۔

جزء ثالث: ومرها فی المسجد...... اس جزء کا مقصد اس کا مقصد یہ ہے کہ کتوں

کے بال اور لعاب پاک ہیں کیونکہ کتے جب مسجد میں چلتے ہیں تو ان کے بال نیچے گرتے ہیں اور اسی طرح گرمیوں عموماً کتوں کی زبان نکلی ہوتی ہے اور لعاب نیچے گرتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہر نماز کے لئے مسجد کو دھونے اور جھاڑو لگانے کا حکم نہیں دیا ہے جس سے بالوں اور لعاب کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے جب شعر الکلاب پاک ہیں تو شعر الانسان بطریق اولیٰ پاک ہوں گے۔

جواب: جہاں تک لعاب سے استدلال کا تعلق ہے تو جمہور کے ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے لہٰذا جھوٹا بھی ناپاک ہوگا کیونکہ جھوٹا لعاب کے تابع ہے اور جہاں تک مرالکلاب فی المسجد کی دلیل ہے تو مرالکلاب عموماً رات کو ہوتا تھا اور رات کو گرمی نہیں ہوتی تو لعاب نہیں گرتا تھا اگر بالفرض گر بھی جاتا تو رات بھر میں خشک ہو جاتا تو طھارۃ الارض یبسھا اور رہی یہ بات کہ شعر الکلاب مسجد میں گرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد صاف کرنے کا حکم نہیں فرماتے تھے تو احناف کے ہاں ویسے بھی شعر الکلاب پاک ہیں کیونکہ ان کے اندر خون نہیں ہوتا۔

شعر الانسان کے پاک ہونے کے دعویٰ پر امام بخاریؒ نے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔

حدیث اوّل: حدثنا مالك ابن اسماعیل ...... عن ابن سیرین قال قلت لعبیدة عندنا من شعر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ...... قال لا ان تکون عندی شعرة منه احب الی من الدنیا و ما فیھا.

(۲) حدثنا محمد بن اسماعیل ...... عن نس رضی اللّٰہ عنه وان رسول اللّٰہ صلعم لما حلق کا ن ابو طلحة اوّل من اخذ من شعره

اشکال:

امام بخاریؒ کا دعویٰ عام بالوں کے پاک ہونے کا ہے اور بطور دلیل حضور کے بالوں کو پیش کیا حالانکہ حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تو کیا فضلات بھی بالاتفاق پاک ہیں لہٰذا ان احادیث سے استدلال درست نہیں بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہیں۔

جواب:

حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں (۱) نبوت کی حیثیت (۲) انسان کی حیثیت، تو اس حیثیت سے عام انسانوں کے احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاری ہوں گے تو جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے تبرک لینا جائز ہے تو اس کو خصوصیت پر حمل کرتے ہیں۔ یہاں چونکہ دلیل خصوص نہیں لہٰذا حکم عام ہوگا۔

و کان عطاء لایریٰ به بأساً ان یتخذ منهاالحبال و الخیوط..........

احناف عطاءؒ کے ساتھ ایک جزء (طہارۃ الشعر) میں تو متفق ہیں لیکن رسی بنانے کو جائز نہیں کہتے کیونکہ یہ ولقد کرمنا بنی آدم کے خلاف ہے عطاءؒ کے قول سے امام بخاریؒ کا استدلال اس طرح ہے کہ بالوں سے رسی بنانے کے لئے پہلے بالوں کو پانی بھگویا جاتا ہے لیکن پانی اس سے نجس نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب اذاشرب الکلب فی الانآء

حدیث اول: حدثنا عبداللّٰه بن یوسف.......... عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه اذاشرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعاً

حدیث ثانی: حدثنااسحاق...... عن ابی هریرة ان رجلاً رأی کلبا یاکل الثری من العطش فاخذ الرجل خفه فجعل یغرف له فادخله الجنة۔ الحدیث

ترجمۃ الباب کا مقصد:

علامہ عینیؒ کے ہاں جمہور کی تائید اور امام مالکؒ پر رد ہے جبکہ حافظؒ وغیرہ کے ہاں امام مالکؒ کی تائید اور جمہور پر رد ہے۔

امام طحاویؒ کا قول ہے کہ سؤر الشیئی لعاب کے تابع ہے اور لعاب کا حکم گوشت کے حکم پر موقوف ہے لانہ متولد منہ تو امام بخاریؒ اور امام مالکؒ کے ہاں کتے کا لعاب اور گوشت پاک ہے لہٰذا سؤر الکلب بھی پاک ہوگا امام مالکؒ کے ہاں لحم الکلب کا کھانا بلا کراہت جائز ہے بعض مالکیہ سے کراہت تنزیہی کا قول منقول ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حدیث اذاولغ الکلب فاغسله سبعاً سے یہ مطلب نہیں کہ سؤر الکلب نجس ہے بلکہ یہ

ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور غسل الاناء سبعاً علیحدہ مسئلہ ہے۔

اشکال:

جب کتے کا لعاب اور جھوٹا پاک ہے تو پھر غسل الاناء کا حکم کیسے ہے؟

جواب:

(۱) یہ امر تعبدی ہے، ہم ظاہر حکم پر عمل کرنے کے مکلف ہیں اور علت کا علم ہمیں نہیں۔

(۲) یہ حکم کلب کَلِب (باؤلا کتا) پر محمول ہے یہ حکم علاجاً ہے چنانچہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ دلوغ کلب سے برتن میں جراثیم داخل ہوجاتے ہیں جو غسل سبعاً اور پھر تتریب کے بغیر نہیں صاف ہوتے۔ احناف کے ہاں غسل ثلثاً واجب ہے اور سات دفعہ دھونا مستحب ہے۔

کانت الکلاب تقبل و تدبر ......

اس کی تفصیل مر الکلاب فی المسجد میں گزر چکی ہے۔

اذاارسلت کلبك المعلم فقتل فكل .... اس سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ کتا جب شکار کو پکڑتا ہے تو ضرور لعاب اس نے ساتھ خلط ہوتا ہے اور جب اس شکار کا کھانا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب جائز ہے۔

جواب: یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ کھانے کی اجازت ہے یہ کہاں ثابت ہے کہ اسے دھویا ہی نہ جائے اگر ظاہر سے ہی استدلال کرنا ہے تو پھر شکار کے اندر خون اور نجاست کو بھی بغیر صاف کئے کھایا جائے کیونکہ حدیث میں تو خون اور نجاست کا استثناء نہیں ہے۔ لیکن جس طرح مالکیہ خون اور نجاست کو دھونے کا حکم دیتے ہیں اسی طرح لعاب کے دھونے کا بھی حکم دیا جائے گا۔

رأى كلباً ياكل الثرى فاخذ خفه فجعل يغرف له..........

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب اس آدمی نے اپنے موزے سے کتے کو پانی پلایا تو ضرور موزے کے ساتھ کتے کا لعاب خلط ہوا ہوگا اور اس موزے سے اس آدمی نے

نماز پڑھی ہوگی تو ثابت ہوا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

جواب: یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ پانی نکال کر اس موزے سے پلایا تھا اگر موزے سے پلایا بھی تھا تو یہ ثابت نہیں کہ اسے دھویا نہیں تھا اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ ثابت نہیں کہ اس موزے میں نماز پڑھی ہے اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو یہ قصہ امم سابقہ کا ہے اور یہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

باب من لم یر الوضو الامن المخرجین القبل والدبر

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد سے پہلے ایک بات بطور تمہید سمجھنا ضروری ہے ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں اختلاف الائمہ اور وجوہ اختلاف کو ذکر کیا ہے وہاں حدث کے متعلق لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن سے نکلنے والی چیزوں کی تین جہات ہیں (۱) نفس خارج کا اعتبار کیا جائے (۲) ماخرج اور مخرج دونوں کا اعتبار کیا جائے (۳) ماخرج، مخرج اور صفت خروج تینوں کا اعتبار کیا جائے تو ائمہ کرام کے درمیان اختلاف اس لئے ہوا ہے کہ بعض نے صرف ماخرج کا اعتبار کیا ہے کہ اگر خارج ہونے والی چیز نجس ہے تو ناقض الوضو ہے ورنہ نہیں۔ یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ اور سفیان ثوریؒ نے اختیار کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں پیشاب، پاخانہ، ریح، نکسیر، خون مع السیلان، ودی، مذی اور منی یہ سب ناقض الوضو و اسباب حدیث ہیں کیونکہ یہ اشیاء نجس ہیں۔ امام شافعیؒ خارج اور مخرج دونوں کا اعتبار کرتے ہیں کہ خارج والی شیئی نجس ہوا ور احد السبیلین سے نکلے تو ناقض ہے ورنہ نہیں، اس لئے ان کے ہاں نکسیر، دم سائل، قے ناقض نہیں۔ امام مالکؒ نے خارج اور مخرج اور صفت خروج تینوں کا اعتبار کیا ہے کہ شئی نجس کا خروج بھی خاص اور خروج بھی معتاد طریقہ سے ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں دم استحاضہ خروج الدودہ وغیرہ ناقض الوضو نہیں ہے۔ مقصد امام بخاریؒ نے اسی مسئلہ کے لئے باب باندھا ہے کہ اسباب حدث کو بیان کرنا مقصود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں پوری طرح کسی کے بھی موافق نہیں کیونکہ مس المرأۃ اور

مس الذکران کے ہاں ناقض نہیں خلافاً للشافعیؒ لہٰذا اس باب کے دو پہلو ہیں۔
(۱) ایجابی (۲) سلبی ایجابی وہ کہ جو چیزیں احدالسبیلین سے نکلیں وہ ناقض الوضو ہیں اور جو احدالسبیلین کے علاوہ نکلیں وہ ناقض نہیں۔

قال عطاء من یخرج من دبرہ الدود او من ذکرہ نحو القملة یعید الوضوء

یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے البتہ امام مالکؒ کا قول اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ خروج معتاد نہیں ہے۔

قال جابر رضی اللہ عنہ من ضحک فی الصلوة اعاد الصلوة ولم یعد الوضوء

امام بخاریؒ اس سے امام ابوحنیفہؒ پر رد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ احناف کے ہاں قہقہہ سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں لیکن احناف کہتے ہیں کہ
(۱) یہ اثر امام ابوحنیفہؒ کے بالکل موافق ہے کیونکہ ضحک فی الصلوۃ کی تین صورتیں ہیں:
(۱) تبسم، اس سے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ نماز۔
(۲) ضحک، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا اور جابر بن عبداللہؓ کا قول بھی یہی ہے۔
(۳) قہقہہ اس سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں یہ حضرت جابر کی مراد نہیں ہے بلکہ ان کا قول ضحک کے بارے میں ہے۔
(۲) احنافؒ کے ہاں نقض الوضو کا حکم زجراً وتوبیخاً ہے کیونکہ قہقہہ لگانا نماز کی توہین ہے اور یہ بات ابن ماجہ کی حدیث عائشہؓ سے ثابت ہے۔
(۳) قہقہہ کا ناقص الوضو ہونا فقط نماز کی حالت میں ہے خارج الصلوۃ قہقہہ ناقض نہیں بخلاف دیگر نواقض کے کہ وہ ہر حال میں ناقص ہیں۔
(۴) قہقہہ کا ناقض الوضو فقط بحق الصلوٰۃ ہے باقی مس مصحف اور صلوۃ جنازہ اس سے پڑھ سکتے ہیں۔

قال حسن ان اخذ من شعرہ ...... او خلع خفیه فلا وضوء علیه......

البتہ اگر وضو کرتے وقت مسح علی الخفین کیا تھا تو اب پاؤں دھوئے گا۔

قال ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ لا وضوالامن حدث ......

اس سے مقصد امام ابوحنیفہؒ پر رد ہے کہ خروج الدم ناقض الوضو نہیں اور دلیل میں غزوہ ذات الرقاع میں پیش آنے والا انصاری اور مہاجر صحابی کا واقعہ نقل کیا ہے۔

جواب: احناف فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ میں تو یہ بھی ہے کہ انصاری صحابی کے کپڑوں اور بدن پر بھی خون لگا ہوا تھا لیکن وہ نماز پڑھتے رہے حالانکہ ایسی حالت میں تو ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ خون تو ان کے ہاں بھی نجس ہے یہ واقعہ ایک غلبہ حال پر مبنی ہے کیونکہ اس میں ہے فلما رأى المهاجرى مابه الانصارى من الدمآء تو مہاجر نے کہا مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا فقال كنت فى سورة لاأحب ان اقطعها بہرحال یہ صحابی کا فعل ہے اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر بھی ثابت نہیں۔

قال حسن مازال المسلمون يصلون فى جراحاتهم.......... اس اثر کا خون کے ناقض ہونے یا عدم ناقض سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ زخمی ہونے کی حالت میں نماز معاف تو نہیں ہو جاتی ویسے بھی نماز پڑھنی تو ہو گی البتہ خون اگر جاری ہے تو اس کے بند ہونے کا انتظار کرے اور اگر خون بند نہیں ہوتا تو پھر آدمی معذور ہے لہٰذا خون کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے تو اس اثر سے احناف کے خلاف احتجاج کرنا درست نہیں ہے۔

قال طاؤس ومحمد بن على وعطاء واهل الحجاز ليس فى الدم وضوء ......

عطاء طاؤس اور محمد بن علی رحمہم اللہ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تابعین ہیں اور امام صاحب بھی تابعی ہیں اور تابعی کا قول تابعی کے خلاف حجت نہیں بن سکتا۔

وعصر ابن عمر بثره فخرج دم فلم يتوضأ.......... طاؤس اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے خون کا ناقض الوضو ہونا صراحت سے منقول ہے اور اس عمل کا جواب یہ ہے کہ (۱) یہ دم سائل نہ تھا اور دم غیر سائل احناف کے ہاں بھی ناقض نہیں (۲) یہ دم خارج نہیں تھا مُخرَج تھا اور مخرج خون ناقض نہیں ہوتا۔

وبزق ابن اوفی دمًا فمضیٰ فی صلوٰته.......... تھوک میں خون آنے کی تین صورتیں ہیں (۱) خون تھوک پر غالب ہوتو یہ صورت ناقض الوضو ہے۔

ابن عمر والحسن من احتجم لیس علیه الاغسل محاجمه......

جواب: حجامت میں خروج الدم نہیں ہوتا اخراج الدم ہوتا ہے اور اخراج الدم ناقض نہیں ہوتا۔

حدیث اول: حدثنا آدم بن ابی ایاس.......... عن ابی هریرة رضی الله عنه ...... قال ماالحدث یا اباهریرة قال الصوت یعنی الفرطة.

یہ مطلب نہیں کہ فقط صوت سبب حدث ہے بلکہ یہ تخصیص محل کے اعتبار سے ہے کہ مسجد میں فقط صوت ہی متصور ہوسکتی ہے اس سے امام بخاریؒ کا مسلک واضح ہوا کہ اخرج من السبیلین ناقض الوضو ہے۔

حدیث رابع: حدثنا سعیدبن حفص.......... انه سأل عثمان بن عفان قلت ارأیت اذا جامع ولم یمن یتوضأ ......

یہ حکم ابتداء میں تھا اب منسوخ ہے بحدیث عائشه اذالتقاالختانان وجب الغسل۔

باب الرجل یوضی صاحبه

اعانت فی الصلوة کی تین صورتیں ہیں۔(۱) خادم خود پانی لائے جیسے ابن عباسؓ کا واقعہ ہے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے (۲) کوئی پانی لائے اور ڈالے لیکن وضوآدمی خود کررہا ہے یہ ناپسندیدہ ہے لیکن یہ صورت بھی بلاکراہت جائز ہے (۳) پانی بھی کوئی اور لائے اور وضوبھی وہ کرائے یہ صورت عام حالت میں ناجائز ہے اور ضرورةً جائز ہے ترجمة الباب دوسری صورت کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم

باب قرأة القرآن بعدالحدث وغیره

وقال عن ابراهیم لاباس بالقرأة فی الحمام ویکتب الرسالة علی غیر الوضو......

مسئلہ کی تفصیل:

حدث کی دو قسمیں ہیں (۱) حدیث اصغر (۲) حدث اکبر

حدث اصغر میں قرأۃ القرآن بلا مصحف بالاتفاق جائز ہے البتہ مس مصحف میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں حدث اصغر میں مس مصحف ناجائز ہے جبکہ امام مالکؒ، امام بخاریؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن المنذرؒ اور بعض اہل ظواہر کے ہاں مس مصحف جائز ہے۔

عدم جواز کے قائلین کا استدلال لایمسه الا المطهرون سے ہے جبکہ مالکیہ وغیرہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ آیت انشاء نہیں بلکہ خبر عن الملائکۃ ہے کہ آسمان میں ملائکہ مس مصحف بلا طہارت نہیں کرتے وہ مطہرین ہیں۔ روض الانف میں علامہ سہیلیؒ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مطہر وہ کہلاتا ہے جو خلقۃً طاہر ہو اور یہ فرشتے ہیں اور انسان تو بعد میں طہارت حاصل کرتا ہے یہ متطہر کہلاتا ہے مطہر نہیں کہلاتا، لہٰذا یہ آیت ملائکہ کے بارے میں ہے احناف کہتے ہیں کہ اگر آیت ملائکہ کے بارے میں بھی ہو تو یہ معلوم ہوا کہ ملائکہ قرآن کو عالم بالا میں بلا طہارت مس نہیں کرتے تو قیاساً علی ھذا دنیا میں بھی مس مصحف کے لئے طہارت شرط ہوگی۔

حدث اکبر: حدیث اکبر میں احناف اور جمہور کے ہاں مس مصحف اور قرآۃ القرآن دونوں ناجائز ہے البتہ ایسی آیت جو دعا اور ذکر پر مشتمل ہو تو بقصد دعا اور ذکر پڑھنا جائز ہے یا پڑھانے والی عورت حائضہ ہے تو ہجے کر کے پڑھانا جائز ہے البتہ بقصد قرأت پڑھنا جائز نہیں، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ حدث اکبر میں جواز قرآت کے قائل ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس ترجمۃ الباب کا مقصد امام مالکؒ کی تائید اور جمہور پر رد ہے۔

باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ میں وغیرہ کا اعراب:

(۱) وغیرہ مرفوع ہو اور عطف ہو قرآن پر تو اس صورت میں باب کو منون پڑھیں گے۔ تو معنی ہوگا قرآۃ القرآن بعد الحدث وغیر القرآۃ مثلاً کتابت، یا مس مصحف۔

(۲) وغیرہ مجرور ہو تو اس صورت میں تین احتمال ہیں (۱) باب کو مضاف بغیر تنوین

پڑھیں اور غیرہ کا عطف قرأۃ پر ہوگا وہی پہلا معنی ہوگا (۲) عطف قرآن پر ہو تو معنی ہوگا قراۃ القرآن بعد الحدث وغیر القرآن مثلاً ذکر دعا وغیرہ

حدثنا اسماعیل...... ثم قرأ عشر الایات الخواتیم من سورۃ ال عمران...... فصنعت مثل ماصنع الخ

(۳) عطف ہوگا حدث پر تو معنی ہوگا قرآۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ الحدث اور غیر الحدث سے مراد حادث اکبر ہوگا۔

قال ابراھیم لاباس بالقرأۃ فی الحمام......

امام ابوحنیفہؒ اور حسن بصریؒ کے نزدیک قراۃ القرآن حمام میں ناجائز ہے اور یہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

ویکتب الرسالۃ علی غیر وضو......... جمہور کے ہاں کتابت قرآن بلا وضو جائز نہیں، خلافاً لمالکؒ والبخاریؒ اور امام ابویوسفؒ کے ہاں بلاوضو کتابت قرآن جائز ہے بشرطیکہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگیں بعض کے ہاں پر مقام ترجمہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے اٹھنے کے بعد بغیر وضو کئے دس آیات پڑھیں۔

اشکال:

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ نوم الانبیاء تو ناقض نہیں ہوتی لہٰذا یہ مقام مقام ترجمہ نہیں ہے اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب:

بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ارادہ کیا تو وضو کرلیا جس سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدث سے وضو کیا لیکن قرأت بلا وضو فرمائی۔

فصنعت مثل ماصنع...... بعض حضرات کے ہاں ابن عباسؓ کا یہ عمل مستدل اور مقام ترجمہ ہے کہ ابن عباسؓ نے بھی عشر آیات بلا وضو تلاوت فرمائیں

اشکال: ابن عباسؓ تو اس وقت نابالغ اور غیر مکلف تھے تو ان کے عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

جواب: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر شامل ہے تو صرف ابن عباسؓ کے عمل سے استدلال نہیں بلکہ اصل استدلال تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

باب من لم یتوضا الامن الغشی المثقل

غش کی دو صورتیں ہیں (۱) غشی مثقل کہ آدمی کے حواس معطل ہو جائیں (۲) خفیف، کہ حواس تو ٹھیک ہوں لیکن غشی کا کچھ اثر ہو تو بعض لوگوں کے ہاں مطلقاً غشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصد ان لوگوں پر رد ہے جو مطلقاً غشی کو ناقض کہتے ہیں اور امام بخاریؒ غشی مثقل اور خفیف میں فرق کرنا چاہتے ہیں کہ صرف غسی مثقل ناقض الوضو ہے۔

انکم تفتنون فی القبور ای (۱) تعذبون فی قبورکم (۲) تحشرون و تسألون.

باب مسح الرأس كله

مسئلۃ الباب: احناف اور امام احمدؒ کے ہاں ربع الرأس کا مسح فرض ہے امام شافعیؒ کے ہاں ادنی مایطلق علیه اسم المسح فرض ہے اور امام مالکؒ کے ہاں استیعاب فرض ہے اور یہی مختار ہے امام بخاریؒ کا۔

فاقبل بهما وادبر .... اس سے فرضیت استیعاب کے لئے استدلال کرتے ہیں۔

باب غسل الرجلين الى الكعبين

غسل الرجلین کے لئے پہلے مستقل باب قائم کر چکے ہیں یہ باب فقط غایہ بتانے کے لئے ہے کہ کہاں تک رجلین کو دھویا جائے۔

باب استعمال فضل وضوالناس

وامر جریر ان یتوضوء بفضل سواکه

فضل کا معنی کیا ہے؟

اس میں دو احتمال ہیں (۱) وہ پانی جو برتن کے اندر باقی رہے اس صورت میں فضل

بالاتفاق طاہر، مطہر ہے (۲) دوسرا معنی ماء مستعمل کا ہے اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول قدیم نجاست غلیظہ کا ہے دوسرا قول نجاست خفیفہ کا ہے اور تیسرا مفتٰی بہ قول، طاہر غیر مطہر ہونے کا ہے لہٰذا اس سے وضو اور غسل جنابت جائز نہیں ہے۔ البتہ پینے کے لئے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔ حافظؒ کے ہاں اس باب کا مقصد احناف پر رد ہے لیکن یہ قول غلط ہے کیونکہ اس مسئلہ میں احناف کا جو مسلک ہے بعینہٖ یہی مسلک شوافع وغیرہ کا ہے۔

امر ان یوضا بفضل سواکہ............ مسواک چونکہ منہ میں استعمال ہو چکا تھا تو جب وہ پانی میں رکھا تو پانی مستعمل کے حکم میں ہوا لیکن جریر بن عبداللہ نے اپنے اہل خانہ کو اس پانی سے وضو کرنے کا حکم دیا۔

یاخذون من فضل ماءہ............ یہاں یہ بھی وہی دونوں احتمال ہیں لیکن قوی احتمال ماء مستعمل کا ہے کیونکہ انہوں نے یہ پانی تبریک کے لئے لیا تھا اور تبریک ماء مستعمل میں ہوتی ہے۔

باب (بلا ترجمة)

بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں ہے لیکن جہاں باب کا لفظ ہے تو وہاں تکملہ سابق ہے کیونکہ گذشتہ میں فضل الوضوء وضو کا حکم تو بیان کیا لیکن وضو کامل کا ذکر نہیں تھا اور یہاں وضو کامل کا ذکر ہے کہ وضو کامل کا جھوٹا طاہر ہے۔

زر الحجلة............ رز کا معنی گھنڈی ہے اور مجلہ چھپر کھٹ اور مسہری کو کہتے ہیں اور اگر یہ لفظ رز ہے تو معنی ہوگا چکور کا انڈہ۔

باب مسح الرأس مرة

یہ جمہور کی تائید ہے کہ مسح الرأس مرۃ اور اس میں تثلیث نہیں ہے۔

باب الوضوء مع امراته وفضل وضوء المرأة

وتوضأ عمر رضي الله عنه بالحميم ومن بنت نصرانية

اس ترجمۃ الباب میں چار مسئلے بیان ہو رہے ہیں (۱) مرد کے لئے عورت کا باقی ماندہ

پانی کا استعمال (۲) عورت کے لئے مرد کے باقی ماندہ پانی کا استعمال (۳) مامسته النار کا مسئلہ (۴) سؤر النصرانی کا مسئلہ

تفصیل ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے باقی ماندہ کے استعمال سے منع کیا تھا کیونکہ عورتیں عموماً بے احتیاط ہوتی ہیں اور عورت کو مرد کے باقی ماندہ کے استعمال سے منع کیا تھا عورت کی تطییب خاطر کے لئے لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانبین کو اجازت دے دی، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان الماء لای نجس، لہٰذا یہ ابتدا پر محمول ہے اور اب مسئلہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کیلئے ایک دوسرے کا باقی ماندہ استعمال کرنا جائز ہے۔ (۳) امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں ثابت کیا کہ ماست النار کا استعمال ناقض الوضو نہیں (۳) سؤر النصرانی پاک ہے احناف کا مسلک ہے کہ سؤر الآدمی طاہر ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔

باب الوضوء بالمد

حدثنا ابو نعیم...... کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یغسل او کان یغتسل بالصاع الی خمسة امداد ویتوضأ بالمد

ترجمۃ الباب کا مقصد:

وضو اور غسل کے لئے پانی کی مستحب مقدار بیان کرنا مقصود ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ شریعت نے وضو اور غسل کے لئے پانی کی وجوبی مقدار کو بیان نہیں کیا ہے اور حدیث الباب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے لئے مد اور غسل کے لئے صاع کی مقدار بیان ہے کہ یہ مقدار کفایت ہے۔

مسئلہ الباب: یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو مد سے اور غسل صاع سے فرماتے تھے اور یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ صاع چار مد کا ہوتا ہے لیکن چونکہ مد کی مقدار میں اختلاف ہے لہٰذا صاع میں بھی اختلاف ہوگا۔

مقدار مد و صاع: اہل حجاز کے ہاں مد ایک رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے جبکہ احناف

کے ہاں مد دو رطل کا ہوتا ہے لہٰذا اہل حجاز کا صاع سوا پانچ رطل ہوگا اور احناف کا صاع آٹھ رطل ہوگا۔

باب المسح على الخفين

اہلسنت کا اجماعی مذہب ہے کہ مسح علی الخفین جائز ہے اور جمہور کے ہاں مقیم کے لئے ایک دن، رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح جائز ہے۔ البتہ امام مالکؒ کے ہاں مقیم کے لئے مسح جائز نہیں ہے اور اسی طرح ان کے ہاں مسافر کے لئے توقیت مقرر نہیں ہے۔ روافض وغیرہ مسح علی الخفین کو ابتداء اسلام پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت وضو سے منسوخ ہو چکا ہے لیکن اہلسنت مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت یہ استدلال کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث آیت الوضو سے بعد کی ہے اور اسی طرح جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے پوچھا گیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین نقل کرتے ہو لیکن یہ قبل آیت الوضو ہے یا آیت الوضو کے بعد کی بات ہے تو حضرت جریر نے فرمایا میں تو آیت المائدہ کے بعد اسلام لایا ہوں۔ اور محدثون کان یعجبھم حدیث جریر کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ مسح منسوخ نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ماقلت بالمسح علی الخفین حتیٰ جآء نی مثل ضوء النھار اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ مسح علی الخفین روایات متواترہ سے ثابت ہے اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین ستر صحابہؓ سے منقول ہے اگر بالفرض مسح علی الخفین نص قرآن کے خلاف بھی ہوتا تو اتنی کثیر روایات سے نص قرآن کا نسخ لازم آتا اور امام ابو حنیفہؒ نے علامات اہلسنت کے بارے میں فرمایا ہے نحن نفضل الشیخین ونحب الختنین ونری المسح علی الخفین۔

یمسح علی عمامته .... یہ الفاظ من خطاء الاوزاعیؒ ہیں کسی اور نے نقل نہیں کیے۔

باب اذا ادخل رجلين وهما طاهرتان

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ ہے کہ مسح علی الخفین تب جائز ہوگا جب خفین کے اندر پیروں کو پاک حالت میں داخل کرے اور پیر طاہر نہ ہوں اور داخل کرے تو مسح علی الخفین جائز نہ ہوگا۔

باب من لم یوضأ من لحم الشاة والسویق

واکل ابوبکر وعمر وعثمان ولم یتوضؤ.........

مسئلہ الباب: ماست النار کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ماست النار اسباب حدث میں سے ہے کہ نہیں یہ مختلف فیہا مسئلہ ہے بعض صحابہؓ اور فی روایۃ امام احمدؒ بن حنبل ماستِ النار کو ناقض الوضو کہتے ہیں جبکہ جمہور کے ہاں ماست النار اسباب حدث میں سے نہیں ہے امام بخاریؒ کا مقصد جمہور کی تائید ہے نقض الوضو کا حکم منسوخ ہے حضرت جابر سے منقول ہے کہ حضورؐ کا آخر الامرین ترک الوضو مماست النار ہے۔

باب من مضمض من السویق ولم یتوضأ

مضمضہ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیونکہ ستو کھانے سے اس کے ذرات دانتوں میں پھنس جاتے ہیں اگر نماز کی حالت میں اندر داخل ہوگئے اور مقدار چنے سے زیادہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی اس مضمضہ کو وضو ناقص پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے کہ اس سے وضو ناقص مراد ہے۔

باب ھل یمضمض من اللبن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مضمضہ من اللبن ثابت ہے اور فرمایا کہ دودھ میں دسومت ہوتی ہے لہٰذا دودھ پینے کے بعد مضمضہ مستحب ہے۔

باب الوضوء من النوم

ومن لم یرمن النعسة والنعو الخفقة وضوءً ا

نعسۃ کا معنی ہے فتور فی الحواس اور خفیف نیند کی وجہ سے سر کا جھکنا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہ بتلانا ہے کہ مطلقاً نیند ناقض الوضو نہیں ان لوگوں پر رد ہے جو مطلقاً نیند کو ناقض الوضو کہتے ہیں۔

مسئلہ الباب: نیند کے ناقض الوضو ہونے میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات کے ہاں نیند مطلقاً ناقض نہیں۔(۲) بعض کے ہاں مطلقاً ناقض

ہے (۳) بعض کے ہاں کثیر نوم ناقض ہے اور قلیل ناقض نہیں ہے۔

قلیل وکثیر کا مطلب (۱) بیٹھے بیٹھے سو جانا نوم قلیل ہے (۲) ہیئت صلوٰۃ میں کسی ہیئت پر سو جانا قلیل نوم ہے البتہ اگر کسی چیز کو ٹیک لگا کر سوئے کہ لو ازیل لسقط تو یہ نوم کثیر کے حکم میں ہے اور ناقض ہے وضو کے ناقض ہونے کی علت نوم ذاتا ناقض الوضو نہیں بلکہ یہ سبب ہے استرخاء مفاصل کی وجہ سے رگیں سست ہو جاتیں ہیں تو خروج ریح کا مظان ہوتا ہے لیکن خروج ریح ایک سبب مخفی ہے لہٰذا شریعت نے احکام کا مدار علت ظاہریہ پر رکھا کہ نیند سے وضو ٹوٹ جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد...... لعله یستغفر فیسب نفسه" مناسبت اس کی ترجمۃ الباب کے ساتھ اسطرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز توڑنے کی علت یہ نہیں بتائی کہ اونگھ سے وضو ٹوٹ گیا بلکہ علت یہ بتائی کہ چونکہ حواس قابو میں نہیں تو دعا کی بجائے خود کو برا بھلا کہہ دے گا اس سے معلوم ہوا کہ نعاس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

باب الوضو من غیر حدث

یعنی وضو علی الوضو کا بیان ہے یہ مستحب ہے بشرطیکہ وضو سابق سے ایسا عمل کیا ہو جو بغیر وضو کے جائز نہ ہو مثلاً مس مصحف یا نوافل وغیرہ پڑھے ہوں۔

باب من الکبائر ان لایستتر من بوله

عدم تستر من البول پر چونکہ وعید آئی ہے لہٰذا یہ کبیرہ ہے۔

ومایعذبان فی کبیر ...... اشکال ہوتا ہے کہ پہلے کبیرہ ہونے کی نفی کی پھر بلی سے کبیرہ ہونے کو ثابت کیا۔

جواب امام نووی: (۱) لیس بکبیرۃ فی زعمھما وعنداللّٰہ کبیرۃ (۲) التوقی والاجتناب عنھما یس بشاق۔ کیونکہ پیشاب کے قطرات سے بچنا اور خود کو چغل خوری سے بچانا مشکل کام نہیں ہے (۳) انھما لیسا من الموبقات السبع حالانکہ حقیقۃً اور فی نفسہ یہ کبیرہ ہے۔

ثم دعابجریدۃ...... لعله ان یخفف عنھما......

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع عذاب کے لئے یہ مدت مقرر فرمائی کہ ان شاخوں کے خشک ہونے تک ان پر سے عذاب اٹھالیا جائے گا یہ شاخ کے سبز ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں کہ یہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تھی لہٰذا دوسروں کے لئے قبور پر شاخیں لگانا جائز نہیں۔

باب ماجآء فی غسل البول

وقال النبی صلعم ...... لا یستتر من بوله

ترجمۃ الباب مقصد:

مقصد یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بول الانسان پر عذاب کے وعید سنائی ہے لہٰذا یہ حکم تمام حیوانات کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا بلکہ صرف بول الانسان کے ساتھ خاص ہوگا اس سے امام بخاریؒ بول مایوکل لحمہ کے جواز کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس لاعرابی حتی یفرغ من بوله

بول الانسان سب کے ہاں نجس ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو پیشاب کرنے سے نہیں روکا اس کی وجہ (۱) روکنے کی صورت میں اس کو ضرر اور تکلیف ہوتی (۲) زیادہ مسجد گندی ہو جاتی۔

طریقہ طہارت: (۱) زمین کو دھویا جائے (۲) زمین کھود کر نچلی مٹی اوپر کر دی جائے۔

باب بول الصبیان

حدثنا عبداللہ بن یوسف .... عن ام قیس بنت محصن انها اتت بابن لها لم یاکل الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاجلسه رسول فی حجره فبال علی ثوبه فدعا بماءٍ فنضحه ولم یغسله۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بول الصبیان کی نجاست کو بیان کرنا مقصد ہے۔

مسئلۃ الباب: جمہور کے ہاں بول الصبیان نجس ہے البتہ قاضی عیاضؒ مالکی اور ابن بطالؒ نے امام شافعیؒ کی طرف طہارت کا قول منسوب کیا ہے لیکن امام نوویؒ نے اس بات کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول جمہور کی طرح ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں بول الصبیان نجس ہے لیکن ان کے اقوال سے طہارۃ البول کا شبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے قاضی عیاضؒ وغیرہ نے طہارت کی نسبت کی ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بول الصبی پر نضح الماء ہوگا یعنی پانی چھڑکنے کا حکم ہے اگرچہ پانی نہ ٹپکے لیکن نضح سے بول الصبی پاک ہو جائے گا (۲) بول الصبیان میں تخفیف کی طرف بھی اس باب میں اشارہ ہے۔

مسئلہ: اگر صبی کپڑے پر بول کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کے دھونے کا حکم ہے جبکہ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے ہاں نضح کا حکم ہے اس سے تخفیف بول الصبی ثابت ہوتی ہے اور امام محمدؒ کے بقول احناف بھی بول الصبی میں تخفیف کے قائل ہیں۔

سبب تخفیف کیا ہے؟ (۱) بول الصبی میں تخفیف عموم بلویٰ کی وجہ سے ہے کیونکہ لڑکوں کو لوگ عموماً اٹھاتے پھرتے ہیں بخلاف الجاریۃ (۲) صبی کے بول میں بدبو اور لزوجت کم ہوتی ہے اور پیشاب ایک ہی جگہ پر گرتا ہے لہٰذا تھوڑے سے پانی سے صاف ہو جاتا ہے بخلاف الجاریہ کہ اس کا پیشاب پھیلتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے۔ یہ تخفیف ہونا اس وقت تک ہے جب تک بچہ دودھ پیتا ہو اور کھانا شروع نہیں کیا ہو۔ جب کھانا شروع کرے تو پھر دونوں کا بول ایک جیسا ہے پھر طریقہ تطہیر میں فرق نہیں ہے۔

باب البول قائماً وقاعدا

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب کا مقصد بول قائما اور قاعداً کا جواز ثابت کرنا ہے۔ لیکن حدیث الباب فقط بول قائماً کے بارے میں ہے اور بول قاعدا کے لئے حدیث نہیں لائے کیونکہ (۱) بول قاعداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تھی اور اس پر امت کا تعامل جاری ہے لہٰذا اس کے ثبوت کی ضرورت نہ تھی (۲) بول قائما تو فطرت کے مطابق ہے تو اس کے ثبوت کی

ضرورت نہیں تھی، ثبوت کی ضرورت تو خلاف فطرت عمل کے لئے ہوتی ہے۔

اتی مباطة قوم فبال قائماً...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بول قائماً ثابت ہے لیکن یہ جواز ضرورۃً ہے بلاضرورت جائز نہیں ہے اہل ظواہر کے ہاں بول قائماً مطلقاً جائز ہے جمہور کے ہاں کراہت ہے لیکن کراہت کچھ ایسی ہے علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ متقدمین کے ہاں کراہت تنزیہی کا حکم تھا لیکن اب چونکہ یہ کفار کا شعار بن چکا ہے لہٰذا اب یہ مکروہ تحریمی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بول قائماً کیوں کیا؟ (۱) بیان جواز کے لئے (۲) وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی (۳) جگہ ایسی تھی کہ بیٹھنے کی صورت میں پیشاب واپس کا آنے کا خدشہ تھا (۴) چھینٹے لگنے کا خدشہ تھا (۵) لجرح کان بفخذہ (۶) دستور عرب کے مطابق درد کمر کے لئے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا۔

باب البول عند صاحبه والتستر بحائط

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے کہ اذا ذھب ابعد فی المذھب تو وہ غائط کے بارے میں ہے اور بول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب میں ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دور اس لئے جاتے تھے کیونکہ غائط میں زیادہ تستر کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بول میں زیادہ تستر کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا قریب میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ تستر ہو۔

باب البول عندسباطة قوم

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد فقط یہ ہے کہ کسی قوم کے کوڑادان میں پیشاب کرنا جائز ہے چونکہ یہاں اشکال ہوتا تھا کہ شاید کوڑادان کسی کے ملک میں ہو اور اس میں بلااجازت پیشاب کرنا جائز نہیں ہے تو اس کا جواب دیا کہ جب کوڑادان میں کچرا ڈالا جاتا ہے تو عرفاً اجازت حاصل ہے لہٰذا اس میں پیشاب کرنا جائز ہے۔

باب غسل الدم

حدثنا محمد بن مثنی ...... جآء امرة الی النبی فقالت ارأیت احدنا تحیض فی الثوب فکیف تصنع قال تحتیہ ثم تقرصیہ بالمآء وتصلی فیہ......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس کا مقصد نجاست الدم کا ثبوت ہے کہ اگر بدن یا کپڑے پر خون لگے تو دھوئے بغیر کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

تَحَتُّہ ...... هو القطع بالظفر والاصابع، تنضحیہ بالمآء...... نضح سے بالاتفاق غسل مراد ہے تو احناف کہتے ہیں کہ جیسے یہاں نضح سے غسل مراد ہے اسی طرح بول الصبی کی روایت میں بھی نضح سے غسل مراد ہوگا۔

فاذاقلبت حیضۃ...... جولوگ تمیز بالاوان کا اعتبار کرتے ہیں وہ اقبال باللون مراد لیتے ہیں اور احناف اقبال بالایام والعادہ کا معنی کرتے ہیں۔

توضئی لکل الصلوۃ...... احناف وضولوقت کل الصلوۃ کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلثہ کے ہاں لکل الصلوۃ کا حکم ہے۔

باب غسل المنی وفرکہ

وغسل مایصیب من المراۃ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب میں امام بخاری منی کی نجاست کو بیان کرنا چاہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کے ہاں منی نجس ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں طاہر ہے۔ دلیل طہارت ان کے ہاں فرک کی حدیث ہے کہ منی کریدنے سے پاک ہوتی ہے تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ کریدنے سے نجاست کا مکمل ازالہ تو نہیں ہوتا ضرور کچھ اجزاء باقی رہتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی فرک کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ثابت ہوا کہ منی پاک ہے ورنہ کچھ اجزاء کے باقی رہتے ہوئے نماز کا حکم کیوں دیا ہے۔

جواب میں احناف کہتے ہیں کہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ طہارت جیسے غسل سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی تقلیل سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اگر نجاست غلیظہ قدر الدرہم سے کم ہو اور نجاست خفیفہ ربع العضو سے کم ہو تو یہ اس سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے دوسری دلیل ہے کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ منی سے انبیاء کی تخلیق ہوتی ہے اگر منی ناپاک ہے تو پھر اس انبیاء کی تخلیق کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب جب شیئی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جائے تو حکم بدل جاتا ہے تو منی جب اندر ہو تو پاک ہے اور خارج میں آکر نجس ہو جاتی ہے اگر بالفرض ہم اس کو طاہر مان لیں تو پھر بھی یہی اشکال ہے کہ منی خون سے بنتی ہے تو پھر بھی انبیاء کی تخلیق نجس سے ہوئی ہے۔

دوسرا مسئلہ امام بخاریؒ نے بتادیا کہ خشک منی کریدنے سے پاک ہو جاتی ہے یہی احناف کا مسلک ہے۔ تیسرا مسئلہ عورت کے ساتھ بوقت اختلاط جو رطوبت بدن سے نکلتی ہے وہ نجس ہے اس کا دھونا ضروری ہے۔

باب اذاغسل الجنابة ولم يذهب اثره

ترجمۃ الباب کا مقصد:

ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر نجاست کو دھویا جائے اور نجاست کا اثر باقی رہے تو کپڑا پاک ہوگا لیکن اثر سے کیا مراد ہے؟ مثلاً نجاست ذی لون ہو اور اس کو شرعی طریقہ سے دھویا جائے اور اثر باقی رہے مثلاً تین بار دھویا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا البتہ اگر اثر سے نجاست کے اجزاء مراد ہوں تو اس صورت میں کپڑا ناپاک رہے گا اور اس مذکورہ صورت میں یہ امام بخاریؒ کا اپنا مسلک ہوگا۔

باب ابوال الابل والدوآب والغنم ومرابضها

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہاں امام بخاریؒ کا مقصد ماکول اللحم جانوروں کے بول کا حکم بیان کرنا ہے یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں ماکول اللحم کا بول ناپاک ہے اور امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ہاں ماکول اللحم جانوروں کا بول پاک ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب جانوروں کا بول پاک ہے البتہ بعض مالکیہ نے انسان، خنزیر اور کتے کو مستثنیٰ کیا ہے بظاہر امام بخاری مالکیہ کی تائید کر رہے ہیں اور حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بول الابل کے پینے کا حکم دیا ہے جس سے ابوال الابل کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ استدلال درست نہیں کیونکہ: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم تداوی یا دیا تھا وحی سے آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس میں قطعی شفا ہے اور اگر کسی حرام چیز سے شفا یقینی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے (۲) یہ حکم علفتھا تبناً و ماءً بارداً کے قبیل سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ البان پیو اور ابوال کو سونگھو۔ مسلک مالکیہ میں مینگنیاں بھی پاک ہیں۔

قصاص کا حکم احناف کے ہاں لاقود الا بالسیف یعنی مماثلت فی القصاص ناجائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مماثلت فی القصاص اختیار کی ہے (۱) یہ عبرۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے (۲) اس وقت تک مُثلہ سے ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

باب مایقع من النجاسات فی السمن والمآء

قال الزہری لابأس بالماء مالم یتغیر طعمہ الخ قال لابأس بریش المیتۃ الخ عن میمونہ ان رسول اللّٰہ صلہم سئل عن فارۃ سقطت فی سمن قال القوھا وما حولھا و کلوا سمنکم۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب میں مقصد طہارۃ الماء ونجاستہ کا مسئلہ بیان کرنا مقصد ہے کہ کس صورت میں پانی نجس ہو جائے گا اور کب پانی پاک رہے گا دراصل مسئلہ پانی کا بیان کرنا ہے لیکن چونکہ حدیث میں سمن کر ذکر تھا لہٰذا سمن کا لفظ ترجمۃ الباب میں بڑھا دیا اور ضمناً پانی کا مسئلہ ثابت کیا۔

مسئلۃ الباب: امام مالکؒ کے نزدیک جب تک پانی کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں

تب تک پانی پاک رہے گا امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں قلیل پانی وقوع النجاست سے نجس ہوگا اور کثیر پانی وقوع النجاست سے نجس نہیں ہوگا لیکن قلت اور کثرت کا مدار کیا ہے؟ تو احناف کے ہاں قلت و کثرت کا مدار مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں مدار قلت و کثرت قلتین پر ہے قلتین سے کم ماء قلیل کے حکم میں ہوگا۔ تو گویا اس باب سے امام بخاریؒ امام مالک کی تائید کر رہے ہیں کہ طہارت ونجاست کا مدار تغیر حسی پر ہے۔

قال حماد لاباس بریش المیتة........ کیونکہ اس سے پانی کے اندر کوئی تغیر نہیں آتا لہٰذا پانی پاک رہے گا احناف اور جمہور کے ہاں پر بال اور ہڈی میں نجاست اثر نہیں کرتی لہٰذا ان کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

القوھا وما حولھا و کلوا سمنکم........ چونکہ چوہا نجس ہے لہٰذا اسے اٹھا کر پھینک دیا جائے اور ماحول جس کے ساتھ چوہے کا بدن مس ہوا ہے اسے اٹھا کر پھینک دیا جائے باقی گھی پاک ہے۔ احناف اور جمہور کے ہاں یہ حکم جمے ہوئے گھی کا ہے کیونکہ ماحول جامد کا ہوتا ہے اور مائع گھی کے لئے ماحول نہیں ہوتا لان الکل حولہ اور بعض روایات میں وان کان جامدا کی تصریح بھی موجود ہے۔

قال معن عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن میمونہ رضی اللہ عنھا یعنی یہ حدیث مسانید میمونہ میں سے ہے۔

کل کلم یکلمہ المسلم فی سبیل اللہ الخ اس حدیث کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ طہارت ونجاست کا مدار تغیر حسی پر ہے کیونکہ مشک بالاتفاق پاک ہے لیکن اصل المسک خون ہے اور خون نجس ہے لیکن جب اس میں تغیر آیا اور مسک بن گیا تو پاک ہوگیا۔

باب البول فی المآء الدائم

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ایک تو ممانعت عن البول فی المآء الدائم کا ثبوت مقصود ہے کیونکہ اگر پانی قلیل ہوگا تو نجس ہو جائے گا اور بعد میں اس کا پینا اور وضو کے لئے استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور ماء کثیر ہو تب بھی پیشاب کرنا ناجائز ہے کیونکہ فی الحال تو پانی نجس نہیں ہوگا لیکن جب

لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر پیشاب کریں گے تو بالآخر بدبو پیدا ہوجائے گی اور احدالاوصاف متغیر ہوجائیگا اور پانی نجس ہوجائے گا۔

(۲) دوسرا مقصد سابقہ مسلک کی تائید کہ بعد میں احدالاوصاف تغیر ہوگا تو تغیر حسی کی وجہ سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

عن ابی ھریرۃ نحن الآخرون السابقون...... اصلی حدیث آگے لایبولن احد کم ہے لیکن بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس روایات ابی ہریرۃؓ کا ایک صحیفہ عبدالرحمٰن بن ہرمزالاعرج کی ایک ہی سند سے منقول ہے جس کی ابتداء میں نحن الاخرون السابقون کے ساتھ سند موجود ہے اور الگ الگ حدیث کے ساتھ نہیں تو امام بخاری کا طریقہ ہے کہ جب اس صحیفہ سے حدیث نقل کرتے ہیں تو پہلے سند کے ساتھ نحن الآخرون ذکر کرتے ہیں پھر اصلی مقصود حدیث نقل کرتے ہیں جیسے امام مسلمؒ کا طریقہ ہے کہ ہمام بن منبہ سے جب نقل کرتے ہیں تو سند کے بعد فذکر احادیث اور پھر منہا کے ساتھ موجود مقصود حدیث ہے اس کو نقل کرتے ہیں۔

باب اذا القی علی ظهر المصلی قذرا وجيفة لم تفسد عليه صلوته

مسئلہ الباب امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ اگر ابتداء نماز میں بدن یا کپڑے پر نجاست نہ ہو اور اثناء صلوۃ میں کوئی نجاست گرجائے تو اس نجاست طاری سے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ ابتداءً نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

امام بخاریؒ کا اس باب سے مقصد امام مالکؒ کی تائید ہے کہ نجاست طاری اور نجاست ابتداءً کا حکم الگ الگ ہے اور اس کے لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ جب کپڑے پر خون کا دھبہ دیکھتے تو کپڑا اتارتے اور نماز جاری رکھتے اور ابن المسیبؒ اور امام شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ دوران نماز مانع آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

احناف اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نجاست طاری اور نجاست ابتدائی دونوں سے نماز

فاسد ہو جاتی ہے اوران آثار کا جواب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر میں یہ بھی ہے کہ اگر کپڑا نہ اترتا تو جا کر کپڑا دھوئے اور پھر آ کر بناء کرے تو معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مسلک سے امام بخاریؒ کی تائید نہیں ہوتی اور ابن المسیبؒ اور شعبیؒ چونکہ تابعین ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعی ہیں تو تابعی کا قول دوسرے تابعی پر حجت نہیں بن سکتا۔

حدیث الباب: کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دورانِ نماز سلا جزور (اونٹنی کی بچہ دانی) ڈالی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جاری رکھی تو معلوم ہوا کہ نجاست طاری سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

جواب (۱) یہ ایک جزئی واقعہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ نماز نفل تھی یا فرض اگر بالفرض فرض تھی تو یہ معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں قضاء کی ہے یا نہیں (۲) یہ ابتدائی دور کا واقعہ اس وقت تک احکام ومسائل نازل نہیں ہوئے تھے۔

باب البزاق والمخاط ونحوہ فی الثوب

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ قذر دو قسم پر ہے (۱) جو قذر بھی ہو اور نجس بھی ہو جیسے بول، براز اور منی وغیرہ (۲) وہ قذر جو قذر تو ہے لیکن نجس نہیں جیسے تھوک وغیرہ تو مقصد یہ ہے کہ پہلے قذر نجس کا بیان تھا اور اب قذر غیر نجس کا بیان ہے۔

باب لایجوز وضوء بالنبیذ ولا بالمسکر

کل شراب اسکر فھو حرام.......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب میں وضو یا نبیذ کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے اس مسئلہ میں تفصیل ہے (۱) نبیذ التمر کے علاوہ باقی انبذہ کے ساتھ بالاتفاق وضو جائز نہیں (۲) نبیذ التمر میں اگر جھاگ آ جائے تو وضو کرنا بالاتفاق ناجائز ہے (۳) نبیذ تمر جب مطبوخ ہو تو بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔ (۴) نبیذ تمر حد سکر تک پہنچے تو بالاتفاق وضو ناجائز ہے (۵) پانی کے اندر کھجور کی وجہ سے مٹھاس پیدا ہو جائے لیکن سیلان باقی ہو اس صورت میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کا

قول قدیم تھا کہ نبیذ تمر سے وضو جائز ہے جبکہ امام شافعیؒ، مالکؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو نا جائز ہے۔

دلیل جواز:

امام صاحبؒ کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیلۃ الجن کا واقعہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا "مافی ادواتك قال مآء التمر فقال لی تمرة طيبة وماء طهور فتوضابه" اس حدیث پر طویل قیل قلنا ہے لیکن علامہ عینیؒ اور زیلعیؒ نے اس حدیث کے مختلف طرق اور اسانید جمع کر کے اس حدیث کو قابل استدلال ثابت کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ سے وفات سے چند یوم قبل اپنے قول سے رجوع ثابت ہے لہٰذا اب نبیذ تمر سے وضو کے عدم جواز کا مسئلہ اتفاقی ہے۔

بالنبيذ ولا بالمسكر .... مسکر چیز سے وضو جائز نہیں کیونکہ مسکر حرام ہے اور وضو طاعت ہے اور طاعت حرام چیز کے ساتھ جائز نہیں ہے اصل مقصد تو نبیذ تمر کا حکم بیان کرنا تھا لیکن چونکہ حدیث میں مسکر کا ذکر تھا تو امام بخاریؒ نے حسب عادت مسکر کا لفظ ترجمۃ الباب میں بڑھا دیا اور اس سے نبیذ تمر کا حکم ضمناً ثابت کیا کیونکہ بعض اوقات نبیذ بھی مسکر ہوتی ہے تو فی الجملہ نبیذ سے وضو کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

باب غسل المرأة اباها الدم عن جهه

وقال ابو العالية امسحوا على رجلى فانها مريضة......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس میں تین قول ہیں (۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ ازالۃ النجاسۃ عن البدن صلوٰۃ سے پہلے ضروری ہے تب نماز پڑھنا جائز ہوگا جیسے حدیث الباب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر غزوہ احد میں خون بہہ رہا تھا اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نجس نہیں ہے لیکن تعلیم امت کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنا خون دھلوایا (۲) استعانت فی الوضو کا مسئلہ دوبارہ ذکر فرما رہے ہیں تاکید کے لئے جیسے حدیث الباب سے ثابت ہے (۳) شیخ الہند رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس

باب سے اشارۃً یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مس المرأۃ ناقض الوضو نہیں چنانچہ دوران وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے خون صاف فرما رہی تھیں۔

باب السواک

قال ابن عباس بت عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستن......

ترجمۃ الباب کا مقصد:

سواک فی الوضو کے استحباب کا ثبوت مقصود ہے۔

باب دفع السواک الی الاکبر

حدیث الباب میں مذکورہ باب حکم استحبابی ہے۔

باب فضل من بات علی الوضو

سوتے وقت باوضو ہونا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے اور مستحب عمل ہے ایک تو پوری رات طہارت پر رہنے کا ثواب ملے گا اور دوسرا اللہ تعالیٰ شیاطین اور اور جنات کے اثر سے محفوظ رکھیں گے۔

اذااتیت مضجعك فتوضأوقل اللهم اسلمت وجهی الیك ......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکیر فرمائی ہے وہ اس لئے نہیں فرمائی کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ دعا وحی خفی کے ذریعہ سے نازل ہوئی ہو اور اب اگر نبی کی جگہ رسول کہے تو وحی میں تبدیلی ہوتی لہٰذا اس سے منع فرمایا اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ ادعیہ ماثورہ توقیفی ہوتی ہیں لہٰذا جس طرح منقول ہیں اسی طرح پڑھنی چاہئیں۔

واجعلهن آخر .... بقول حافظ ابن حجرؒ خاتمہ کتاب اور بقول شیخ الحدیث صاحبؒ خاتمہ انسان کی طرف اشارہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الغسل

وقول اللہ تعالی وان کنتم جنباً فاطهروا الی قوله لعلکم تشکرون . وقوله یاایها الذین امنوا ......الی ...... عفوا غفورا

اس سے پہلے حدث اصغر کا بیان تھا اور اب حدث اکبر کا بیان شروع کیا ہے حدث اصغر کثیر الوقوع تھا تو اسے مقدم کیا اور حدث اکبر بے نسبت اس کے قلیل الوقوع ہے تو اسے مؤخر ذکر کیا حسب عادت امام بخاریؒ نے کتاب کی ابتداء میں قرآن آیات کو ذکر کیا ہے۔ اشارہ ہے اس طرف کے مابعد کی روایت ان آیات کی تشریح ہے۔

باب الوضو قبل الغسل

اس سے مقصد غسل کا مسنون طریقہ بتلانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ غسل سے پہلے ہاتھ دھوتے، بدن سے گندگی ہٹاتے پھر وضو کر کے غسل فرماتے۔

تو ضاء غير و جلية .... جہاں منفد موجود ہو یا پاؤں ملوث ہونے کا خدشہ نہ ہو تو غسل کر کے آخر میں دھو یا جائے۔

باب غسل الرجل مع امرأته

ترجمۃ الباب کا مقصد:

غسل الرجل مع المرأۃ کا ثبوت ہے اور ظاہر ہے اس صورت میں ایک دوسرے پر نظر پڑے گی تو اس صورت میں اشکال ہو سکتا تھا کہ کیا اس صورت میں غسل جائز ہوگا یا نہیں تو اس باب سے اشکال کو دفع کہ غسل الرجل مع المرأۃ جائز ہے (۲) اشارۃ مس المرأۃ کے عدم ناقص ہونے کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ غسل میں ایک دوسرے کو مس کرنا ممکن ہے (۳) فضل المرأۃ اور فضل الرجل کے استعمال کا جواز کا ثبوت مقصود ہے۔

بقال له الفرق ...... فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے تو یہ حدیث احناف کی متدل بن سکتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ وسلم ایک صاع سے غسل فرماتے تھے اور ادھر فرق کا ذکر ہے سولہ رطل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضو کیا تو آٹھ رطل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے اور آٹھ رطل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہوئے اور احناف کے ہاں بھی صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

☆☆☆.......................☆☆☆

باب الغسل بالصاع ونحوه

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جوایک صاع کی مقدار تحدیدی نہیں بلکہ قدر مایکفی کا بیان ہے اور نحوہ سے اسی کی طرح اشارہ کیا ہے۔

باب من بدأ بالحلاب اوالطیب عندالغسل

یہ ترجمۃ الباب بہت مشکل ہے اوراس پر محدثین کی جانب سے بہت قیل قلنا ہوا ہے مثلاً:

(۱) اسماعیلی رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ من یَسْلَم عن الغلط تواس باب کے قیام میں امام بخاریؒ سے غلطی ہوئی ہے حدیث میں حلاب کا لفظ تھا جس کا معنی ہے اناء یسع فیہ حلبۃ الناقۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقدار حلاب سے غسل فرماتے تھے لیکن امام بخاریؒ نے حلاب کو خوشبو سمجھا اور باب قائم کیا من بدأ بالحلاب او الطیب یہی بات خطابیؒ، ابن بطالؒ، زرکشیؒ ابن الجوزیؒ الغرض اکثر محدثین نے اختیار کیا ہے۔

(۲) ازہریؒ امام لغت کے حوالے سے بعض نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کی یہ غلطی تصحیف کے قبیل سے ہے کہ اصل لفظ جلاب تھا جو گلاب کا معرب ہے تو حدیث کا مطلب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے قبل گلاب کا پانی استعمال فرماتے تھے لیکن امام بخاریؒ نے جلاب کو حلاب سمجھا لیکن ابن الاثیرؒ نے اس کو رد کیا ہے کہ عام صحیح روایات میں حلاب ہی لفظ آیا ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حلاب بمعنی محلوب ہے اور محلوب سے مراد محلوب البذر ہے کہ عرب حسب دستور مختلف بیج کوٹ کر اس سے عصارہ سا بناتے پھر صابن کی جگہ استعمال کرتے تھے اس عصارہ میں تھوڑی خوشبو بھی ہوتی ہے تو اس صورت میں ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہوا (۱) محلوب البذر کے استعمال کا جواز اور ثبوت مقصود ہے (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل میں دو طریقے ثابت ہیں ان کا بیان ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ کبھی غسل سے پہلے خوشبو استعمال فرماتے جیسے

حدیث عائشہ ہے کہ اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیطوف علی نسائہ
دوسرا طریقہ یہ کہ پہلے عام پانی سے غسل فرماتے پھر خوشبو لگاتے۔ (۳) شیخ الحدیثؒ
فرماتے ہیں کہ حلاب میں چونکہ چکناہٹ ہوتی ہے اور برتن میں پانی ڈالنے سے چکناہٹ
اوپر آ جاتی ہے اور یہ میل کچیل کو نرم کرتی ہے اور صفائی میں آسانی ہوتی ہے تو مقصد یہ ہے
کہ میل کچیل کو صاف کرنے کے لئے حلاب یا طیب کا استعمال جائز ہے۔

باب المضمضة والاستنشاق فی الجنابة

ترجمۃ الباب کا مقصد:

غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔

مسئلہ الباب: امام ابوحنیفہؒ اور فقہاء عراق کے ہاں غسل جنابت میں دونوں واجب
ہیں اور وضو میں دونوں سنت ہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے ہاں وضو اور غسل جنابت
دونوں میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ امام احمدؒ سے تین قول ہیں (۱) دونوں میں دونوں
واجب ہیں (۲) دونوں میں دونوں سنت ہیں (۲) مضمضہ وضو اور غسل دونوں میں سنت اور
استنشاق دونوں میں واجب ہے۔ اب امام بخاریؒ اس باب سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں تو
صحیح بات یہ ہے کہ اس میں وجوب اور عدم وجوب کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف مضمضہ اور
الاستنشاق کا ثبوت مقصود ہے اب جو چاہے اس کو وجوب پر عمل کرے اور جو چاہے سنت پر
عمل کرے۔

قال بیدہ علی الارض ...... ای دلك بیدہ

قال افعال عامہ میں سے ہے اس کے مختلف معنی آتے ہیں۔

دلک کے اسباب: (۱) ہاتھ پر نجاست کے کچھ ذرات باقی ہوں اس کو صاف
کرنے کے لئے یا (۲) ہاتھ پر نجاست کے ذرات تو نہیں لیکن ملامست نجاست کی وجہ سے
بدبو باقی تھی اسے ختم کرنے کے لئے دلک کیا۔

أتی بمندیل فلم یقتض بھا...... (۱) ممکن ہے رومال گندا ہو اسی وجہ سے ترک کیا
(۲) ممکن ہے مندیل کو مکروہ سمجھا ہو (۳) ممکن ہے گرمی کی وجہ سے پانی کا باقی رہنا

پسندیدہ جاتا ہو۔

مندیل کا استعمال: اس میں پانچ قول ہیں (۱) ترک مستحب ہے (۲) استعمال مکروہ ہے (۳) استعمال مباح ہے (۴) مستحب ہے (۵) سردی میں جائز گرمی میں مکروہ ہے۔

باب مسح الید بالتراب لتکون انقٰی

اس کا سبب بیان ہوا کہ یا تو اثر النجاسۃ کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یا بدبو کو ختم کرنے کے لئے تو لتکون انقی میں قول ثانی کی طرف اشارہ ہے

توضأ وضوء ہ للصلوۃ.......... اس کا تقاضہ ہے کہ رجلین کو بھی دھویا ہو لیکن دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ غسل الرجلین کو موخر کیا تھا۔

باب هل يدخل الجنب يده فى الاناء قبل ان يغسلها

یہ ترجمہ شارحہ کے قبیل سے ہے حضور سے منقول ہے کہ: (۱) اذا استیقظ احد کم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء الخ (۳) صفۃ الغسل کی روایات میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے وقت پہلے برتن ٹیڑھا کر کے ہاتھ دھوتے پھر ہاتھ اندر داخل فرماتے۔

مسئلۃ الباب: برتن میں ہاتھ ڈالنے کی دو صورتیں ہیں (۱) ہاتھ پر ظاہری نجاست لگی ہو تو اس صورت میں پانی نجس ہوگا لان القلیل ینجس بو قوع النجاسۃ وان لم یغیر احد الاوصاف (۲) ہاتھ پر ظاہری نجاست نہ ہو تو پانی نجس نہیں ہوگا جمہور کا مسلک تقریباً یہی ہے کہ پانی نجس نہیں ہوگا لیکن یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس حکم کا مدار توہم نجاست پر ہے کہ لایدری این باتت یدہ یہاں بھی تو ہم نجاست ہے۔ امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ اور براءؓ کے اثر سے استدلال کیا ہے کہ ادخل یدہ فی الطھور ولم یغسلھا

جواب: اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ ترجمہ خاص ہے غسل جنابت کے ساتھ اور اثر میں وضو کا واقعہ منقول ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ ان حضرات کی عادت یہی تھی کہ بغیر دھوئے ہاتھ کو برتن میں داخل کرتے تھے وضو اور غسل دونوں میں، اس صورت میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

كنت اغتسل انا والنبى صلى الله عليه وسلم من اناء واحد تختلف ايدينا اذاغتسل من الجنابه غسل يده.........

ان احادیث میں کہیں غسل کا ذکر ہے ہی نہیں اور اگر کہیں غسل کا ذکر ہے تو یہ بیان نہیں کہ ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوئے یا داخل کرنے کے بعد۔ان احادیث سے امام بخاریؒ کا مقصد ہے کہ غسل الید مستحب ہے اور ترک پر گناہ نہیں ہے۔

باب تفريق الغسل والوضوء

يعنى ترك التوالى فى الاعضاء

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اعضاء دھونے میں تسلسل اور توالی کا ترک جائز ہے لیکن مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توالی فی االاعضاء ثابت ہے۔

باب اذا جامع ثم عاد

ومن دارعلى نسائه بغسل واحد......

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طریقے منقول ہیں (۱) کہ ہر زوجہ سے فراغت کے بعد الگ الگ غسل کیا اور ھلا جعلت غسلا واحداً کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاھذا اطیب (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیویوں کے پاس جانے کے بعد آخر میں غسل کیا۔

ذكرته لعائشه رضى الله عنها

ضمیر قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف راجع ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز نہیں کہ بعد الاحرام بھی خوشبو باقی رہے تو اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کیا ہے۔

وهن احدى عشر .... بیویاں نو تھیں دو باندیاں تھیں۔

باب غسل المذى والوضوء منه

مذی بالاتفاق نجس ہے اور سبب حدث اصغر ہے۔

باب تخليل الشعر

حتیٰ اذاظن انه قدروی بشرته افاض علیه المآء.........

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحت کل شعرة جنابة منقول ہے اور عموماً سر کے بال زیادہ ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ صرف پانی بہانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ چلو سے پانی لے کر بالوں کی جڑوں تک پہنچا دیتے پھر پانی بہاتے اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل جنابت میں احتیاط ضروری ہے کہ صرف پانی بہانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے۔

باب من توضأفى الجنابة

ثم لم یعد مواضع الوضو مرةً اُخریٰ.......... مقصد غسل کا مسنون طریقہ کا بیان ہے کہ پہلے وضو کرے پھر غسل کرے۔ اس وضو کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ ایک مستقل عمل ہے تو ان کے ہاں وضو کرنے کے بعد غسل میں دوبارہ اعضاالوضو کو دھویا جائے۔ (۲) وضو غسل کا جزء ہے تو ان کے ہاں غسل میں اعضاء الوضو کو نہیں دھویا جائیگا۔ امام بخاریؒ اس باب سے قول ثانی کی تائید کر رہے ہیں۔

ثم تنحّی ثم غسل رجلیه...... یہ موضع استدلال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ پہلے پیر نہیں دھوئے تھے لہٰذا آخر میں دھوئے لیکن دوسرے اعضاء کا تذکرہ نہیں۔

باب اذاذ كر فى المسجد انه جنب خرج ولايتيمم

اگر جب بھول کر مسجد میں داخل ہو جائے اور پھر یاد آئے تو کیا کرے امام احمدؒ، امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اگر جب وضو کر کے داخل ہو تو اس کے لئے مکث فی المسجد اور عبور فی المسجد جائز ہے۔ امام شافعیؒ مطلقاً عبور فی المسجد کے جواز کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مطلقاً جب کے لئے عبور جائز نہیں چاہے وضو کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اب اگر سہواً، نسیاناً داخل ہو گیا تو کیا کرے؟ تو امام صاحبؒ کا قول ہے کہ اگر مسجد میں کوئی چیز قابل تیمم ہو تو تیمم کر کے مسجد سے نکلے اگر کوئی قابل تیمم چیز نہیں تو مجبوراً بغیر تیمم کے نکلے علامہ انور شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ شامی میں امام اعظم کی طرف ایک غیر مشہور قول منسوب ہے کہ جب

اگر سہواً مسجد میں داخل ہو جائے اور پھر یاد آئے تو بغیر تیمم کے نکلے اس قول کو اگر ترجیح دی جائے تو یہ اگر چہ غیر مشہور ہے لیکن اس باب سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور اگر قول مشہور کو ترجیح دی جائے تو پھر حدیث الباب کا احناف جواب دیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بغیر تیمم کے نکلے ہیں تو ممکن ہے وہاں کوئی چیز قابل تیمم نہ ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا ہو لیکن راوی نے بیان نہیں کیا لیکن یہ دوسری تاویل غلط ہے کیونکہ یہ مقام بیان ہے راوی شرعی احکام بیان کرنا چاہتا ہے لہٰذا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا ہوتا تو راوی ضرور ذکر کرتا۔

باب نفض الیدین من غسل الجنابة

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نفض الیدین کے جواز کے لئے باب قائم کیا (۲) یہ اشارہ مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد تولیہ استعمال نہیں فرماتے تھے (۳) علامہ عینیؒ کا قول ہے کہ ایک اور اشارہ مقصود ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تولیہ اس لئے استعمال نہیں کہ بدن پر پانی کے قطرے عبادت کا اثر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے سکھا کر زائل نہیں کرنا چاہتے تھے تو امام بخاریؒ نے اس قول کو رد کیا ہے کہ اگر یہ مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تو پھر نفض الیدین نہ فرماتے لہٰذا معلوم ہوا کہ تولیہ کے عدم استعمال کی مذکورہ وجہ نہیں تھی (۴) یہ اشارہ مقصود ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ نفض الیدین سے ماء مستعمل کے چھینٹے کپڑوں پر پڑتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پرواہ نہیں کی۔

باب من بداء بشق رأسه الایمن فی الغسل

غسل کا مستحب طریقہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب من اغتسل عریانا فی الخلوة وحده

وباب التستر عندالناس

ترجمۃ الباب کا مقصد:

جواز الغسل عریانا کا ثبوت مقصود ہے البتہ تستر افضل ہے۔

تفصیل مسئلہ اگر غسل حاجت کے لئے نہ ہو بلکہ نظافت کے لئے ہو تو اس صورت میں بغیر تستر کے ہرگز جائز نہیں کیونکہ ستر عورت فرض ہے اور یہ فرض دوسرے فرض کے لئے تو ساقط ہو سکتا ہے لیکن بغیر دوسرے فرض کے ساقط نہیں ہوگا اور اگر غسل فرض ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) خلوت میں، اس صورت میں تستر افضل ہے چنانچہ منقول ہے واللہ احق ان یستحی منہ لیکن عریانا بھی غسل جائز ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے یہ اگر چہ شرائع من قبلنا کا واقعہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر نکیر کے نقل کیا ہے تو ہمارے لئے دلیل ہے (۲) اگر خلوت نہیں ہے، اب اگر عارضی پردہ ہو سکتا ہے تو تستر فرض ہے اور اگر عارضی پردہ نہیں ہو سکتا تو لوگوں سے منہ پھیرنے کے لئے کہے اگر لوگ منہ پھیر دیں تو اچھا ہے ورنہ بغیر پردہ کے غسل کرے اور گناہ گار دیکھنے والے ہوں گے۔

کانو ایغتسلون.......... عریانا غسل ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے شریعت میں جائز ہو۔

باب اذا احتلمت المرأۃ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

یہ باب رد ہے ابراہیم نخعیؒ، امام محمد اور قدیم اطباء پر، حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ مصنف ابی بکر ابن ابی شیبہ لکھا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کے ہاں عورت کو احتلام نہیں ہوتا لہٰذا اگر عورت خواب میں احتلام کی کیفیت دیکھ لے تو اس پر غسل نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے ہاں عورت کی منی ہی نہیں ہوتی تو خروج منی متحقق نہیں ہوگا لہٰذا عورت پر غسل نہیں ہوگا۔ اور یہی قول قدیم اطباء کا ہے تو اس باب سے ان لوگوں پر رد مقصد ہے۔

باب عرق الجنب وان المومن لاینجس

اشکال:

ہم دیکھتے ہیں کہ جنب کو نجس کہا جاتا ہے تو لا ینجس کا کیا معنی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نجاست حکمی ہوتی ہے ہاتھ ملانے سے متعدی نہیں ہوتی یا یہ کہ مجلس میں بھی بیٹھ سکتا ہے۔

باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق

قال عطاء یحتجم الجنب ویقصر اظفارہ ویحلق رأسہ

اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے بسا اوقات گھر سے خروج ہوتا ہے۔ یہ باب ان لوگوں پر رد ہے جن کے ہاں حالت جنابت میں حلق، قصر اظفار جائز نہیں کہ وہ ناخن اور بال ہمیشہ کے لئے جنب رہیں گے اور آدمی کے لئے بددعا کریں گے۔

کان یطوف علی نسائہ......... ظاہر ہے اس کے لئے ایک گھر سے دوسرے گھر تک جانا پڑتا تھا تو حالت جنابت میں خروج اور مشی ثابت ہوتی ہے۔

باب کینونة الجنب فی البیت اذا توضأ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب او جنب تو یہ بات اس روایت کے جواب کے لئے قائم کیا کہ جب جنب وضو کر لیتا ہے تو قبل الغسل اس کے لئے گھر میں لیٹنا، بیٹھنا سب جائز ہے اور دخول الملائکۃ سے مانع نہیں ہے اور فرشتے اس صورت میں داخل نہ ہوں گے جب جنب وضو بھی نہ کرے اور گھر میں رہے ورنہ فی نفسہ بغیر وضو کے بھی کینونۃ فی البیت جائز ہے تو گویا حضرت علیؓ کی روایت کا جواب یہ ہوگا (۱) یہ حدیث ضعیف ہے بہ نسبت حدیث بخاری شریف کے (۲) ٹھیک ہے عدم وضو کی صورت میں فرشتے تو داخل نہ ہوں گے لیکن یہ صورت فی نفسہ جائز ہے اور دخول ملائکہ کی رعایت رکھنا اولیٰ تو ہے لیکن ضروری نہیں لہٰذا دخول الملائکہ الگ بات ہے اور جواز کینونۃ فی البیت الگ بات ہے۔

باب نوم الجنب یہ وہی گذشتہ مضمون ہے فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب عام تھا، لیٹنے، بیٹھنے اور ہر صورت کو شامل تھا اور یہ خاص ہے صرف نوم کو شامل ہے۔

باب الجنب یتوضا ثم ینام

مسئلۃ الباب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمد کے ہاں جنب کے لئے وضو قبل النوم مستحب ہے اور اس کا فائدہ تخفیف جنابت ہے اور یہ صورت دخول ملائکہ سے مانع نہیں ہوتی

جبکہ حسن بن حیؒ، سعید بن مسیبؒ اور سفیان ثوریؒ کے ہاں وضو قبل النوم ضروری نہیں ہے دلیل عقلی یہ ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ نہ تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور نہ مس مصحف جائز ہے تو پھر کیا فائدہ ہے اور دلیل نقلی حضرت عائشہ کی روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب ولا یمس المآء

جواب: فائدہ تو تخفیف جنابت کی صورت میں نکلتا ہے اور رہ گئی حدیث عائشہ تو یہ ضعیف ہے بایں معنی کہ راوی نے تعبیر میں غلطی کی ہے حضرت عائشہ کا مقصد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل النوم وضو کرتے اور غسل نہ فرماتے تو راوی نے اس عدم غسل کو لا یمس ماء سے تعبیر کیا ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دیگر روایات میں صراحۃً وضو قبل النوم منقول ہے۔

باب اذا التقی الختانان

مسئلہ الباب کی تفصیل:

اس مسئلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کی روایات منقول ہیں (۱) الماء من الماء اور (۲) اذا التقی الختانان وجب الغسل۔ عتبان بن مالک کا واقعہ امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر گئے دروازہ کھٹکھٹایا وہ ذرا دیر سے نکلے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا لعلنا اعجلناك پھر فرمایا آئندہ اگر ایسی صورت ہو تو جب تک انزال نہ ہو غسل مت کیا کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا اکثر انصار اور کچھ مہاجرین الماء من الماء کے قائل تھے اور اکثر مہاجرین التقاء الختانین اور غیبوبت حشفہ سے وجوب غسل کے قائل تھے حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ جب تم اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہو تو بعد کے لوگ تو اشد اختلافاً ہوں گے پھر ازواج مطہرات سے مسئلہ پوچھنے کا مشورہ ہوا تو پہلے حضرت حفصہؓ کے پاس لوگ گئے انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر حضرت عائشہ کے پاس گئے انہوں نے التقاء الختانین کا فتویٰ دیا تو اس کے بعد صحابہ کا اجماع ہوا اور اب حضرت عمرؓ نے فرمایا جو اس کے خلاف کرے گا جعلته نکالاً اب ائمہ

مجتہدین کا اسی پر اتفاق ہے اصل سبب وجوب میں غسل کے لئے انزال ہے لیکن انزال سبب مخفی ہے لہٰذا شریعت نے حکم کا مدار سبب السبب پر رکھا۔

اذا جلس بین شعبھا......

شعب اربعہ سے مراد (۱) الیدان والرجلان

(۲) الرجلان والفخذان

انما بینا الحدیث الآخر...... اس سے مابعد کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تو منسوخ ہے لیکن فقط اختلاف مذاہب کے ظاہر کرنے کے لئے نقل کیا ہے۔

والغسل احوط...... اس پر اشکال ہے کہ غسل تو اتفاقاً واجب ہے جبکہ امام بخاریؒ نے اس کو احوط کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فقط التقاء الختانین کی صورت میں غسل نہ کیا تو امام بخاریؒ کے ہاں جائز ہے؟

جواب: احوط کا اطلاق صرف مستحب پر نہیں ہوتا بلکہ واجب پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

باب غسل مایصیب من فرج المرأة

فرج المرأة سے (۱) یا تو منی نکلتی ہے یا (۲) مذی یہ دونوں عندالاحناف نجس ہیں (۳) یا وہ رطوبت ہوتی ہے جو وہاں ہوتی ہے یہ احناف کے ہاں پاک ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ باب احناف کے اس قول کے رد کے لئے ہے لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ رطوبت نہیں ہے بلکہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے منی اور مذی کا حکم بیان کرنا ہے۔

ولم یمن قال یتوضا............ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی طرف پچھلی حدیث میں امام بخاریؒ نے اشارہ کیا ہے اور اس کو فقط اس لئے ذکر کیا کہ اختلاف مذاہب ظاہر ہو جائے۔

وذالک الآخر...... والماء انقی............ اس سے بقول حافظ ابن حجرؒ خاتمہ کتاب اور بقول حضرت شیخ الحدیث خاتمہ انسان کی طرف اشارہ ہے۔

کتاب الحیض

یسئلونکہ عن المحیض الخ

باب کیف کان بدأ الحیض

حیض، حاض یحیض سے ہے اس کا معنی سال۔یسیل کسی چیز کا بہہ جانا یقال حاض الوادی اذا سال اور اصطلاح شریعت میں دم ینفض رحم امرأۃ سلیمۃ من داءٍ . امام بخاریؒ نے حسب عادت شروع میں آیت کو لا کر اشارہ کیا کہ مابعد کی ابواب اور احادیث اس آیت کی شرح ہیں۔

آیت کا پس منظر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حائضہ کے متعلق لوگوں کے مختلف دستور تھے یہود اور مجوس کا دستور تھا کہ حالت میں حیض میں عورت سے مکمل بائیکات کر کے گھر سے نکال دیتے تھے اور نصاریٰ ان کے برعکس حائضہ اور طاہرہ میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے اور حائضہ کے ساتھ مکمل تعلقات قائم رکھتے تھے اور مشرکین مکہ کا دستور نصاریٰ کے قریب تھا البتہ جماع فی الفرج کی بجائے اتیان فی الدبر کرتے تھے ان سب کو رد کرنے کے لئے یہ آیت اتری یسئلونك عن المحیض . اس میں فقط جماع فی حالت الحیض سے منع کیا گیا باقی تمام تعلقات کو جائز قرار دیا ہے۔

باب کیف کان بدأ الحیض وقول النبی صلعم هٰذا شیٔ کتب اللّٰہ علیٰ بنات آدم علیہ السلام

یہ باب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو رد کرنے کے لئے قائم کیا ہے ان کا قول تھا کہ حیض کا سلسلہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے شروع ہوا ہے پہلے یہ نہیں تھا تو اس بات کو رد کیا کہ یہ سلسلہ شروع سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع تھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے دونوں قول ذکر کر کے وحدیث رسول اللہ اکثر سے حدیث کو ترجیح دی ہے۔

وضحی رسول اللہ عن نسائہ البقرۃ .... ظاہر ہے کہ تمام بیویوں کی

طرف سے ایک ہی گائے ذبح نہیں کی ہے بلکہ سات سے گائے ذبح کی اور باقی سے دنبے وغیرہ ذبح کئے اور اسی طرح اگر قربانی واجب تھی تو ازواج کی اذن ضروری تھی اور اگر نفل تھی تو اذن ضروری نہیں۔

باب غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہود پر رد ہے کہ حیض کی نجاست حکمی۔ ہے اور یہ متعدی نہیں ہوتی اور اس میں جماع کے علاوہ تمام امور جائز ہے۔

باب قراءة الرجل فی حجر امرأته وهی حائض

یہ جمہور کے ہاں جائز ہے۔

كان ابو وائل ارسل خادمه متمسك بعلاقته...... یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے ہاں جائز ہے البتہ ائمہ ثلثہ کے ہاں مخل بالتعظیم ہونے کے سبب نا جائز ہے۔

اشکال: امام بخاریؒ کا مقصد تو قرآۃ کا حکم ہے لیکن اس اثر کی کیا مناسبت ہے؟

جواب: اس اثر کی مناسبت حاصل ہے کہ اس میں حمل قرآن کا ذکر ہے اور حجر المرأة میں سر رکھ قرأت بھی صورۃً حمل قرآن ہے۔

باب من سمی النفاس حیضاً

مقصد یہ ہے کہ یہ اطلاق جانبین سے ہے کیونکہ حدیث میں حیض کے لئے نفاس کہا گیا ہے جبکہ ترجمۃ الباب اس کا عکس ہے کہ یہ توسع جانبین سے ہے۔

باب مباشرة الحائض

مسئلۃ الباب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں حائضہ کے ساتھ مباشرت تحت الازار نا جائز ہے اور مافوق الازار جائز ہے اور امام محمدؒ اور دیگر کے ہاں مباشرت تحت الازار بھی جائز ہے البتہ وطی سے اجتناب لازمی ہے۔ جمہور کا مستدل حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جن میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت حیض میں ازواج مطہرات کو لیتز ار کا حکم فرماتے اور پھر ان

سے مباشرت فرماتے اور ایک روایت میں تصریح ہے کہ لك مافوق الازار، ایکم املك اربه اَرب بفتح الہمزۃ بمعنی حاجت اور اِرب بالکسر عضو الذی یستمتع

باب ترک الحائض الصوم

حائضہ صوم کو چھوڑ کر پھر قضا کرے گی جبکہ نماز کا ترک محض ہے اس کی قضاء نہیں۔

باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف

حائضہ کے لئے حج کے موقع پر سوائے طواف کے تمام اعمال کا ادا کرنے کا جواز ہے طواف جائز نہیں کیونکہ طواف ایک تو مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کے لئے دخول فی المسجد جائز نہیں اور دوم یہ کہ طواف کے لئے طہارت ضروری ہے جبکہ حائضہ طاہرہ نہیں ہے۔

کان النبی صلعم یذکر اللّٰہ علی کل احیانه............ جمہور کے ہاں حائضہ کے لئے قرأت جائز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی آیت بطور دعا پڑھے یا ہجے کر کے پڑھے تو جائز ہے۔

باب الاستحاضة

حسب عادت خون کا آنا حیض ہے اور بسبب مرض استحاضہ ہے نماز اور روزہ کے احکام میں مستحاضہ طاہرہ کے حکم میں ہے۔

باب اعتکاف المستحاضة

مستحاضہ چونکہ طاہرہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس کے لئے اعتکاف جائز ہے بشرطیکہ خون کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا ہوا

اعتکف مع بعض نسآءہ...... اس سے کون مراد ہے (۱) سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ (۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔

باب تصلی المرأة فی الثوب حاضت فیه

حیض کے کپڑوں میں نماز جائز ہے بشرطیکہ کپڑوں پر خون نہ لگا ہو یا خون لگا ہو لیکن اس کے بعد کپڑوں کو دھویا ہو۔

☆☆☆

باب الطیب للمرأة عند غسلها من المحیض

حیض کے بعد حائضہ کے بدن پر جہاں جہاں خون لگا ہے تو وہاں پر بدبو کو ختم کرنے کے لئے کپڑے سے خوشبو لگائے جیسے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے وتاخذ فرصة ممسكة فتتبع بها اثر الدم

باب قول الله مخلقة وغير مخلقه

اس باب میں مخلقة وغیرہ مخلقہ کی تفسیر مقصود ہے۔

اشکال: یہ باب اس مقام کے مناسب نہیں ہے بلکہ کتاب التفسیر کے مناسب ہے؟

جواب: اس باب کی مناسبت کتاب الحیض سے یہ ہے کہ جس عورت کو حیض آتا ہے وہ خلقیت کے قابل ہوتی ہے اور جس کو حیض نہیں آتا وہ خلقیت کے قابل نہیں ہوتی۔

باب اقبال الحیض وادبارها

احناف کے ہاں تمیز بالالوان کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اقبال وادبار سے اقبال عادت اور ادبار عادت مراد ہے۔

مستدل یہ ہے: كانت النساء يبعثن الى عائشه رضى الله عنها بالدرجة فيها الصفرة فتقول لا تعجلن حتىٰ ترين القصة البيضاء

باب اذا حاضت فی شهر ثلث حیض

یہ ترجمۃ الباب بخاری شریف کے مشکل ابواب میں سے ہے کہ عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آ سکتے ہیں یا نہیں؟ قاضی شریحؒ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آ سکتے ہیں مثلاً عورت کو خاوند طلاق دے دے پھر عورت ایک ماہ کے بعد عدت گزر جانے کا دعویٰ کرے تو قاضی شریح اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے خاندان کی دیگر خواتین اس بات کی گواہی دیں کہ ہمارے خاندان کی عورتوں کو مہینے بھر میں تین حیض آتے ہیں تو اس عورت کا دعویٰ قبول ہوگا اور عورت کی عدت پوری تصور کی جائے گی۔

عورت کی اقل مدت عدت میں اقوال: (۱) امام احمدؒ کے ہاں اڑتالیس ایام اور تین

لمحات (۲) شوافع کے ہاں بتیس دن (۳) صاحبینؒ کے ہاں کم از کم انتالیس ۳۹ ایام (۴) امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ساٹھ ۶۰ دن علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی شریح کا قول تعلیق بالمحال ہے کیونکہ عورتیں یہ گواہیں کیسے دی سکتی ہیں کیونکہ عورت کو کیسے مہینے میں تین حیض آ سکتے ہیں اگر بالفرض قاضی شریح کا مذہب احناف کے خلاف بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعی ہیں تو بھا ضی شریح کا قول امام صاحب کے خلاف حجت نہیں۔

حیض وغیرہ میں عورت کا قول معتبر نہیں ہے یا نہیں؟ حیض وگیرہ کے مسائل میں عورت کا قول مع الحلف معتبر ہے لقول اللہ ولا یکتمن اللہ فی ارحامھن الآیۃ

كتاب التيمم

باب التيمم الوجه والكفين

تیمم میں اختلاف محل کے اعتبار سے ہے امام اعظمؒ اور جمہور کے ہاں محل تیمم وجھہ اور والمرفقین ہے امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے ہاں وجہ اور تہ یدین کفین تک محل تیمم ہے دوسرا اختلاف تعداد ضربات میں ہے جمہور کے ہاں ضربتین ہیں اور امام احمدؒ کے ہاں ضربہ واحدہ ہے امام بخاری کی متعلقہ باب سے امام احمد کی تائید مقصود ہے جمہور حدیث الباب کا جواب دیتے ہیں کہ اس سے مقصد فقط یہ ہے کہ سابقہ طریقہ کی طرف اشارہ مقصود ہے حدث اصغر اور حدث اکبر کے لئے تیمم میں کوئی فرق نہیں بلکہ جو تیمم حدث اصغر کے لئے تھا وہی حدث اکبر کے لئے کافی ہے۔

باب الصعيد الطيب

مقصد یہ ہے کہ تیمم موقت نہیں ہے بلکہ جب تک سبب نقض نہ پایا جائے تب تک تیمم سے نماز وغیرہ جائز ہیں اور جب تک تیمم کی شرط باقی ہے تیمم جائز ہوگا وقال الحسن یجوز التیمم مالم یحدث، ام ابن عباس وھو مھنمم اس سے متیمم کی امامت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

فهرست ابواب درس بخاری